

لَکَلْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ ثَمَرًا وَمِنْهَا جَانًا

سک ثانی سلسلہ دعوت الحق و منہاج الحق

المسمی بہ

CHACRED

شعۃ الحق

(جس میں)

شریعت حقہ صرف قرآن مجید کی تشریح آیتوں سے بیان کی گئی ہے
اور یہ ثابت کر دیا گیا ہو کہ قرآن مجید مکمل اور مفصل ہے اور یہ بھی کہ
خدائی کتاب انسانی رائے کی پابند و ماتحت نہیں ہے اور یہ بکمال
اکملت لکھ دینکم و اقممت علیکم نعمتی کا مظہر کامل ہے۔

(مصنف) مولوی حافظ سید محمد الحق صاحب عظیم آبادی کان اللہ

مصنف

میلاد النبی۔ الاخلاق۔ پردہ سسٹم۔ رسالہ ربوہ۔ دعوت الحق و منہاج الحق
باہتمام کمترین بندہ بھگت سہائے سنہا نیجر مطبع ذرا۔

۱۳۲۹ھ

مطبع کلید پورہ ٹنک پورہ علی گڑھ ضلع شاہ

معذرت

کائنات کا ہر ذرہ اپنی اک ہستی رکھتا ہے جس سے
اوس کا وجود قائم ہے۔ اسی طرح لیتھو پریس کی ہستی جبیر
اوس کا وجود قائم ہے اوس کا غلطیوں سے خالی نہونا ہے
ہزار ہا سو مارو مگر کتاب غلطی سے بچ جائے ناممکن۔ محال و
ناممکنات کی فہرست میں اول درجہ لیتھو پریس میں صحیح چھپنے کا
ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میری کوششیں ناکام رہیں۔
اگر میں غلط نامہ اضافہ کروں تو کوئی غلط نامہ سے کتاب کی
صحت کرے تو پڑھے میں نے نہ دیکھا نہ سنا۔ اسلئے مجھے
اسکے سوا چارہ نہیں کہ ناظرین کتاب سے اُمید کروں کہ وہ کتاب کو
ملاحظہ فرماتے وقت اپنی صحت مذاق سے صحیح فرمالین گے اور میری
اس مجبورانہ تکلیف دہی کو معاف فرمائیں گے۔

معذرت خواہ

مصنف کتاب

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون
۱	حمد باری تعالیٰ
۳	نعت خاتم المرسلین منزل من رب العلمین
۴	مقدمہ
۴	عرض حال
۶	قرآن مجید
۱۷	حدیث
۲۳	فقہ
۲۵	عمل متواتر
۲۹	حکم
۳۱	تاریخانہ حقیقت کتب سماوی
۳۳	توریت
۳۶	انجیل
۴۲	حقیقت توریت و انجیل از روی قرآن مجید
۴۹	تاریخ مذہب

صفحہ	مضمون
۵۶	اختلاف مذاہب
۵۸	فیصلہ
۶۱	قانون فطرت اور قانون قدرت
۶۳	موضوع و غرض تصنیف کتاب
۶۸	التماس
۷۳	آغاز کتاب
۷۴	حل مسائل حل طلب
۷۴	مسئلہ (۱) خداوند عالم نے سارے رسولوں کے ذریعہ سے ایک ہی صراط مستقیم کی ہدایت کی اور ایک ہی دین بھیجا یا مختلف - اور اپنے بھیجے ہوئے دین اور اوس کے پیروں کا نام اوس نے کیا رکھا ہے ؟
۸۱	مسئلہ (۲) دین الہی ایک دوسرے کا نسخہ ہوا یا ایک دوسرے کا مصدق نسخہ ہے تو ہر ایک دین دوسرے ماسبق دین کا یا ہر ایک دین کے بعض بعض احکام دوسرے دین کے بعض بعض احکام کے نسخہ ہیں - یا قرآن مجید ہی سارے ادیان کا نسخہ اور قرآن مجید ہی کی آیتیں آپس میں ایک دوسرے کی نسخہ ہیں - اور اگر ہر ایک دین دوسرے دین کا مصدق ہے تو بالکل ہوا یا بالجزو ہے یا صرف دین الہی کے دین الہی ہونیکا مصدق ہے ؟
۹۳	دعوة الی اللہ
۹۵	مسئلہ (۳) وحی نزول کی حقیقت کیا ہو اور اس کا عنوان کیا رہا - اور مایوحی اور ما انزل اللہ کیا ہے ؟

صفحہ	مضمون
۹۹	مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ كِىْ آيٰتِيْنَ
۱۰۲	مَا يَوْحٰى كِىْ آيٰتِيْنَ
۱۱۱	مسئلہ (۴) بعد اس کے کہ احکام و ہدایات کی تجدید و وحی و نزول کھوئی گئی دین الہی میں حکم خدا ہی کا واجب التعمیل ہے یا کسی اور کا بھی ؟
۱۱۴	مسئلہ (۵) جو کوئی بجا اَنْزَلَ اللّٰهُ حکم نہ دے تو اس کے لئے کوئی تہدید بھی ہے یا نہیں ؟
۱۱۶	مسئلہ (۶) اگر اطاعت ما اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی قرآن مجید ہی فرض ہے تو اطاعت رسول کے معنی کیا ہیں۔ اور من حیث رسالت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی منزلت ہے ؟
۱۲۸	مسئلہ (۷) نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم دین الہی میں متبع قرآن مجید ہے یا اپنی رضا و خواہش سے بھی حکم دیتے تھے۔ اور آیا آپ احکام قرآنی کو کم و بیش کرنے، حدود و اشد کو توڑنے، یا حلال و حرام کی فرست گھٹانے بڑھانے کے بھی مجاز من اللہ تھے یا نہیں ؟
۱۳۲	مسئلہ (۸) نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفائے دین الہی کی تبلیغ کس کتاب کے ذریعہ سے کی، اور کونسی کتاب ان کی دستور العمل تھی اور ان کی یہ تبلیغ ناقص تھی یا کامل، اگر تبلیغ کامل کر نیکی کے لئے حدیث کی بھی تبلیغ کی گئی تھی تو صحابہ کو کل حدیثیں پہنچی ہوئی تھیں یا نہیں، اگر پہنچی ہوئی تھیں تو تبلیغ بھی لگائی تھیں، تو وہ تبلیغ شدہ کتاب کہاں ہے، اور اگر پہنچی ہوئی نہ تھیں

صفحہ	مضمون
	اور تبلیغ بھی نہ ہوئی تھیں تو کیا تبلیغ ناقص کی گئی، اور اس صورت میں تبلیغ کامل کر نیکے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجتماع حدیث کے لئے کیا اہتمام کیا، اگر کوئی اہتمام نہ کیا تو کیا تبلیغ کی تکمیل اجتماع حدیث تک دوڑھائی سو برسوں کیلئے ملتوی رہی، اور کیا اسالت کا کام ناتمام رہا، اور مسلمان اطیعوا اللہ رسول کے نافرمان رہے ؟
۱۳۷	مسئلہ (۹) حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جمع کر نیکا حکم دیا تھا یا منع فرمایا تھا۔ اگر حکم دیا تھا تو خود آپ کے زمانہ باسعادت میں اسکی تعمیل کیوں نہ کی گئی۔ اور اگر منع فرمایا تھا تو یہ بدعت کس نے گھڑی کی اور کب کھڑی کی، اور حدیث کیسا تھ خلفاء راشدین اور صحابہ کا کیا سلوک رہا اور انکی حقیقت کیا ہے ؟
۱۵۷	مسئلہ (۱۰) حدیث کی حقیقت جیسا کہ مقدمہ میں بیان ہوئی اور جو مسئلہ علماء کرام پر اوس روسے بھی اگر دیکھا جائے تو کس کس قسم کی حدیثیں رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور کس کس قسم کی حدیثیں حدیث ہی نہیں ہیں مگر حدیث سمجھی جاتی ہیں ؟
۱۶۴	احقاق حق
۱۶۹	مسئلہ (۱۱) جو اقوال و افعال حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت ہو جائیں وہ حدیث ہے۔ یا جو مشتبہ رہیں وہ بھی۔ یا جو صحابہ تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی۔ جو تابعین تک سلسلہ نسبت

رکھتے ہوں وہ بھی۔ جو تیج تابعین تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی
یا جنکو علماء نے حدیث تسلیم کر لیا ہو وہ بھی۔ یا حدیث کے معنی کتاب
حدیث کے ہیں؟

۱۶۲ مسئلہ (۱۲) قرآن مجید مجمل ہے یا مفصل۔ کامل ہے یا ناقص۔ محتاج
تفسیر ہے یا نہیں۔ اگر محتاج تفسیر ہے، تو رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے
یا خلفائے ایا صحابہ نے کوئی تفسیر لکھی، یا لکھوائی یا نہیں۔ نہیں لکھی تو قرآن
مجید کو مجمل ناقابل عمل درآمد کیوں چھوڑا۔ یہ تبلیغ دین کی تکمیل کی خدمت جو
سب کاموں، اختلافات کے جھگڑوں، اور فتح شام و مصر سے بھی مقدم تھی
ترک کیوں کی گئی۔ دران حالیکہ ختم رسالت کے بعد کوئی نبی آئینہ الاهی
نہیں جو قرآن مجید کے اجمال کو کھولے۔ اور اگر قرآن مجید مجمل اور محتاج
تفسیر نہیں ہے تو مجمل اور محتاج تفسیر بالاتفاق کیوں تسلیم کیا جاتا ہے
ایا کسی آیت کے رو سے، یا کسی حدیث مرفوع متصل کے رو سے، یا
کسی عالم کے کہہ دینے سے؟

۱۶۸ مسئلہ (۱۳) تفاسیر موجود ہیں انکی حقیقت کیا ہے اور اگر کوئی ان تفسیروں کے
خلاف کوئی تفسیر بیان کرے تو چونکہ وہ تفسیروں کے خلاف ہے گرجہ
وہ عربی زبان کے مطابق ہی کیوں نہ ہو کیا وہ تفسیر بالرائے ہوگی۔
اور تفسیر بالرائے کس آیت کے رو سے ممنوع ہے۔ اور ممنوع ہے تو
تفسیروں میں اختلافات کیوں پائے جاتے ہیں؟

صفحہ	مضمون
۱۸۹	مسئلہ (۱۴) قرآن وحدیث وفقہ تینوں کی کیا کیا منزلتیں ہیں اور خدا اور رسول کے ساتھ تینوں کی کیا کیا نسبتیں ہیں۔ اور تفسیر رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا منزلت ہے؟
۱۹۷	مسئلہ (۱۵) قرآن مجید عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے یا اپنی کوئی مخصوص اصطلاح میں، یا فرشتوں کی اصطلاح میں، یا کوئی خاص خدائی اصطلاح میں، اگر عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے تو اسکی اصطلاح کے کچھ لینے اور واضح کر نیکا کوئی فرشتہ مجاز و مستحق ہے یا مصطلحات عرب؟
۲۰۰	تنبیہ
۲۰۳	عبادات
۲۰۳	طہارت
۲۰۶	غسل
۲۰۹	وضو
۲۱۲	یتیم
۲۱۴	اذان
۲۱۵	صلوات
۲۲۲	صوم

صفحہ	مضمون
۲۲۹	حج و عمرہ
۲۶۳	حلال و حرام
۲۷۸	اصلاح تمدن
۲۷۹	معاشرت زن و شوہر (نکاح)
۳۰۲	طلاق و خلع و ایلا و ظہار
۳۱۱	سرقلہ
۳۱۵	سرقا
۳۱۹	احکام مالی
۳۲۱	تعریف اسراف - بخل - اور سخاوت -
۳۲۱	اسراف
۳۲۲	بخل
۳۳۰	سخاوت یعنی میانہ روی
۳۳۲	صدقہ
۳۳۸	زکوٰۃ
۳۴۷	نفقہ
۳۵۶	قرض حسن
۳۶۱	سابلو

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين

الحمد لله الذي لا اله الا هو له الحمد في الاولى والاخرة طوله الحكم
 واليه ترجعون فبسم الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد
 في السموات والارض وعشيا وحين تظهرون هو الله الذي لا اله الا هو
 عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم هو الله الذي لا اله الا هو الملك
 القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر سبحان الله عما يشركون
 هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنی يسبح له ما في السموات والارض
 وهو العزيز الحكيم هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهر
 على الدين كله فرب يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام
 لا اله الا الله

اے خدا! کمان تو اور کمان ہم۔ تو ہے اور ہم نہیں ہیں۔ ہماری کوئی ہستی بھی ہو تو

اس کا حوصلہ کریں۔ تو اپنی حمد اب تو ہی کر۔ الحمد للہ رب العالمین۔

اے خدا! اگر تیرا شکر کر نیکو کھڑے ہوں تو کمان تیری بے تھاہ نعمتیں کہ ان نعل و انعمۃ اللہ کا قصوہا اور کمان ہماری ہستی نمانیستی کہ لم یکن شیئاً مذکوراً۔ ہستی تیرے لئے ہے، اور نیستی ہمارے لئے۔ سارے صفات تو تیرے ہی، اور ہم تو کمین ہوں بھی۔ جیسے عکس یا سایہ، دیکھو تو ہے، اور ڈھونڈو تو نہیں ہے۔ یا جیسے خیالی صورتیں، خیال میں تو ہیں، اور سمجھو تو نہیں ہیں۔ جس ہمندرد کی تھاہ نہیں، اور اس کے ناپنے کی ہمت اگر ہمارے جیسے وجود کی بساط کے اندر ہو تو کی جائے۔ مگر فتادرفنا کی بساط کیا۔ ہاں اے غیب الغیب! قربان تیر فضل و کرم کے کہ جو کچھ ہے وہ تیرا ہی ہے، ہماری جیسی ہستی ہو تو، ہماری جیسی نیستی ہو تو۔ اور جو کچھ ہمارا کہا جاتا ہے وہ تیرا ہی دیا ہے، ظاہر ہو تو، چھپا ہو تو، پھر کیونکر اور کس طرح ہم تیرا شکر کریں گا حوصلہ کریں اور کن کن نعمتوں کا۔

اے خدا! تو ہی نے فرمایا ہے لو کان البحر مداد الکلمات سرائی لنفدا البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بحثلہ مداداً پھر بھی ہم ایسے بچھڑے ہوؤں کہ اس عالم میں اپنے کمال، قرب اور اپنی دید و شنید کیلئے تو نے اپنا کلام منزہ عن الصوت اور مقدس عن الکلیف اپنے برگزیدہ اور پیارے رسول عربی کی زبان سے اپنے برگزیدہ رسول کی زبان میں عنایت کیا تو اسکا شکر کس طرح ادا کریں کہ یہ ممکن نہیں نظر آتا۔ اللہ اللہ یہ عنایت اور ہم۔ صدقے اس عنایت کے۔ سبحن اللہ وبحمدہ۔ تیرے کلام سے اگر ہم تجھے پانا جائیں تو کلام سے مشکل تک پہنچنے میں کوئی زینہ نہیں، دوری نہیں، منازل نہیں۔ کلام میں ڈوبے اور مشکل تک پہنچے۔ اللہ اللہ تیرا یہ فضل و کرم اور ہم جیسوں پر۔

هو الرحمن الرحیم

نعت خاتم المرسلین منزل من رب العالمین

یا ایہا النبی انا امرسلناک شامداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنتہ و مسلماً
 صلیراً و ما امرسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً لقد من اللہ علی المؤمنین
 اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلو علیہم آیاتہ و یرکبہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ
 فاستجبوا للہ و للرسول اذ ادعاکم لما ینحیکم من یطع اللہ و الرسول فاولئک
 مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین و الصدیقین و الشہداء و الصالحین
 و حسن اولئک سرفیقاً و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضلّ ضلالاً بعیداً
 ان اللہ و ملکوتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیماً
 اللہم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا محمد النبی اکامی و یاسرک و سلم
 کالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

قربان اور سود فقہ قربان اور رسول عالم، خاتم انبیاء، حشر چشمہ اولیا، معدن کنوڑ
 الوہیت، منظر و دیعیات انسانیت احمد مجبلی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنکے وسیلے سے
 ہم کو خدا کا کلام ملا، خدا کی ہدایت ملی، خدا کا نور ملا، اور خدا کی سیدھی راہ ملی۔ ورنہ ہمارا تو
 کہیں بھی ٹھکانا نہ تھا، اور ہماری تو کہیں بھی پناہ نہ تھی۔ جس کے وسیلے سے خدا ملے اور
 خدا تک رسائی ہو، محبت ملے اور محبوب تک رسائی ہو، اس کی نعمت خدائی زبان سی ہی
 ادا ہو تو ہو، انسانی زبان اس کا حوصلہ کرے بھی تو کن لفظوں میں، اس کی ہمت کرے بھی تو
 کس قوت کے سہارے۔ زبان کو دیکھو تو آنکھ اور کان نہیں، آنکھ اور کان کو دیکھو تو زبان
 نہیں۔ پھر دید و شنید کا مارا زبان کیا ہلائے اور کیونکر۔ دل محبت کا دیوانہ، دماغ جذبات کا

متوالا۔ ہوش حواس یا ختمہ حواس ہوش کھوئے ہوئے آصنا یا اللہ وانک لہ سوال اللہ
واللہ یعلم انک لہ سوالہ ط صلی اللہ علیک وسلم۔

مقدمہ

میں نے مقدمہ کتاب کو چند سرخیوں میں بیان کیا ہے۔ اسکے بعد مضامین حل طلب سحر
کتاب شروع کی گئی ہے۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ پہلے مقدمہ کتاب پڑھ لیں پھر اصل
مضامین کتاب کی طرف توجہ فرمائیں۔

عرض حال

اگر کوئی جنگل سے ٹپک پڑے تو یہ دیکھ کر کہ دنیا کی ساری آبادی میں ہر کوئی کوئی نہ کوئی مذہب
رکھتا ہے، وہ بھی کوئی نہ کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے گا۔ یا کوئی دہریہ دہریت سے تائب ہو
اور کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے تو ضرور وہ مذہب حق کا متلاشی اور متجسس ہو گا مگر یہ راہ
اوسے کٹھن دکھائی دیگی۔ وہ دیکھ گا کہ دنیا میں ہزاروں ہزار مذاہب ہیں مگر ہر ایک
اپنے ہی برسر حق ہونے اور دوسروں کے برسر باطل ہونے کا مدعی ہے۔ وہ گھبرا اٹھے گا
کہ حق کسے سمجھے اور باطل کسے۔ ہر ایک مذہب کے باطل ہونے پر اوس کے خلاف کی
ساری دنیا گواہی دے رہی ہے تو یہ اتنی بڑی گواہی کیونکر مردور کجائے اور پھر کوئی
مذہب حق کیونکر تسلیم کیا جائے۔

سائے مذاہب میں سے حق و باطل کو چننا کھربے کو تپے کو پرکھنا، جب تک کسی ایسے
معیار پر نہ ہو جسے دنیا تسلیم بھی کرتی ہو وہ قابل تسلیم نہیں۔ تو ایسا معیار عقل و فطرت ہی ہو سکتا

جس سے کوئی ذوق عقل، انحراف نہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ عقلی براین، فلسفی دلائل، اور فطرتی مشاہدات
 سے اسلام کی حقانیت، برعکاس دیگر ادیان کے دعوے الحق میں ثابت کی گئی ہے۔ جو کتاب
 بنیاد ہو چکی ہے اور طالب حق کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ طالب حق نے اسلام کی حقانیت
 تسلیم ہی کی، اسلام کے آگے سر بھی جھکا یا، اور مسلمان بھی ہوا۔ پھر بھی تحقیقات اور چھان بین کی
 جن جان بوجھ کو مصیبتوں کو بھیل کر اور سر غریب نے اسلام قبول کیا تھا اور ان مصیبتوں سے
 وہ ٹھکانہ بن۔ اسی آفت میں وہ پھنسا رہا جس آفت کا وہ مارا ہوا تھا۔ مسلمان ہونے
 پر بھی وہ مسلمان نہ ہوا۔ کیونکہ جس طرح دنیا میں سیکڑوں مذاہب ہیں اسی طرح اسلام میں بھی
 جس طرح سارے مذاہب شلخ درشلخ ہو گئے اسی طرح اسلام بھی۔ جس طرح ہر مذہب کی
 ہر ایک شلخ اس کی مدحی ہے کہ ہم ہی برسر حق ہیں اور ہمارے سوا سارے بوسر باطل۔
 اسی طرح اسلامی فرقے بھی اسی کو مدحی ہیں کہ ہمترین ایک ہم جنتی ہیں اور بہتر جہنمی۔
 ہر گروہ اپنی خاندانی روش کا سفر و رہے لکل وجہۃ ہو مولیٰ (بقرہ ۱۳۶) اور
 ہر فرقہ اپنے حال میں سست ہے کل حزب بما لدیہم فرحون (سورہ ملہ) ہر کوئی اپنی
 اعمال کا زادہ اور اپنے ہی رفتار کو مقبول بھی سمجھے ہوئے ہے اور معقول بھی گذشت
 ترینا لکل امة عملہم (انعام ۱۳۱) افسوس۔ وہ اسلام جس نے سارے مذاہب کو
 اپنے وحدانیت کے رنگ میں رنگا تھا کہ صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة (تقو)
 یعنی خدائی رنگ، وہ بھی دیگر مذہبوں کے رنگ میں رنگ گیا۔ اب جو دیکھو تو اسلام بھی
 وہ اسلام نہ رہا جسے اسلام کہا جائے۔ اسلام آیا تھا منتشر مشرقتوں کو جوڑنے، وہ بھی
 ٹوٹ پھوٹ کر ٹولیوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس ملک میں جاؤ، یورپ ہو یا ایشیا، افریقہ ہو
 یا امریکہ، جہاں جاؤ براعظم ہو یا جزیرے، جنگل ہو یا آبادیاں، جس بلندی پر جاؤ،

جس پستی میں جاؤ، گلستان ہو یا خارستان، بوستان ہو یا ریگستان، تمام مسلمان پاؤ گے
مسلمانوں کی جماعتیں پاؤ گے، مگر کس حال میں، منتشر، متفرق، گروہ در گروہ، جماعت
در جماعت۔ اور سب ایک دوسرے کو کافر، مرتد، بدعتی اور جہنمی کہنے والے۔ آخر اسکی
وجہ کیا؟ خدائے واحد کی وحدانیت پر سب کا ایمان۔ سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی رسالت پر سب کا ایمان۔ اور قرآن مجید کی حقانیت پر بھی سب کا ایمان۔
پھر اختلاف کی اتنی شاخیں کہاں سے پھوٹیں کہ لگے مسلمان ہی مسلمان کو کافر و مرتد بنانے
اور مسلمانوں ہی سے جہنم گرانے۔

اس سوال کے حل کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ قوم کے مسلکوں کی طرف توجہ کی جائے تاکہ
آشکارا ہو کہ کہاں سے مسلک بدلا ہے، جس نے مذہب کو بدل دیا، اور شاخ در شاخ
کریا۔ تو مسلمانوں کا مسلک قرآن و حدیث و فقہ ہے۔ اس لئے مجھے چاہئے کہ میں
ان تینوں کی حقیقتوں کو جیسا کہ قوم سمجھتی ہے بیان کر دوں۔

قرآن مجید

خود قرآن مجید میں قرآن مجید کے متعلق خداوند تعالیٰ و تبارک نے بہت سی آیتیں فرمائی ہیں
اگر میں سب آیتوں کو بیان کر دوں تو کتاب ضخیم ہو جائیگی۔ مگر کچھ نہ کچھ تو بیان کرنا ضرور ہے
تاکہ معلوم ہو کہ قرآن مجید اپنی حقانیت اور کلام الہی ہونیکا ڈٹنے چوٹ مدعی ہے۔ اور
اب دنیا میں کوئی کتاب نہیں رہی جس کا خود یہ دعویٰ ہو کہ ہم کلام الہی منزل من اللہ ہیں۔
تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٗ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (فرقان ۱) قل
لَنْ اَجْمَعَ کَافِرِیْنَ وَّالْحٰجِیْنَ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْفُرْقٰنِ ط لَیٰ اَیُّوْنَ یَّمْشِلُہٗ

ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً (نبي اسرائيل مثلاً) لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته
 خاشعاً متصدعاً من خشية الله (حشر مثلاً) انه لتنزيل رب العالمين ه تنزل
 به الراح أكامين على قلبك لتكون من المنذرين ه بلسان عربي مبين ه
 وانه لفي نمر بالاولين (شعرا مثلاً) تنزيل الكتاب لا ريب فيه من رب العالمين (سجده مثلاً)
 ان هذا القرآن يهدي للتي هي اقوم (نبي اسرائيل مثلاً) قل انما اتبع ما يوحى
 الى من ربي هذا البصائر من ربكم وهدى ورحمة لقوم يؤمنون ه (اعراف مثلاً)
 هذا كتاب انزلناه ببرك فاتبعوه واتقوا لعلكم ترحمون (انعام مثلاً) انه لقرآن
 كريم في كتاب مكنون لا يمسه الا المطهرون ه تنزيل من رب العالمين ه
 افبهذا الحديث انتم مدهنون (واقعة مثلاً) واذا قرأ القرآن فاستمعوا له
 وانصتوا لعلكم ترحمون (اعراف مثلاً) من اظلم ممن ذكر بآيات ربه ثم اعرض
 عنها انا من المجرمين منتقمون (السجده مثلاً) سنبجزى الذين يصدفون
 عن آياتنا سوء العذاب بما كانوا يصدفون (انعام مثلاً) قد جاءكم بصائر من ربكم
 فمن ابصر فلنفسه ومن عمى فعليها (انعام مثلاً) من اعرض عن ذكرى
 فان له معيشة ضنكاً ونحشره يوم القيامة اعلى قال رب لم تحشرني اعلى
 وقد كنت بصيراً قال كذلك ائتينا فتنسوها وكذا لك اليوم تنسى (طه مثلاً)
 قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين يهدي به الله من اتبع رضوانه سبيل
 السلام ويخرجهم من الظلمات الى النور يا ذنبه ويهديهم الى صراط مستقيم
 (المائدة مثلاً) قل هو للذين آمنوا هدى وشفاعة (حم السجده مثلاً) يا ايها الناس
 قد جاءكم موعظة من ربكم وشفأنا في الصدور وهدى رحمة للمؤمنين ه

قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا هو خير مما يجمعون ه (نورسہ)
والذين يمسكون بالكتاب واماوا الصلوة انا لا نضج اجر المصلين ه (اعرافہ)
كلياته الباطل من بين يديه وكامن خلقه (حم السجده) انا له الحافظون

ترجمہ

خدا ایسا برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ سارے جہان کیلئے
ڈرائیو والا ہو + اسے محمد کہہ دو کہ اگر سارے انسان جن اس بات پر متفق ہوں کہ اس قرآن جیسا
اک قرآن بنا لائیں جب بھی وہ ایسا قرآن نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے
مددگار بھی ہوں + یہ قرآن اگر ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو ضرور تم دیکھ لیتے کہ خدا کے خوف سے
وہ دب جاتا پھٹ جاتا + بے شک یہ قرآن خدا کا نازل فرمودہ ہے + اسے روح الامین
سلیس عربی زبان میں تمہارے قلب پر لیکر اترتا کہ تم ڈرائیو الون میں ہو اور بیشک
یہی قرآن مجید اگلی کتابوں میں ہے + اس قرآن کا نزول بے شبہ از جانب پروردگار عالم ہو +
بے شک یہ قرآن ایسا راستہ دکھاتا ہے جو بہت سیدھا ہے + اسے رسول لوگوں سے کہہ دو
کہ میں تو اوسے ہی پر چلتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میری جانب وحی کیجاتی ہے۔
یہ خدا کی طرف سے تمہارے لئے بصیرت ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت +
یہ اک برکت والی کتاب ہے ہماری نازل کردہ تو اس پر چلچلو اور پرہیزگار بنو تاکہ تم پر
رحم ہو + بے شک یہ قرآن عزت والا قرآن ہے جو پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا ہے
اوسے پاک لوگوں کے سوا کوئی مس نہ کرے یہ منزل من اللہ ہے تو کیا تم لوگ اس حکام
کے منکر ہو + جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اوسکو کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہو تاکہ تم پر
رحم ہو + اوس سے ظالم ترکوں ہے جس کو پروردگار عالم کی آیتوں سے نصیحت کی گئی

تو اوس نے اوس سے منہ موڑ لیا۔ بے شک ہم گنہگاروں سے بد لالین گے + وہ جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں اور ان کے کترانے کے سبب ہم اور ان کو برے عذاب کی سزا دیں گے + تمہارے پاس تمہارے خدا کی طرف سے بصیرتیں آچکیں تو جس نے دیکھ پایا تو اوس کا فائدہ اوس کی اور جو اندھا رہا تو اوس کا وبال اوس پر + جس نے میرے قرآن سے منہ موڑا تو ضرور اوس کے لئے تنگی کی گزران ہے اور قیامت کے دن ہم اوس کو اندھا اور ٹھائیں گے وہ کہیگا کہ اے خدا تو نے ہمیں اندھا کیوں اور ٹھایا ہم تو دنیا میں آنکھ رکھتے تھے خدا فرمائے گا کہ جس طرح ہماری آیتیں تمہارے پاس پہنچیں تھیں اور ہمیں بھولا دیا اوسی طرح آج تم بھولا دے جاؤ گے + بے شک خدا کی طرف سے روشنی یعنی روشن کتاب تمہارے پاس آچکی جس کے ذریعہ سے خدا اونکی جو اوسکی رضا کے طالب ہوئے راہ نجات کی ہدایت کرتا ہے اور اونکو تاریکی سے روشنی کی طرف لیجاتا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے + کہدو کہ ایمان والوں کیلئے یہ ہدایت و رحمت ہے + لوگو! خدا کی طرف سے نصیحت اور دل کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کیلئے ہدایت و رحمت تمہارے پاس آچکی تو اے رسول! اونکو سنادو کہ خدا کے فضل و رحمت یعنی قرآن ہی پر چاہئے کہ لوگ خوشیاں منائیں یہ اور ان سب چیزوں سے بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں + جو لوگ قرآن مجید کو مضبوطی سے دھرے ہوئے ہیں یعنی قرآن ہی سے تمسک پکڑتے ہیں اور نمازین پڑھتے ہیں تو وہ نیکو کار ہیں ہم نیکو کاروں کا ثواب ہرگز ضائع نہ کریں گے + قرآن مجید میں باطل کسی طرح آمیزش نہیں پاسکتا + ہم اوسکی حفاظت کرنے والے ہیں + + +

اس میں تو شک نہیں کہ قرآن مجید خداوند عالم کا نازل فرمودہ ہے۔ مگر خداوند عالم نے اسکی حفاظت کیونکر کی، اور یہ ہم تک پہنچا کیونکر، وہ حسب ذیل صورت سے۔

جب خداوند عالم کو کوئی سورت یا کوئی آیت نازل کرنی ہوتی تھی تو حضرت جبریل اوسے لیکر

آپ کے قلب مبارک پر نازل کرتے تھے۔ آپ اُن آیتوں کو یاد فرما لیتے، اور وہ یاد ہو جایا کرتیں۔ اُس کے بعد حضرت اُبی بن کعب۔ ابوالدرداء۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ اور ابو زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کتابان وحی تھے طلب کئے جاتے اور حسب ارشاد نبوی چھڑون، ہڈیوں، یا کھجور کی چھال پر وہ لکھ لیا کرتے تھے، بجنسہ اونھیں الفاظ کے ساتھ جو بذریعہ وحی نازل ہوتے تھے، تاکہ لوگ اُن کو بخوبی یاد کر لیں اور محفوظ رکھیں۔ یہ منزلہ ایتین اوائل ایام نزول وحی سے لکھ لی جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے خاندان میں اُن کو مسلمان ہونے کے پیشتر آیات منزلہ کی نقل اُن کی بہن کے پاس موجود تھی۔

قرآن کی آیتوں کی ترتیب بھی خود حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات باسعادت میں آپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ خود فرما دیتے کہ اس کو فلان مقام پر لکھو۔ جب کوئی سورہ شروع ہوتی تو آپ شروع میں بسم اللہ لکھوا دیتے۔ سورہ تو بہ میں آپ نے بسم اللہ لکھوائی نہیں تو بسم اللہ ہے بھی نہیں۔

جس طرح آپ لکھوا دیتے اسی طرح آپ کو یاد ہوتا، اور اسی طرح اُنہیں حفاظ یاد کر لیتے۔ جنگ یمامہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوڑے ہی دنوں بعد واقع ہوئی تھی ستر حفاظ شہید ہوئے تھے۔ بلاشبہ حفاظ کو اُنہیں ترتیب سے قرآن مجید یاد تھا جو ترتیب خود حضورِ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم ہوئی تھی۔ آیتوں کی ترتیب کے ساتھ پوری پوری سورتیں بھی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید یاد تھا۔ آپ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوا بڑی بڑی سورتیں بھی پڑھتے تھے، اور پوری پوری بھی پڑھتے تھے۔ اور زبانی تلاوت بھی فرماتے تھے چونکہ حکم تھا اُمّی ما اوحی الیک من کتاب ربک

لا مبدل لکلماتہ ولن تجد من دونه ملتحد ۱۵ (الکھف ۱۵) قرآن مجید کی
 تلاوت کیا کرو اسکے کلمات کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ خدا کے سوا کہیں تم جائے پناہ بھی نہ پاؤ گے۔
 جو آیتیں الگ الگ ٹکڑوں پر لکھی گئی تھیں اور انکو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
 جمع کیا اور حفاظ سے مقابلہ کرایا، اور اسی جمع شدہ کی حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ
 عنہ نے نقلین شایع فرمائیں۔ وہی قرآن مجید بلا اختلاف جون کا تون آج تک موجود ہے،
 جیسر آج تک منکرین و مخالفین نے سب نے بھی کلام نہیں کیا۔ کیونکہ تمام دنیا کے شایع شدہ
 قرآن اور تمام دنیا کے حفاظ میں کسی دور اور کسی زمانہ میں اختلاف من حیث لفظ، من حیث
 کتابت، من حیث حفاظ، یا کسی حیثیت سے پایا نہیں جاتا۔ اور یوں وانا لہ لحافظون
 کی تجلی آشکارا کی گئی ہے۔ اختلاف قرأت یا قرآن مجید کی کسی آیت کا متروک ہونا جو کہا جاتا ہو
 وہ ضعیف روایتوں کی بنا پر علماء کے شاخسانے ہیں۔ غرض قرآن مجید کا دو سلسلہ نظر آتا ہو،
 ایک بذریعہ حفاظ، دوسرا بذریعہ کتابت۔ جس طرح بذریعہ حفاظ سلسلہ بدینہ تواتر آج تک
 قرآن مجید بلا اختلاف جون کا تون تمام دنیا میں شایع ہو رہا ہے، اوسی طرح بذریعہ کتابت
 بھی۔ دونوں سلسلوں میں نقطہ تک کافرق نہیں۔ کیا یہ کافی اور قطعی شہادت نہیں ہے
 کہ وہ قرآن جو ٹکڑوں پر لکھا گیا تھا۔ وہ قرآن جسکو حفاظ حسب ہدایت نبوی یاد کر لیتے تھے۔
 وہ قرآن جو خود رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد تھا۔ وہ قرآن جسکو حضرت صدیق
 رضی اللہ عنہ نے ٹکڑوں سے جمع کیا تھا۔ وہ قرآن جسکو حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ
 نے شایع کیا تھا وہی قرآن ہے۔ بے شک وہی قرآن ہے جو کتابت اور حفظ کے ذریعہ سے
 تواتر بعد تواتر بلا اختلاف شایع ہوتے اور پھیلتے پھیلتے آج تک تمام دنیا میں، ہر ملک
 اور ہر آبادی میں، ہر جنگل اور ہر بیابان میں شایع ہے۔ اور جب تک دنیا ہو حفاظت

خداوندی شیلج رہیگا۔ پھر اس میں شک کرتا قطعیات اور بدیہیات میں شک کرنا ہو۔
میں نے قرآن مجید اور واقعات سے کسی قدر بیان کیا جو اس مختصر میں بیان کیا جاسکتا
تھا۔ لیکن ساتھ اسکے میں چند عقلی دلائل بھی حقانیت قرآن مجید کے متعلق پیش کر دینا چاہتا
ہوں۔ کیونکہ آجکل عقلی ہی دلائل کے گے لوگ سر جھکاتے ہیں۔

خلاق مطلق نے جتنی مخلوق پیدا کی تو اسے اس کے مابین محتاج کے ساتھ پیدا کیا۔ مگر حضرت
انسان ضعیف البنیان کو ہر طرح مجبور، رنگا مادر زاد پیدا کیا، ہر ایک کا محتاج۔ ایسا کیا تو
شعور آنے پر اسے خاص شاہی چیز کا ایک حصہ یعنی کسی قدر محدود اختیار دیکر اسے
خلیفۃ اللہ بنایا، اور عقل کو اس کی وزارت کی کنجی دی کہ وہ دنیا میں سب چیزوں پر
بہ ہدایت اور بہ اجازت خدا حکومت کرے، اور اپنا صایحتاج اور اپنی ضرورتیں بحسن و
خوبی آپ پوری کرے۔ جب تک تو انائی اور عقل نہ ملی تو والدین میں شفقت ڈال دی
کہ وہ عقل آنے تک کے لئے اس کے کفیل ہوں۔ اگر وہ پیدا ہوتے ہی اور مخلوق کی طرح چوڑیا
جاتا کہ اپنی غذا آپ پیدا کرے تو نیست و نابود ہو جاتا، عقل آنے پر بھی وہ مطلق العنان
کر دیا جاتا جب بھی نقص عقل اور غلبہ نفس سے وہ ٹھوکرین کھاتا پھرتا، اور تباہ ویراں
ہو جاتا۔ اسلئے اس نے جب عقل دی، اور محدود عقل دی، تو اسے قوانین فطرت کا
ما تحت اور پابند بھی کیا۔ اس نے نفس دیا جس میں سرکشی بھی ہے، تو اسے بھی قوانین
فطرت سے مجبور کیا کہ حد سے باہر قدم نہ رکھے۔ قوانین فطرت جو ہر شے کی حد بندی کر رہے ہیں
میں عقل و نفس کو بھی ان کی حد سے باہر جانے نہیں دیتے۔ عقل اگر نفس کی آمیزش سے
سرکش نہیں ہو گئی ہے، اور سلیم ہے، تو اس کو چاہئے بلکہ اس کو لازم ہے کہ وہ اپنی حد بندی
کو پہچانے، اور حدود اللہ کو نہ توڑے۔ فطرتی حدود کو تو وہ توڑ بھی نہیں سکتی۔

اس توڑ جو زمین وہ آب اپنا ہی گھاٹا اوٹھائیگی۔ اسکے لئے ضرور ہے کہ عقل قوانین فطرت کو ملاحظہ کرے، اور پھر غور و فکر کرے، اور اوس سے انسانی دفعات مستخرج کرنے میں جدوجہد کرے۔ مگر قوانین فطرت جس میں قوانین ارضی ہیں تو قوانین سماوی بھی ہیں۔ قوانین بڑی و بحری ہیں تو قوانین سیارے و ثوابت بھی ہیں، علیٰ ہذا سارے ہی مخلوق کے سارے ہی قوانین اوس میں مندرج ہیں، تو یہ مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے کہ عقل بہ این کم مائیگی اتنے بڑے ضخیم قانون میں سے انسانی قانون مستخرج کر سکے۔ اسلئے خالق انسان کو (جیسا کہ وہ رحم ہے تو عادل بھی ہے) ضرور تھا کہ وہ انسانی قانون صاف اور واضح اوسے عنایت کرے، جب اوس کا حکم روان، اور اوس کا مکلف کرنا قرین انصاف ہوگا۔ فحمد الله و نشتکرا کہ وہ اوس نے عنایت کیا۔ قانون انسانی وہی کتاب اللہ ہے جو خلاق فطرت کی طرف سے عنایت ہوئی ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ فطرت کے مطابق بھی ہو، تاکہ اوس کتاب کو اوس کی کتاب کہنا زیبا ہو جس نے فطرت بنائی۔ اور اوس کتاب کا یہ دعویٰ کہ ہم کتاب الہی میں صحیح اور قابل تسلیم ہو۔ کتب الہیہ تو بہتیری تھیں، اور سب ہی مطابق فطرت تھیں، مگر بہتیری کھوئی گئیں، اور بہتیری بدل گئیں، جسکی حقیقت آئندہ ظاہر کیجائیگی۔ اور اب تو قرآن مجید کے سوا کوئی کتاب اللہ ہی نہیں۔ اسی لئے قرآن مجید کے سوا کسی کتاب کا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ہم کتاب الہی ہیں۔ نہ اسکے سوا کوئی کتاب مطابق فطرت ہے بھی۔ تنزیل من رب العالمین (حم السجدة ۱۱)

کتاب اللہ کی ضرورت میں تمہیں بیان کی، تو انسان کے ہوتے کسی نہ کسی کتاب اللہ کا ہونا بھی ضرور ہے۔ ورنہ اگر کوئی کتاب اللہ نہ تسلیم کیجائے تو انسانی دنیا کی خدائی سلطنت قانون فطرت کے مغلق اور لایخل قانون پر رہ جائیگی، جسکو کما حقہ سمجھ لینا انسانی فطرت سے

پر ہے۔ اس سے خدا پر الزام آ لگا، اور خدا پر الزام نہیں آ سکتا۔ اس لئے جو کتاب کتاب الہی ہو نیکا دعویٰ کرے اور فطرت کے مطابق بھی ہو، اور وہ انسان کو انسان کامل بنائے وہ بھی ہو، تو کوئی وجہ اس کے جھٹلانے کی نہیں، ایسی کتاب ضرور خدائی کتاب تسلیم کی جائے گی اور ایسی کوئی کتاب قرآن مجید کے سوا اس دنیا میں تو نہیں ہے۔ نہ کوئی کتاب قرآن مجید کے سوا ایسی پائی جاتی ہے جس میں خدا کا مخاطب بندوں کے ساتھ پایا جاتا ہو جو شایان کتاب الہی ہے۔ اس لئے بھی خدا کے کلام ہونیکا استحقاق قرآن مجید کو ہی ہے۔ اور یہ دعویٰ اویسکے شایان ہے، اذ لا ٰ کتاب لاریب فیہ من رب العلمین (السمیۃ ۱۸) یہ وہ کتاب ہے جس کے منزل من اللہ ہونے میں کچھ شک و شبہ نہیں۔

دنیا میں قرآن مجید کے سوا کوئی کتاب ایسی نہیں جو من حیث عبارت، من حیث فصاحت و بلاغت، من حیث اخلاق جسمانی، من حیث اخلاق روحانی، من حیث حکمت، من حیث ہدایت، من حیث پاکی مذہب، من حیث صفائے مشرب، بلکہ ہر ایک حیثیتوں سے خاتوٰ لبسورۃ من مثله (ایک سورہ بھی تو ایسی کہ لاؤ۔ بقرہ ۱۳۶) کا غفلہ بلند کیا ہو، اور اوسکو مدعیوں اور مخالفوں کے مقابلہ میں ڈالا ہو، اور اپنے فضل و کمال پر ناز ان گروہ کو بھی ڈنکے چوٹ عاجز کیا ہو، اور دعویٰ کے ساتھ یہ ثابت کر دکھایا ہو کہ جس طرح خدا کی فطرت کی جاندار نقل نہیں او تر سکتی اوسی طرح اس کے کلام کی بھی فیض بخش نقل نہیں او تر سکتی، اور کسی طرح خدا کا کلام انسانی کلام یا انسان کا کلام الہی کلام نہیں ہو سکتا۔ قل لئن اجتمعت الکائنات علی ان یأتوا جملاً هذا القرآن ط لایأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیر ۱۵ اے رسول! ستادی کہہ دو کہ اگر انسان اور جن بھی سارے کے سارے اس بات پر اکٹھے ہوں کہ اس قرآن جیسی

کوئی کتاب بنا لائیں جب بھی وہ ایسی کوئی کتاب بنانہ لاسکین گے گرچہ وہ ایک دوسرے کے معین و مددگار بھی ہوں (بنی اسرائیل علیہ السلام)

میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ دنیا کی کل کتابوں میں ایک قرآن مجید ہی فطرت کے مطابق ہے، اور اسلئے ہی خلاق فطرت کی کتاب ہے، اور کوئی دوسری نہیں۔ تو اگر میں اس مطابقت کو یہ وضاحت اور یہ تفصیل بیان کروں تو اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں۔ اور کچھ نہ بیان کروں تو دعویٰ بے دلیل رہ جائے کہ یہ بدست محتجج دلیل نہیں۔ یہ یہی ہے کہ قرآن مجید کا ہر حکم اور ہر ہدایت بالکل قانون فطرت کے مطابق ہے۔ میں مثال کے طور پر اک جامتہ الورد و اعتراف کے ہیں اپنی دلیل اور ثبوت دعویٰ بنا کر بیان کرتا چاہتا ہوں تاکہ آشکارا رہے کہ قرآن مجید کہاں تک مطابق فطرت الہیہ ہے۔ مثلاً۔ سلسلہ آیات کو ہی دیکھو جو بدینیوں کا معترض علیہ ہے۔ تو سلسلہ آیات قرآنی میں بھی وہی سلسلہ پایا جاتا ہے جو کل فطرتی چیزوں میں ہے، اور کل اون چیزوں میں ہے جو فطرتی حالت میں ہیں، اور جن کا سلسلہ کا حقہ دریافت کر لیتا انسانی دسترس سے باہر ہے۔ جو سلسلہ نظم میں ہے، آسمان میں ہے، پستی میں ہے، بلندی میں ہے، وہی سلسلہ نظم تاروں میں ہے، ثابت و سیاروں میں ہے، اونکی کششوں اور اونکی گردشوں میں ہے، وہی سلسلہ نظم انقلاب موسم میں ہے، انقلاب لیل و نہار میں ہے، بلکہ ہر اجسام و روحانیات میں ہے، یعنی وہی سلسلہ نظم جو فطرت میں ہے، وہی کلام ربانی میں ہے، سورتوں میں بھی اور آیتوں میں بھی، ظاہر اندر وہاں نظم ہے نہ یہاں، اور حقیقت میں وہ بھی مضبوط نظم سے منظم ہے اور یہ بھی۔ فطرت کیلئے ہے کہ تبدیلیاں بحق اللہ، تو کلام ربانی کے لئے ہے کہ تبدیلیاں لکلمات اللہ۔ نظم عالم کو کوئی توڑ نہیں سکتا تو کلام

ربانی کو بھی جو بالکل فطرت کے مطابق ہے کوئی بدل نہیں سکتا۔ دیکھ لو کہ جو قوتیں اک خاص نظم کے ساتھ انسان میں فطرثاً پائی جاتی ہیں اور انہیں قوتوں کو حدود و خطری اور اقتضائے فطری کے ساتھ کام میں لانے کے لئے ہدایتیں نازل ہوئی ہیں۔ قوت باصرہ، قوت سامعہ، قوت ذریعہ، قوت شامہ، قوت لامس، قوت خیال و ادراک، قوت شہوت و خواہش، قوت غضب و جلال، قوت انقباض و اتقاء، اور علیٰ ہذا ساری قوتیں، اور سارے نغمائے الہیہ، جس نظم و انتظام کے ساتھ انسان کو ملے ہیں، اوسی نظم کے ساتھ ان کے احکام و ہدایات ہیں، اگرچہ بظاہر ہر کسی کو نظر نہیں آتا، مگر وہ نہایت مضبوط و مضبوطی کے ساتھ منظم ہیں۔ کیا کائنات کا کوئی ذرہ بھی قانون نظم سے باہر ہے؟ ہرگز نہیں، ہونہیں سکتا۔ یہ نظم فطرت یہ سلسلہ انتظام قرآن مجید کے سوا اور کبیں پایا نہیں جاتا۔ حق بین آنکھیں اس مطابقت سے کھل جاتی ہیں، اور بد بین کو یہ سلسلہ بے سلسلہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ وہ کلام الہی میں شکسپیر کا ڈراما اور سرواٹر اسکاٹ کے ناولوں کا انسانی سلسلہ ڈھونڈتے ہیں، جیسے نہ پا کر وہ اور حق سے دور جا پڑتے ہیں۔ یہ بھی اپنی فطرت کی التوا انسی، اپنی اوٹھان کی ناسازی، اور اپنی غلط صحبتوں کی بدحواسی سے مجبور ہیں۔ یضیٰ یہ کثیراً اَوّیٰ ہدایٰ یہ کثیراً۔ بہترے اس سے گمراہ ہوتے اور بہترے اس سے ہدایت پاتے ہیں۔ (ایقر ملت) خدا کے قول و فعل میں ایسی ہیں مطابقت بین دلیل اور کھلی شہادت ہے کہ اللہ لستلٰی ما ب العالمین (بے شبہ یہ قرآن مجید خداوند عالم کا نازل فرمودہ ہے۔ شعر ملت)

عز و فکر کرنے والوں کا کائنات پر غور و فکر کرو تو کائنات تمہیں ظہور صفات ہی نظر آئیگی اور صفات بھی مسبب بہ اسباب۔ ظہور صفات یہ کائنات ہے اور اس کے مسبب بہ اسباب

ہونے کا قانون قانونِ فطرت۔ مگر سبب ظاہری سبب حقیقی نہیں ہے۔ سبب ظاہر تو یہ ہے کہ مان یا پ نے پیدا کیا مگر حقیقی خدا ہے۔ بظاہر رزق تو زمین سے اوگی اور مختلف فیہ الیہ و اسباب سے ہم تک پہنچی مگر رزاق مطلق خدا ہی ہے۔ اس طرح کلام الہی نے بھی زبان پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ اختیار کیا مگر اس سے وہ کلام رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو جائیگا، بلکہ اس کلام پاک کا مکمل حقیقی بھی اور صفات کی طرح خدا ہی ہے خدا ہی ہے شبہ قرآن مجید خدا نے عالم و زمانا کا نازل فرمودہ ہے تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم (حاشیہ ص ۱۷)

قرآن مجید کی حقانیت کے متعلق اور کچھ دیکھنا چاہو تو وہ دعوت الحق میں دیکھو جو منکروں کے مقابلہ میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا مخاطب چونکہ مسلمانوں کی طرف ہوا اور مسلمانوں کا ہر ایک فرقہ قرآن مجید کی حقانیت پر متفق ہے، اسلئے اس کی حقانیت کی نسبت مجھے کچھ زیادہ لکنا نہیں ہے۔ یہ اتنا کچھ بھی اسلئے لکھا گیا کہ جو لوگ قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں وہ عقلی اور عقلی دلائل کو منکر قرآن مجید کی عظمت و جلالت پہنچانیں، اور اپنے ایمان میں مستقل اور مستقیم ہوں۔ اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن مجید کلام الہی کا درجہ کسی حیثیت سے حدیث و فقہ کے برابر ہے۔

استناد احکام کے لئے اول تو قرآن مجید تھا جسکی حقانیت و حقیقت کسی قدر میں نے بیان کر دی کہ یہ کس درجہ قطعی ہے۔ دوسری چیز استناد احکام کے لئے حدیث ہے۔

حدیث

سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پیغمبری میں جو اہل حضور تھے

وہ خوش نصیب تھے، خوش زیست تھے، تذکرون کے محتاج نہ تھے، ادل تڑپا اور پونچے، آنکھیں بھی سینک لین، ادل بھی ٹھنڈا کیا۔ بعد کے دور والے جو پھڑپھڑے ہوئے تھے، اون کے دل محبوب کے تذکرون ہی میں بستے تھے، مایکونکہ ان کے لئے پانی کی راہ نہ دیکھنے کا راستہ۔ اس طرح آپ کے تذکرہ اور آپ کی حدیثیں یہاں وہاں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ تو جیسا تذکرون کا دستور ہے کہ جتنے منہ اوتنی باتیں، اوپر مبالغہ، جدت، رنگ آمیزیان حسبِ دستور زمانہ لازم۔ یہ باعث ہوا موصوفی حدیثوں کے ذخیروں کا۔ محبت کی انکھ رو دو قح کرتی ہی نہیں، مایکونکہ جوش محبت میں نہ درایت کی گنجائش ہوتی ہے۔ نہ ترازوئے تحقیق پر تولنے کی ضرورت۔ محبت کا متوالا ہر بات کو تسلیم کر نیکو تیار ہوتا ہے۔ یوں غلط روایتوں نے نفعیابی حاصل کی۔ مگر ان جو شراب محبت پیتے گئے، اور بدست نہ ہوئے، جنہوں نے انتخاب سے نظارہ بازی کی، اگر کچھ چکا چوند میں پڑنے کے اون کی آنکھیں اور بھی روشن ہو گئیں، وہ حقیقت کی تجلیوں سے فیضیاب ہوئے۔

تذکرون کا زمانہ جب غبار آلود ہوا، اور رطب و یابس کے انبار لگے، تو حق بینوں کی آنکھیں کھلیں۔ پھر جو منظر سامنے آیا اوس سے اون کا ایمان کانپ گیا، اور دل لرز گیا، کہ یا اللہ یہ تو بری بنی، وہ چہاں بنان میں لگے۔ اور حدیث کے جانچنے کے شرائط مقرر کئے، اور اون شرائط پر جانچنا شروع کیا۔ اون کی یہ غرض نہ تھی کہ نیا دین قائم کریں۔ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ دین میں قرآن مجید سے فاضل کسی کتاب کا اضافہ کریں۔ یا اسلام میں فرقہ بندی قائم کریں۔ بلکہ اون کی غرض خالص یہ تھی کہ حدیثوں میں تمیز پیدا ہو، موضوعی حدیثیں جہاں تک امکان کے اندر ہے چھٹ جائیں، اور آئندہ وضع حدیث کا دروازہ بند ہو۔ جو کوششیں اس کے متعلق اوہوں نے کیں، اس کی مثال دینا میں کہیں نہیں مل سکتی۔ اون کی کوششیں

تمام تر مشکور ہوئیں ، اور وہ بوجہ خلوص نیت جس طرح عند اللہ ماجور ہوئے عند الخلق بھی ویسے ہی محمود و مقبول ہوئے۔ پھر اس چھان بنان کے متعلق جو کچھ کیا گیا اور اسکے لئے جو اصطلاحیں قائم کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حدیث کی تقسیم دو طرح پر کی گئی ہے۔ من حیث روایت ، اور من حیث راوی۔
من حیث روایت تقسیم حسب ذیل ہے۔

اول۔ صافوخ۔ وہ حدیث ہے جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو ، یا آپ کے روپر و دوسروں کا فعل جسکو آپ نے منع فرمایا ہو۔

اب اگر راویوں کے نام مذکور ہوں تو مستند ہے۔ اگر راویوں کا سلسلہ لگا تار پہونچتا ہو تو متصل ہے۔ سلسلہ نہیں پہونچتا تو منقطع ہے۔

دوم۔ موقوف۔ وہ قول و فعل ہے جو کسی صحابہ سے روایت کیا جائے ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب نہ ہو۔

من حیث سلسلہ یہ بھی مستند۔ متصل۔ اور منقطع کی تقسیموں میں منقسم ہے۔

سوم۔ مراسل۔ وہ حدیث ہے جو تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور ذکر صحابہ کا نہ کرے۔

من حیث سلسلہ یہ بھی مستند۔ متصل۔ اور منقطع کی تقسیموں میں منقسم ہے۔

موقوف اور مراسل میں علما کا اختلاف ہے کہ یہ معتبر اور قابل استدلال ہیں یا نہیں۔
چہارم۔ مغلل۔ وہ حدیث ہے جو ظاہر میں تو صحیح و عیوب سے پاک معلوم ہوتی ہو ، مگر اس میں پوشیدہ سبب طعن پائے جاتے ہوں۔

پنجم۔ مدسرح۔ وہ حدیث ہے جس میں کسی راوی کا کلام درج ہو جائے اور گمان یہ ہو کہ

یہ کلام بھی حدیث ہی ہے۔ یا دو متن دو اسناد سے مروی ہوں اور انکو ایک سند سے روایت کیا جائے۔

ششم۔ روایت۔ وہ حدیث ہے جو یوں شروع کی جاتی ہے ”یہ بیان کیا گیا ہے۔ یا فلان شخص نے یوں روایت کی ہے۔“

ہفتم۔ موضوع۔ وہ حدیث ہے جو کسی نے خود بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہو۔ من حیث راوی حدیث کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

اول۔ صحیح۔ یہ وہ حدیث ہے جسکے راوی اول سے آخر تک یکے، دیندار، اور متقی ہوں۔ اور کبھی کسی قسم کی برائی کے ساتھ تہمت ہوئے ہوں، بلکہ قدین اور صدق مقال کے لئے مسلم اور مشہور ہوں۔

دوم۔ حسن۔ یہ وہ حدیث ہے جسکے راوی بلحاظ اوصاف حمیدہ اوس درجہ کے تو نہ ہوں جو حدیث صحیح کے راوی ہیں، مگر یا انہم وہ پرہیزگار و ثقہ ہوں۔ اور اوس حدیث کی اصلیت بھی غیر مشتبہ ہو۔

سوم۔ ضعیف۔ یہ وہ حدیث ہے جسکے راوی بلحاظ اوصاف صحیح اور حسن دونوں سے گرنے ہوئے ہوں۔

چہارم۔ غریب۔ یہ وہ حدیث ہے جسکے راویوں میں سے کسی نے بھی بجز انک اداہ حدیث کے اور کوئی حدیث روایت نہ کی ہو۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فوج حدیث میں کچھ بھی خبر نہیں رکھتا۔

پنجم۔ مضطرب۔ وہ حدیث ہے جس میں روایت مختلف ہو۔ کوئی اس طرح روایت کرے کوئی اوس طرح۔

ششم۔ منکر۔ اوس حدیث کو کہتے ہیں جو کوئی ثقہ اور معتبر شخص لوگوں کی روایت کے خلاف بیان کرے۔ اسیکو شاذ بھی کہتے ہیں۔

ہفتم۔ مطاق۔ وہ حدیث ہے جسکے استاد کے شروع میں سے ایک یا دو راوی چوڑے درجہ ہیں اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں۔

تدلیس حدیث میں اوس فعل کو کہتے ہیں کہ راوی جس شخص سے روایت کرے اوس مذاقات کی ہو یا اوس کا ہمصر ہو مگر اوس سے اوس روایت کو سنا نہ ہو، اور ایسے لفظوں کی بیان کرے جس سے یہ وہم ہو کہ سنا ہوا کہتا ہے۔

کوئی حدیث جسکی صحت اوس طرح ثابت کی جائے جس طرح اوپر بیان ہوا، تاہم اوس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کی روایت مفید یقین نہیں ہو سکتی بلکہ افادہ ظن کرتی ہو۔ اس شبہ کے سبب احادیث مستندہ کے بھی تین درجے قائم کئے گئے ہیں۔ متواتر مشہور بخبر احاد اول۔ متواتر۔ وہ حدیثیں ہیں جنکو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیکر نام صحابہ کبار اور ثنائہ دین نے، ہر ایک زمانہ میں ماپے درپے بالاتفاق صحیح و مستند تسلیم کر لیا ہو، اور اون میں سے کسی نے بھی حرج و قبح نہ کی ہو۔ ہر زمانہ کے علما کا قول ہے کہ قرآن مجید ہی حدیث کو پوچھا ہوا ہے، مگر بعض حدیثیں بھی متواتر ہیں، اور اونکی تعداد پانچ سے متجاوز نہیں۔

دویم۔ مشہور۔ وہ حدیثیں ہیں جو متواتر کے درجہ تک تو نہ ہوں مگر علمائے اون کو صحیح تسلیم کر لیا ہو، اس باعث سے اونکی صحت بالعموم مسلم ہے، اور بعض عقائد مذہبی بھی اون پر مبنی ہیں، گو درایتاً تصحیح و تنقید کے امتحان سے وہ بری نہیں ہیں۔

سوم۔ خیر احاد۔ وہ حدیثیں ہیں جو مذکورہ بالا حدیثوں سے کمتر درجہ کی ہیں۔ علماء اسلام اس باب میں کہ ان پچھلی حدیثوں پر عقیدہ مذہبی مبنی ہو سکتا ہی یا نہیں مختلف الرائے ہیں۔

بہ اعتبار فقہ فی الدین کے راویوں کے مارج یوں قائم ہوئے

اول۔ جو بلحاظ علم و تفقہ زیادہ ممتاز اور قوی الحافظہ تھے وہ ائمہ حدیث کہلائے۔

دویم۔ جو ان کے تدریج کے تھے اور جن سے شاذ و نادر غلطی کے سرزد ہونیکا احتمال تھا۔

سویم۔ جنکے تدریس اور صدق مقال میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ تھا، مگر انہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا، اور وہ اتنے متعصب بھی نہ تھے کہ اعتدال سے منحرف ہوں۔

چہارم۔ جنکے حالات سے اچھی طرح آگاہی نہیں۔

پنجم۔ وہ جنہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا۔

ششم۔ وہ جنکا حافظہ قابل اعتبار نہ تھا۔ اور جنکی طبیعت میں شک کے شبہ بڑھا ہوا تھا۔

ہفتم۔ وہ جو جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور تھے۔

علماء نے آخرتین درجہ کے راویوں کو مردود کیا ہے۔

چونکہ حدیثیں زمانہ رسالت کے ڈیڑھ دو سو برس کے بعد جمع کی گئیں، اور اس وقت جمع

کی گئیں جب ہزاروں موضوعی حدیثیں رورہ پانی کی طرح مل چکی تھیں، وورہ کہ پانی سے جدا کرنے کی

کوششیں، اور اس بار عظیم کے اونٹیاں کی خدمت میں علماء و متقدمین نے غالباً لوہہ اللہ کی تھیں،

اس لئے وہ مقبول ہوئیں، اور قوم نے اونکی کوششوں کی ایسی قدر کی جسکی مثال ملنی

دشوار ہے۔ خدا انہیں اونکی نیتوں کا اجر دے، اور اونکی خدمتوں کو قبول فرمائے۔ مگر پھر

اختلافات اسویش کا ہنگامہ چکا۔ تو آخر میں علماء متاخرین نے اپنی ذہانت اور طباعی سے

بقی احادیث کی راہیں نکالیں، اور امکانی شقوق سے کسی قدر کامیابی بھی حاصل کی۔

اور انکی کوششیں بھی اوجہ اللہ تھیں، اور خلوص نیت کا اجر حاصل نہیں جاتا۔ بلکہ علی قدر

دونوں کا شکر گزار اور احسان مند ہونا چاہیے جو دونوں کا حق ہے۔

جو کچھ حدیث کے متعلق کیا گیا مین نے اوسکو بیان کر دیا۔ اب جو کچھ حدیث کی تحقیق کے متعلق بیان کرتا ہے وہ اصل کتاب کے کسی نمبر میں بیان کیا جائیگا۔
 تیسری چیز جو دین کا مسلک قرار دی گئی ہے وہ فقہ ہے۔

فقہ

جب اسلام پھیل گیا، اور اسلامی فتوحات پھیل گئے، تو ضرورت ہوئی ملکی قوانین کی، جسکے رو سے مقدمات فیصلہ کئے جائیں۔ علماء اسلام نے کمال درجہ کوششیں کیں کہ ملکی فیصلے کہیں دین کے خلاف نہ ہو جائیں، بلکہ قرآن و حدیث کی کسی طرح کی نسبت کے ساتھ دئے جایا کریں۔ اس نے راہ کھولی اجماع و قیاس کی۔ یعنی ملکی فیصلوں میں بہ استخفا دین و بہ استخفا احد و دوا اللہ عقل کی حمایت حاصل کر نیکی۔ اس نے ایسی وسعت پیدا کی کہ چوٹے بڑے سب کام اس میں سما جاسکیں۔ خدا نے انکی کوششوں کو بھی جو خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ مشکور کیا قبول کیا۔ اور ان مقدس حضرات نے اک بڑے درجہ تک کامیابی حاصل کی۔ استخراج مسائل کے لئے اصول قائم کئے، جسے اصول فقہ کہا جاتا ہے۔ گویا احکام ملکی جو قرآن و حدیث سے مل سکے تو وہ تو نص ہی ہے۔ اس سے فاضل جو احکام دینے پڑے تو انھیں اجماع و قیاس کی ترازو پر تول کر، اور قواعد منطق کی پابندیوں، اور فلسفہ کی غائر باریک بینیوں کے ساتھ فقہ کو اس طرح مرتب کیا، جس کی مثال بھی ڈھونڈ سہ نہیں ملنے کی۔ جن بزرگوں نے یہ خدمت انجام دی، وہ امام کہلائے۔ مسلمانوں کو ان بزرگوں کا بھی حد سے زیادہ شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کی خدمت بغایت اہم تھی۔ اور انہوں نے اس خدمت کو خالصاً لوجہ اللہ انجام دیا۔ اور اس میں تا حد امکان کوششیں کیں۔ خدا انکی سعی کو مایوس و مشکور فرمائے۔

ہاں یہ افسوس اور تعجب کی جگہ تو ہے کہ اختلافات جو ہوئے وہ تو ہونے لگے، مگر اختلافات فرقتے بنا ڈالے۔ تو یہ بھی ہونے ہی تھے۔ کیونکہ ان بزرگوں کے آگے اگر صرف قرآن مجید ہوتا جیسا کہ قرن اول میں تھا تو اختلافات اختلافات ہی رہتے جیسا کہ قرن اول میں ہو چکا۔ مگر یہ اس وقت کھڑے ہوئے جب حدیث کا ذخیرہ قریب قریب جمع ہو چکا تھا۔ پھر حدیثوں کے اختلافات مدارج کے سبب ان کی خدمت اور اہم ہو گئی، اور موضوعی حدیثوں کی کثرت اشاعت کے سبب اور اہم تر ہو گئی۔ جس کی کسیدہ حقیقت مقدمہ کے بعد اہل کتاب میں بیان کی ان بزرگوں نے اول قرآن مجید کو، پھر حدیث کو جس کا سلسلہ آنحضرت تک پہنچا تھا، پھر صحابہ کے اقوال و افعال کو جو کتابت میں آئے تھے، پھر تابعین کے اقوال و افعال کو بھی جو کتابت میں آکر حدیث کے لقب سے ملقب ہوئے تھے، استنباط مسائل کے لئے ماخذ قرار دیا۔ اور جہاں صریحاً اس سے عجز ہوا تو اجماع و قیاس سے کام لیا۔

فقہاء و مجتہدین جنہوں نے تقفہ کی راہ کھولی اور دین میں ظاہر ایا باطناً سمجھ پیدا کی، اور اسکے ودلیات سے قوم کو مستفیض کیا۔ انہوں نے ہدایت ربانی کی اس ایت کی تعمیل کی **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین ولیتذکر قومہم** اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون ۱۰ کیونکہ نہ نکلاؤں گے ہر فرقہ میں سے اک طائفہ کہ دین میں سمجھ پیدا کرے، اور وہ قوم کو ڈرائے، جب ادھر متوجہ ہوتا کہ لوگ براہین سے بچیں۔ (توبہ ۱۰) انہوں نے دین میں سمجھ پیدا کی، اور لوگوں کو سمجھایا، دینی احکام بتائے یا ملکی احکام بتائے اور قرآن مجید نہ سمجھنے والوں کیلئے ہدایت کا باعث ہوئے، اور حصول دین کے لئے سہولت کا باعث۔ مگر افسوس ہے کہ دین کا دو ٹکڑہ کیا گیا حصہ یا ملکی صوفیوں کے حوالہ ہوا۔ اور ظاہری فقہاء کے۔

فقہاء اپنے خلوص خدمت کے سبب خدائے ذوالجلال کے یہاں ماحورین، اور انکی سچی
مشکور ہے، ہر کو انکا شکر گزار ہونا چاہئے جو انکی منزلت کے سزاوار ہے۔ اور انکی تعظیم و توقیر کرنی
چاہئے جو انکی شان کے شایان ہے

استناد احکام کیلئے قرآن و حدیث و فقہ جو تین چیزیں تھیں انکی حقیقت میں نے بیان
کر دی۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ باوجود کلمہ ایمان میں ہر فرقہ کے متفق ہونیکے بھی اختلاف کی شاخیں
کمان سے پھوٹیں، اور فرقہ بندی کی بنا کمان سے پڑی۔ حدیث سے اختلاف کی بنا پڑی، مینوی
حدیث جدا، شیعوں کی جدا ہوئی۔ پھر اختلافات احادیث نے سونے میں سہا کہ کام کیا۔ یہ اختلاف
رفقہ رفتہ جھکٹے کے درجہ تک پہنچا۔ اس نے ہر فرقہ میں بھی فرقہ بندی قائم کی۔ فرقہ بندی
کے تعصبات نے کتب خانے کھڑے کئے۔ اور قوم انہیں ہنگڑوں میں اوجھ گئی۔ جب حدیث
فرقہ بندی قائم کی، تو قرآن ماول بن گیا، اور فقہ جو تمام تر حدیث ہی کی شاخ ہے اوسے ہر فرقہ
خفیف خفیف اختلاف فون پر شاخ در شاخ کر دیا۔ اور قرآن مجید مجمل قرار پا کر کتاب اللہ
و سرا و اظہور ہم نظر انداز کیا گیا اور قوم اتخذوا الحبارہم و رہبا انہم اسبابا من دون
اللہ و المسیح ابن مریم کی مورد بنی۔

اس فرقہ بندی کے تعصبات نے عمل متواتر کی قوت سے چشم پوشی کی جس کی منزلت اور
قطیعت قرآن مجید کے بعد ہے۔ میں ایسی ہتم بالشان چیز کو جو استناد احکام کیلئے قرآن مجید
کے بعد قوی تر دلیل و ثبوت ہے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

عمل متواتر

قرآن شریف جو کلام الہی اور وحی مائزل ہے جسکی کچھ حقیقت بیان ہو چکی اور کچھ مسائل

حل طلب کے لئے میں بیان ہو گئی، اسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا، یا اُدکر ادیا، لکھو ادیا، تبلیغ کر دیا، اور بھناظت خداوندی ہماری ہدایت کے لئے پہنچا دئے۔ خود آپ بھی حکم لم یزل ولایزال اتباع قرآن مجید کے محکوم تھے تو کامل اتباع کی بھی۔ لیسای تبایع جسمین ذرہ برابر بھی نہ کہیں فرق ہو، اختلاف، نہ کمی نہ بیشی، پھر جس طرح آپ نے کیا، قوم اسی طرح کرنے لگی، اور کرتی چلی آئی۔ جس عمل کا مختلف طرح پر کرنا جائز تھا، اور اس کا انسان ہر طرح مجاز کیا گیا تھا، آپ نے اسے مختلف طرح پر کیا، اور آپ کا ہر ایک طرح پر کرنا حق تھا۔ قوم بھی مختلف طرح پر کرتی چلی آئی، اگرچہ رفتہ رفتہ نفسانیت کے جھپیٹ میں آکر ایک ہی روش کی پابند، اپنی ہی روش کی دلدادہ، اور دوسروں پر اعتراض ہو بیٹھی۔ اس نے فرقہ بندی کا بازار گرم کیا۔ مگر قوم کا تیرہ سو برس سے مختلف طرز عمل میں شہادت آپ کے مجاز صورت کے طرز عمل کی ہر اظہاراً اعمال قوم عمل متواتر ہے، جسکا درجہ قرآن مجید کے بعد ہے، جس کی عظمت کو اختلاف و تعصب کے سبب قوم نے نظر انداز کیا ہے۔ عمل متواتر قوال غیر متواتر سے ضرور قوی ہوگا۔ قول صحت روایت، صحت راوی، اور درایت کا محتاج ہے، اور عمل بدرایت کا۔ مگر احتساب ہے کہ عمل متواتر کی قدر و منزلت نہ کی گئی جو اسکا حق تھا۔ میری مراد عمل دین سے ہر جسکا تعلق قرآن مجید سے ہے۔ مندرسومات و بدعات سے۔

یہاں پر ایک خدشہ ہوتا ہے جس کا رفع کر دینا ضرور ہے۔ وہ یہ کہ عمل متواتر جسے کہا جاتا ہے، یا یہ خود حدیث سے مستنبط ہے۔ اعمال قوم کی بنا حدیث ہے۔ اہل حدیث کا حدیث پر عمل ہے۔ اور اہل فقہ کا فقہ پر۔ مگر فقہ خود حدیث سے مستخرج ہے، اسلئے کہ اہل اسلام چاہے کسی فرقے کے ہوں، سب کا طرز عمل اپنی اپنی حدیث سے مستخرج ہے۔ اسلئے عمل متواتر یا ہمہ اختلاف جو پایا جاتا ہے یہ بہ احتمال حدیث حدیث سے مستخرج ہے۔ اس لئے

پہلی متواتر کوئی تہی چیز حدیث سے باہر نہ ہوئی، اور اس لئے حدیث کے ہوتے اور کسی چیز کی سند نہیں

یہ تاریخ ہیک ڈھوکا ہے، میرے نزدیک ایسا نہیں ہے کہ اعمال قوم حدیث سے مستخرج ہیں، اگرچہ اعمال قوم کی سند میں وہ پیش بھی کی جائیں۔ کیونکہ قوم کے اعمال دین اجماع حدیث ڈیڑھ دو صدی پیشتر سے تھے۔ حدیث اک مدت کے بعد جمع ہوئی۔ ان میں بھی جو منسوب بہ رسول نہیں صلی اللہ علیہ وسلم وہ اعمال صحابہ اور اہل عمل قوم کی بہ سند و نسبت رسالت تاریخ ہے۔ اعمال و اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا اعمال و اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سیکر یا دیکر یا پوچھ کر جمع کرنے والوں نے جمع کر دیا، اور اپنے اپنے شرائط کے ساتھ تنقیح و تنقید کر کے انہیں لکھ ڈالا، مگر عملاً قوم جس طرح کرتی چلی آتی تھی چلی آتی ہے۔ استدراذ زمانہ کی تاثیر سے کہیں کہیں مخالف ہو جانا یا شک کہ قرآن مجید کے بھی مخالف ہو جانا فطرتی رفتار ہے جو ہونا ضرور ہے۔ فقہائے شریعت نے علی اور محمد فی فیصلہ کیلئے جو دین یعنی قرآن مجید سے فاضل دینے پڑے اخبار و تاریخ کو سند قرار دیکر فقہ کی بنا قائم کی۔ متاخرین نے اخبار و فقہ کو ہی دین قرار دیدیا۔ بلکہ قرآن مجید کا نعم البدل کیونکہ یہ تا کافی و مجمل ٹھہرا، اور وہ کافی اور مفصل۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے نماز روزہ یا اور ارکان قرآنی اپنے اعمال باطل کر کے حدیث و فقہ سے قائم کیا ہوا اور اس کی منادی کرادی ہو۔ بلکہ اعمال قوم میں قائم تھے، اور دین کے سارے اعمال جاری تھے عملاً متواتر۔ اعمال قوم اجتماع حدیث سے قدیم ہیں، اس لئے حدیث ان اعمال سے قائم کی گئی، نہ اعمال قوم کتب احادیث سے قائم ہوئے۔ حدیث اعمال قوم کی از روئے تاریخ مشاہد ہے کہ حدیث جمع کرتے وقت قوم کا طرز عمل کس کس طرح پر تھا۔ اسکی کوئی شہادت نہیں کہ قوم نے عمل متواتر باطل کر کے حدیث کے مطابق عمل قائم کیا ہو۔ اسلئے جو اعمال دینی یا قرآنی تمام

دنیا میں پائے جاتے ہیں باہمہ اختلافات حقیقتہً روایتوں سے مقدم ہیں۔ یہ عمل متواتر قول غیر متواتر سے جس کا خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی اہتمام نہ فرمایا، اور گویا نظر انداز کیا ضرور ارفع ہے۔

حدیث کی بنا بھی سمجھ تو یہی عمل متواتر ہے۔ کیونکہ مرفوع حدیثیں مسند ہوں یا متصل بس یہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلسلہ نسبت رکھتی ہیں تو اصل حدیث یہی، البشرطیکہ صحیح و حسن بھی ہو۔ باقی حدیثیں اُحاد ہیں تو اشتباہی حالت میں ہیں۔ متواتر ہیں تو انشاء کا لفظ ہاں مشہور حدیثیں ہیں جو عمل متواتر ہی کی کتابت ہے۔ مگر عمل متواتر سے فروتر۔ پہلے، کہ کتابت کی وجہ سے، اور کتابت کے بہت زمانہ بعد ہو نیکی وجہ سے، یہ محتاج ہو گئیں روایت اور راہی کی صحت کی جانچ کی۔

میری سند عمل متواتر کی نسبت قرآن مجید سے یہ ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدای ویتبغ غیو سبیل المومنین تولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم جو کوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کے بعد کہ اس کو قرآن مجید مل چکا ہو مخالفت کرے اور وہ مسلمانوں کی راہ کے سوا دوسری راہ پر چلے، تو جس راہ وہ چلا اوسی راہ پر ہم اس کو لیجائیں گے اور اسے جہنم میں ڈھکیں دیں گے۔ (النساء ۸۱) یہی سبیل المومنین کو میں نے عمل متواتر کہا ہے۔ مومنین کا لفظ عام ہے تو اس کو خاص کیوں کرو۔ کسی زمانہ سے یہ مقید نہیں تو اسے مقید کیوں کرو۔ اگر مومنین کے طریقوں میں اختلاف ہو تو چونکہ وہ اختلاف مجاز میں ہے۔ اسلئے باہمہ اختلاف وہ سبیل المومنین ہے۔ اور یہ سبیل المومنین یعنی عمل متواتر جو آج تک عمل متواتر ہے اجتماع حدیث سے پہلے ہے۔ قرآن مجید نازل ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے برت کر دکھا دیا، اوسنی طرح مومنون نے بھی عمل کیا اور وہی عمل

آج تک لوگ کرتے چلے آ رہے ہیں بس وہی عمل متواتر ہے۔

میں نے یہ دکھایا کہ باوجودیکہ مسلمان کا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور متفق تھے، پھر بھی فرقہ بندی کس طرح قائم ہوئی اور وحدت کیشل اسلام ٹوٹیوں میں کس طرح تقسیم ہو گیا۔ مگر اس فرقہ بندی کے وجوہات کچھ ہی ہوں فیصلہ طالب یہ ہے کہ اتنے اختلافات کا جگر کڑا جس میں نفسانیت اور تعصب نے بھی پورا پورا حصہ لیا ہو کیونکر چکا یا جائے۔ اور اس کا استحقاق کس کو ہے کہ ان جگر کڑوں میں حکم ہو۔

حکم

میں کچھ بھی تقریر کروں، تو وہ یا تو کسی کے موافق ہوگی یا مخالف۔ وہ حق ہوگی یا ناحق۔ پھر حق و ناحق کا فیصلہ کون کرے؟ تو اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید۔ ایسی صورت میں کہ قرآن مجید کی حقانیت اور قطعیت عقیدتاً اور عقلاً ثابت ہو چکی، اور یہ سارے فرق اسلامیہ میں مسلم ہے۔ ایسی صورت میں کہ وہ طالب حق جسے دعوت الحق میں اسلام کی دعوت دی گئی اور وہ ادیان مشہورہ میں سے اسلام کے آگے سر جھکا کر مسلمان ہو چکا ہے، اور قرآن مجید پر وہ بھی ایمان لایا ہے۔ ایسی صورت میں کہ قرآن مجید کلام الہی ہے، جس پر مسلمانوں کے ہر فرقہ کا ایمان ہے۔ قرآن مجید کے سوا کوئی کتاب کوئی قانون یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ میری تقریر کے لئے کیا بلکہ اسلامی مذاہب کے جگر کڑوں میں حکم ہو۔ قرآن مجید ہی سارے فرقوں کا متفق علیہ ہے، قرآن مجید ہی پر ایمان کا دائرہ دار ہے، قرآن مجید ہی حق و باطل کی ترازو و خدا کی طرف سے بندوں کو عنایت ہوئی ہے، قرآن مجید ہی عقل سلیم کیلئے بھی کسوٹی ہے اور فہم رسالہ کیلئے بھی معیار۔ بس اس کسوٹی پر میری تقریر کو

کسو، اور اسی تراز پر سارے اسلامی فرقوں کو تولو۔ قرآن مجید ہی کا فیصلہ خدائی فیصلہ ہوگا۔ اسلئے اسی تراز پر موجودہ اسلام کو مجھے تو لگتا ہے، ما اور اسی لئے اس کتاب کی بت قرآن مجید کے سوا اور کسی کتاب پر نہ ہوگی۔

بدین کو بہتان باندھنے، غلط کہہ دینے، بمقابلہ قرآن مجید علما کی رائیں پیش کر دینے، یا اون کی سطوت و جلالت دکھانے، یا میرے علم و جہالت کے جائزہ لینے کا حق حاصل نہیں ہے، یہ ناحق ہوگا۔ ہاں اوس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ صریح قرآن مجید کے خلاف بتا دے، دکھا دے، یا ثابت کر دے، یا وہ یہ دکھا دے کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہی نہیں، یا اوس آیت کے یہ معنی ہی نہیں، اگر قرآن مجید کے خلاف چوک یا جہالت سے قرآن کے معنی بیان کرنے میں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، تو میں متنبہ ہوں گا، تا ثبوت ہوں گا، اور اس صورت میں قرآن مجید کا فیصلہ میرے خلاف ہوگا۔ مگر قرآن مجید کو مرادی معنوں سے اور لوگوں کی رايوں سے جکڑ و نہیں کہ اوسکی قطعیت ہی کہو جائے۔ اور اگر میں نے غلطی نہیں کی ہو جسکی مجھے خدا کی ہر بانی سے کامل امید ہے، تو یہ خدائی پکار ہے جو آج یا کل گونج کر سہلگی۔

اے خدا! تو علیم ہے کہ تیرے اسلام کی خدمت کے لئے یا تیری رضا جوئی کی نیت سے تیری ہدایت کے مطابق، اپنی بساط سے باہر کھڑا ہوا ہوں، اور نفس و شیطان سے پناہ مانگتا ہوں، تیرے حضور میں پناہ لینے آیا ہوں، اور تیری کتاب کے دامن میں آ کے چھپا ہوں، تو اپنی پناہ دے، رہنمائی کر، اعانت کر، ہمت دے، اخلاص دے، اور اپنی مرضی پوری کر، یا تیری مرضی پوری ہو، مجھ پر اعتراض ہو اگرے۔ اے خدا! دنیا میں اپنا دین خالص پھیلا دے کہ اک اللہ الدین الخالص جس میں شرکت کی ذریعہ باس نہ ہو اور مسلمانوں کو واخلصوا دینہم للہ کا پیر و بنادے آمین آمین آمین

چونکہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید ہی کیوں حکم ہوا، اور کتب سماوی بھی تو ایمان میں داخل ہیں وہ بھی کیوں حکم نہ ہوں۔ اسلئے ضرورت ہے کہ میں کتب سماوی کی نسبت بھی اگرچہ یہ میرے موضوع سے الگ ہو جاتا ہے کچھ نہ کچھ ضرور بیان کروں۔

تاریخانہ حقیقت کتب سماوی

کتب سماوی میں قرآن مجید بھی داخل ہے، تو قرآن مجید کے متعلق متفرق حیثیتوں سے بیان بھی کیا گیا ہے، اور بیان کیا جائیگا بھی۔ قرآن مجید کے سوا اور کتب سماوی پر بین اندر وے تاریخ تو جو کرنی چاہتا ہوں، مگر ہر قوم اپنے مذہب کیلئے جس کتاب کی مدعی ہے، اوس کی وہ خود تاریخانہ کیا سند رکھتی ہے۔

دنیا میں جتنی قومیں ہیں، رسول سب میں آئے، کتابیں بھی سب میں آئیں۔ اسی لئے ہر قوم اپنے یہاں کتاب الہی کی مدعی ہے۔ مگر ساری قوموں کی کتابوں کی تحقیق، وہ بھی مورخانہ تحقیق، دشوار کیا محالات سے ہے۔ اسلئے میں انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں کو متعلق جبکا کچھ تاریخانہ بیان مل سکتا ہے لکھوں گا، اوسکے بعد قرآن مجید سے دکھاؤں گا کہ موجود کتب بنی اسرائیل کے متعلق خدا نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ تاہم کتب بنی اسرائیل کے سوا اور کتابوں کی نسبت بھی تاریخانہ نہیں تو کسی قدر عقلاً و درایتاً بھی بیان کر دینا ضرور ہے کہ یہ بحث موضوع کے اندر آ گیا ہے۔

ساری بڑی بڑی قومیں اپنے یہاں کتب سماوی کی مدعی ہیں۔ ہندو وید کو کتاب الہی کہتے ہیں، اندر دشت، اندر وسطے کو اور صابی سدرہ ربا کو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر قوم میں رسول آئے تو رسالت بھی پہونچائی، اور کتاب الہی بھی ضرور لائے۔ اسلئے ان قوموں میں

کتاب الہی تو ضرور نازل ہوئی، اس میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ یہ کتابیں جس کے
 وہ من اللہ ہو نیکی کے معنی ہیں، وہی منزل من اللہ ہیں، یا امتداد زمانہ سے وہ کتابیں جو
 ہوتی گئیں، اور اون کی جگہ انسانی کتاب نے لی، کیونکہ اون میں اختلافات ہیں، اور
 سنتہ اللہ یو ہی دیکھی جا رہی ہے کہ جب کتابیں جو ہوئیں، تو پھر نئی کتاب اگلی کتابوں کی
 مصداق نازل ہوئی ہے۔ اس کا واضح بیان مقدمہ کے بعد اصل کتاب میں آئیگا۔
 تحقیقات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اون کتابوں میں سے خود کسی کتاب کا یہ دعویٰ نہیں
 ہے کہ ہم منزل من اللہ ہیں، پھر اون کے ماننے والوں کا یہ دعویٰ خلاف اون کی کتاب کے بھی ہے،
 اور دعویٰ سست اور گواہ چست کا مضمون ہے۔ دوسرے ان کتابوں میں شرک و راسوا
 کی پوجا کی بھی تعلیم ہے جو کتاب الہی کے شان کے خلاف ہے، اور جس کا نزول تحصیل حاصل
 ہو جاتا ہے، اور لغو و بیکار۔ بہر حال چونکہ ان کتابوں کی نسبت خدا نے حکم فرمایا نہیں
 بتلایا کہ یہ بھی منزل ہیں اس لئے اس بحث میں میرا دوسرے سخن اون کتابوں کی طرف نہیں ہے۔
 اون کتابوں سے اس وقت ہمیں کچھ مطلب نہیں، نہ ان کی نسبت یہ ثابت کر نیکی ضرورت
 ہے کہ یہ کتاب اللہ نہیں ہیں، یا ہیں، تو ضائع شدہ، برباد شدہ، اور سراپا محرف ہیں،
 یا کتاب اللہ کی جگہ یہ انسانی کتابیں ہیں جن میں کچھ کچھ خدائی ہدایتیں بگڑ بدل کر رکھی ہیں۔
 ہاں بنی اسرائیل کی نسبت خدا نے بصراحت بتایا ہے کہ انہیں کون کون سی کتابیں دی
 گئی تھیں۔ مگر آج سب کا وجود بکمالہ پایا نہیں جاتا۔ شاید اسکی یہ وجہ ہو کہ اور نبیوں پر
 جیسا کہ کہا جاتا ہے مضمون نازل ہوتا تھا، اور الفاظ انسانی ہوتے تھے، اگر وہ عبارت
 اور کلام خدائی ہوتا تو وہ نہ محو ہوتا، نہ اوس میں تبدیل اور تحریف ہوتی۔ بہر کیف جن
 کتابوں کے نام بتائے نہ گئے، وہ زیر بحث نہیں، اور جن کتابوں کے نام بتائے گئے ہیں

تویر بحث ہیں، یعنی تویریت و انجیل۔ تویریت میں اور کتابوں کے وہ ناتمام ٹکڑے بھی داخل ہیں جنکو کتاب الہی یا دین الہی کہنا بھی مشکل ہے۔

تویریت و انجیل کی تاریخ کے متعلق خود ان کے مائے والوں کی تحقیق زیادہ معتبر ہو سکتی ہے جس سے اون کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کا ذخیرہ ہم ہندوستانیوں کو مل سکتا ہے تو انگریزی ہی زبان میں، اور میں اوس سے ناواقف مانے میں علماء مصر سے ہوں جو یورپین زبانیں بھی جانتے ہیں، نہ میرے پاس سرسید کے سے ذرائع کہ میں انگریزی دانوں سے اسکے حاصل کر نیکا سامان بہم پہونچا سکوں۔ اسلئے ہجر اسکے چارہ نہیں کہ میں دوسروں کی تحقیقات پر قناعت کروں، اور اس مضمون کے متعلق اپنی تحقیق کی بنا دوسروں کی تحقیق کے حوالہ کروں۔ اسلئے میری مورخانہ تحقیق کی بنا تبلیغین الکلام تفسیر تورات و انجیل مصنفہ سرسید پر ہے۔ گرچہ اس تاریخانہ بیان سے سرسید نے جو نتیجہ نکالا ہے، میں نے اوس سے اختلاف کیا ہے کہ وہ صریح تاریخ کے خلاف مبنی بر عقیدت ہے۔ تاریخ موجود ہے جو کسی کے حصہ کی چیز نہیں اس تفسیر پر سید نے اوسکی تاریخ کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن میں اختصار کو راہ دوں گا۔ تفصیل جسے دیکھنی ہو وہ تبلیغین الکلام دیکھئے۔ اس کتاب میں سرسید نے موجودہ تویریت و انجیل کو منزل مانا ہے مگر یہ اون کے بیان کردہ واقعات تاریخی کے خلاف ہے اور قرآن مجید کے بھی خلاف جسے میں واضح کروں گا۔ اور یہ دیکھا وُن گا کہ یہ تویریت و انجیل وہ منزل تویریت و انجیل نہیں ہے بلکہ حدیث ہے وہ بھی بے درایت اور بے روایت اور بے تحقیق روایت۔ گویا ملفوظات بزرگان دین۔

تویریت

احکام عشرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوح میں مکتوب ملے تھے۔ باقی ساری تویریت

وحی و القاتھی، جسکو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود لکھا تھا۔ یہ خود تورات سے منکشف ہے (دیکھو کتاب پیدائش) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات لکھ کر خدا کے عہد کے صندوق کے پہلو میں تابوت سکینہ کے ساتھ قبۃ الضمان میں رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس تعمیر کیا تو انہوں نے تورات کو مع اور قدیم کتب سماوی کے، اور مع اور تبرکات کے، بیت المقدس میں رکھا۔

بخت نصر مذہب یہود کا سخت دشمن تھا۔ اسنے بیت المقدس کو فتح کیا اور اسکو جلادیا۔ تورات اور سارے تبرکات بیت المقدس کے ساتھ جل کر برباد ہو گئے۔

پھر حضرت عزیر نے تورات کو بذریعہ امام لکھا کیونکہ وہ پیغمبر تھے۔

میرے نزدیک یہ تحقیق طلب ہے کہ حضرت عزیر کوئی پیغمبر تھے یا احبار و رہبان میں تھے۔ جب تک خود خدا کیسکی پیغمبری کی شہادت نہ دے اسکی پیغمبری کیونکر مسلم ہو سکتی ہے۔ مذہب تائیس کے اس بیان کی تردید کرتا ہے، اور اسنے حضرت عزیر کو پیغمبر تسلیم کرنا شرک فی البتوت کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ خدا فرماتا ہے و قالت الیہود عزیر ابن اللہ، و قالت النصارى المسیح ابن اللہ، ذلک قولہم یا قواہم یضاہون قول الذین کفروا من قبل قاتلہم اللہ انی

یوفونہ اتخذوا احبارہم و رہبانہم اسرا یا من دون اللہ و المسیح ابن مریم۔ یہود نے کہا کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے، یہ دونوں کی مٹنے والی باتیں ہیں۔ انکے کافروں کے کہنے کی یہ ریس کرنے لگے ہیں، اشد انکو غارت کرے، یہ کہاں سے پھرے جا رہے ہیں انہوں نے خدا کو چوڑ کر علما و مشائخ کو معبود بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ (توبہ ص ۱۷۱)

حضرت عزیر علیہ السلام کا نام سارے قرآن مجید میں یہی ایک جگہ تو آیا ہے، اور یہاں پیغمبری کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ خدا نے توبہ فرمادیا کہ حضرت عزیر احبار و رہبان میں سے تھے۔ کیونکہ یہود

دلفزاری نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور خدا کو چوڑا کر اہبار و ربیہا اور حضرت مسیح کو معبود بنا لیا۔ تو حضرت عزیر کی جگہ خدا نے اہبار و ربیہا فرمایا۔ اس سے صاف کھل گیا کہ حضرت عزیر پیغمبر نہ تھے بلکہ اہبار و ربیہا میں سے تھے۔ اسی لئے تاریخ نے بھی یہی کہا کہ حضرت عزیر نے توریت کو بذریعہ وحی نہیں بلکہ بذریعہ الہام لکھا۔ یعنی وہ مایوچی اور ما انزل اللہ نہ رہی بلکہ ملہم من اللہ رہی۔ اہبار و ربیہا یعنی علماء و فقہاء کو الہام ہوتا ہے اور الہام چونکہ وحی بالرسالت نہیں ہوتا، اسلئے اس میں شیطان کی راہ بھی بند نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آئندہ مضامین حل طلب کے نمبر ۳۱ میں وحی اور الہام کی حقیقت آشکارا کی جائیگی۔ اسکے سوا خدا نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ توریت کا نزول دو دفعہ ہوا، اور دو پیغمبروں پر۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، اور دوسری دفعہ حضرت عزیر علیہ السلام پر۔ نہ قرآن مجید میں فرمایا، نہ توریت و انجیل میں۔ بلکہ ہر جگہ توریت کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہی فرمایا گیا ہے۔ اسکے سوا یہ سنتہ اللہ کے بھی خلاف ہے کہ ایک ہی نام کی کتاب کا نزول دو دفعہ دو پیغمبروں پر ہوا ہو۔ یوں حضرت عزیر کو بلا بنیہ رب پیغمبرانہ لوجیسا کہ حضرت خواجہ خضر کو پیغمبر مانتے ہو تو ایسے مانتے نہ مانتے کا تمحیص اختیار ہے۔ (از مصنف)

اینٹنی ڈوکس ایسی فینس نے دوبارہ بیت المقدس کو تاراج کیا اور حضرت عزیر کی لکھی ہوئی توریت بھی برباد ہو گئی (تو اس سے کیا ہوا عقیدت کی کرامت کوئی اور توریت پیدا کر کے چوڑیگی۔ (از مصنف)

وس میکبیس نے بیت المقدس کو پھر آباد کیا، اور ایک نسخہ توریت کا منجملہ اور سامان کے پھر ہیا کیا۔ گرچہ اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ یہ نسخہ کہاں سے اور کس سند سے ہیا کیا گیا، اس کی صحت کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہے، مگر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی صحیح نسخہ تھا۔

یہ نسخہ روم کیرمین گیا اور شاہی محل میں رکھا گیا۔

واقعات کا یہ حال اور اسناد کا یہ رنگ۔ ان اسناد و واقعات سے توریت کو منزلہ توریت یقین کرو تو کرو۔ خود توریت اوٹھا کر دیکھو اور مفصلہ ذیل باتوں پر بھی دھیان کرو۔

۱۔ توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کوئی ضمیر متکلم کی نہیں ہے کہ یہ اوس قول کے قائل ہوں۔ مخاطب کی ضمیر بھی نہیں ہے کہ اوں سے خدا قائل ہو۔ بلکہ تمام غائب کی ضمیر ہے، مگر حضرت موسیٰ نے یہ کہا، یا خدا نے حضرت موسیٰ سے یہ کہا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا لکھنے والا تیسرا ہے۔

۲۔ توریت میں بعض ایسے نام اور ایسے حالات درج ہیں جن کا وقوع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت دنوں بعد کو ہوا ہے۔ مثلاً حیوون۔ بنی اسرائیل نے بعد فتح فلسطین کا نام حیوون رکھا تھا۔ اسلئے یہ توریت بعد فتح فلسطین لکھی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہیں بعد۔

۳۔ توریت میں برج عیذر کا ذکر ہے۔ یہ اوس منارہ کا نام ہے جو یروشلم کے دروازہ پر تھا۔ یعنی توریت بعد تعمیر یروشلم لکھی گئی۔ اور یروشلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہیں بعد تعمیر ہوا تھا۔

۴۔ بنی اسرائیل میں چند بادشاہ ہو چکے بعد توریت لکھی گئی کیونکہ ان کا ذکر توریت میں ہر کتاب استثنائاً باب ۳۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور انکی قبر کا حال مذکور ہے اسلئے یہ توریت وہ منزلہ توریت ہی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ بلکہ یہ انکی وفات کے بعد لکھی گئی ہے۔

انجیل

وہ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اوس کا تو وجود ہی نہیں رہا۔ موجودہ

اناجیل نہ ایک کی تصنیف ہیں نہ ایک دوسرے سے متفق۔ نہ بکلام خدا ہیں نہ بکلام پیغمبر بلکہ مصنفہ
فلان ابن فلان ہیں جنکو اخبار و حدیث یا ملفوظات کہو تو کہہ سکتے ہو وہ بھی بے اسناد روایت اور بے
تحقیق روایت۔

انجیل ایک تو کچھ کہا جائے۔ یہ ان تو انجیلوں کا ڈھیر ہے۔ انجیل ولادت مریم۔ انجیل طفولیت
جو متی نے لکھی۔ یوحنا نے لکھی۔ مرقس نے لکھی۔ بٹری انجیلیں بہت روئے لکھیں۔ ساری انجیلوں کو
اوپٹھا کر دیکھو تو وحید باری کی تعلیم گویا ندارد۔ ایمان باندہ کی ہدایت گویا مفقود۔ ہاں ایمان بالرسالت
جو ترقی کر کے ایمان بہ الوہیت مسیح میں ڈھلا ہے بس یہی سب کچھ ہے۔ آسمانی بادشاہت بلا خداوند
سرکار کے اسی پر منحصر ہے۔ بجائے تعلیم تو حید و اصلاح روحانیت کو ہدایات امور دین کے اوسمیں
کر سی نامہ ہے، جو بے ضرورت ہے۔ اور باوجود اس دعویٰ کے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں
کر سی نامہ بے واسطہ خدا تک نہیں پہنچایا جاتا، اور وہ اولاد حضرت ابراہیم خلیل اللہ تسلیم
کئے جاتے ہیں۔ اس کے سوا ساری کتاب گویا قصوں اور افسانوں سے بھری ہوئی ہے۔ جس سے
سوائے مجھ سے کے نہ کوئی عملی اخلاقی ہی تعلیم ملتی ہے نہ روحانی ہی۔ کوڑھی چٹکے ہوئے۔ اندھوں کو
آنکھ ملی۔ بیمار شفا یاب ہوئے۔ مردے زندہ ہوئے۔ اور دیکھو یوں ہوا یوں ہوا۔ گویا انجیل صرف
حضرت مسیح کی قصیدہ کی کتاب ہے جو شر میں ہے۔ اور یہ سارا کچھ بے فائدہ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کے بعد تو خلق اللہ ان نعمتوں اور الوہیت کی ان قدرتوں کی دید سے تو ہمیشہ کٹیے
محروم ہو گئی۔ جنکو یہ نعمت ملی تھی، انکو ملی تھی، انکو مبارک، وہ تو دیکھتے ہی تھے۔ اور پچھلے
محرومی دور نہیں ہو سکتی، اگر یہ ایسی قدرت کا طور اب کبھی دیکھ ہی نہیں سکتے۔ پھر خدا کو ان
قصوں سے جن میں نہ اخلاقی تعلیم نہ کسی طرح کی نفع بخش تعلیم مل سکتی ہے انجیل کو بھر دینے سے
کیا غرض تھی۔ اوپر ہدایات ہیں تو خلافت فطرت ناقابل تعمیل۔ اوس پر طرفہ تر یہ کہ تصدیق

توریت کا دعویٰ بھی کہ ہم توریت کا ایک نقطہ مثلاً نے نہیں اُسے ہیں ، اور لگے ہاتھوں کی
تکذیب بھی ، کہ انکھوں نے یہ کہا ، پر میں یہ کہتا ہوں۔ کیا خدا کی منزلہ کتاب ایسی ہی ہوتی
ہے یا ایسی ہی ہونی چاہئے۔ اور کیا ایسی کتاب شان پیغمبری سے بعید نہیں ہے۔ پھر کس طرح
یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی انجیل تسلیم ہو سکتی ہے۔

اعمال حواریین۔ پال کے خطوط۔ رومیون کو۔ گرنتھون کو۔ کلڈائیون کو۔ افسیون کو۔
فلپیون کو۔ کلسیون کو اور علی ہذا بہتیرون کو۔ پٹر کے خطوط۔ یوحنا کے خطوط۔ یهوواہ کے
خطوط۔ یعقوب کا خط۔ یہ سب انجیل ہیں اور انجیل منزل۔ خدا کی شان۔ کیا حضرت
عیسیٰ علیہ السلام حواریون اور اولیاءوں کے خطوط کی ملاحظہ خوانی کے لئے تشریف لائے تھے۔
اگر ایسا نہیں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان خطوط کے ذمہ دار نہیں ہیں تو کسی طرح یہ جزو
انجیل بھی نہیں ہیں۔

مشاہدات یوحنا و پترس۔ کتاب مریم معجزات مسیح میں۔ کتاب سوالات صغیر و کبیر مریم۔ کتاب
نسل مریم۔ کتاب عقیدت حواریان۔ تعلیم حواریان۔ کتاب مباحثہ پترس۔ کتاب قیاس پترس۔
کتاب خاتمہ بدوشی یوحنا و پترس۔ یوحنا کے نامے۔ پال کے نامے۔ علی ہذا مختلف لوگوں کے
مختلف نام سے۔ پال کی کتاب سانپ کے منتر کی۔ افسوس ہے کہ یہ کتابیں انجیل میں داخل ہو کر
معلوم نہیں کس عقل سے انجیل منزل سمجھی گئیں۔ پھر منتر کی کتاب انجیل میں داخل کر کے پیغمبر
قل اعوذ بے بنائے گئے ہیں۔ خدا کی شان۔ اور اسکو مانتے وہ ہیں جو عقلائے زمانہ نئی روشنی
کے آفتاب۔ تعصب کی ناپاکی سے پاک اور حد درجہ آزاد خیال ہیں۔ خدا کی قدرت۔

ان کے سوا چند کتابیں اور پیش جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہیں کہ انکو خود حضرت
عیسیٰ علیہ السلام نے لکھا تھا وہ یہ ہیں ملا نامہ ایسکارس ملا نامہ بنام بیڑ ویاں ملا و عطا اور

تمثیلوں کی کتاب، کتاب مناجات مسیح، کتاب سحر کی کتاب، کتاب پیدائش مسیح و مریم، کتاب ناسے جو آسمان پر سے گرے، کتاب نامہ مسیح جو مدینہ کیس نے پیدا کیا۔ یہ کتابیں انجیل مقدس سمجھی گئیں اور خدا کی نازل فرمودہ۔ خدا کی شان۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سحر کو تو لیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سحر کی کتاب تصنیف کریں۔ کتاب سحر کی پیغمبر خدا کے ساتھ منسوب کر کے کس بے باکی سے پیغمبر کو ساحر بنایا گیا ہے۔

یہ مختصر سا خلاصہ انجیل کا ہے۔ موجودہ انجیل ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لکھی یا لکھوائی ہوئی نہیں ہے۔ حواریوں یعنی صحابہ کی ہو تو ہو۔ مگر حواری پیغمبر نہ تھے۔ وہ بھی تو حواری ہی تھے جو پیغمبر پر گواہی دینے اور اونکو سونی دلانے چلے تھے۔ اور ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دس پیغمبر اور مبعوث نہ ہوئے تھے۔

موشیم صاحب اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۷۱ء صدی اول۔ حصہ دوم باب دوم کے صفحہ ۳۴ میں ارقام فرماتے ہیں لا چونکہ غلط انجیلیں تصنیف ہو ہو کر پاک پیغمبر کے نام موسوم ہوئی تھیں اسلئے ضرورت پڑی انجیل کے ایک نسخہ میں جمع کرینکی۔ پھر تلاش سے اتنی انجیلیں ملیں جسکی انتہا نہیں۔ اور عبارت میں اختلاف اور کمی اور بیشی کا اسقدر وجود پایا گیا جسکی حد نہیں اسلئے مجبوری عبارت کی صحت اور اوس میں کمی بیشی کی گئی۔ اور محض شخصی قیاس سے کہنے و جدید کا لقب دیا گیا،، (افسوس ہے کہ ایسی کتاب منزل من اللہ تسلیم ہوئی)

انجیل کی نسبت تاریخ کی ورق گردانی کرو تو اختلافات کی حد نہ ملے گی۔ کسی انجیل کو لو۔ کوئی اوسکو دوسری صدی کی تصنیف کہتا ہے کوئی تیسری، چوتھی، پانچویں، ساتویں، آٹھویں، دسویں، اور بارہویں کی۔ محققوں کی تحقیق بھی متفق نہ ہو سکی کسی نے کہا فلاں انجیل میں فلاں حصہ نہیں ہے۔ کسی نے کہا فلاں فلاں انجیل میں فلاں فلاں حصہ کا اضافہ ہے۔ تاریخ

اوتھا کر دیکھو ان قصوں کا طومار ہے۔ میں مفصل سندرات کے ساتھ لکھتا اگر میرا یہ موضوع ہوتا تفصیل دیکھنی ہو تو تبیین الکلام دیکھو۔

ہمارے صاحب لکھتے ہیں کہ عہد جدید کے وہ اصلی نسخے جنکو خود حواریوں نے لکھا تھا، یا اون شخصوں نے جنکا لکھا ہوا اون کی نظر سے گزرا، امت سے معدوم ہو گئے ہیں۔ اون کے بارے میں کوئی تاریخی اطلاع ہے نہیں۔

بہتری انجیلین نقل ہوئیں، اون میں عبارت کی کمی، عبارت کا چھوڑنا، عبارت کا اپنے حسب حال بدلنا، عبارت کا اضافہ ہونا (یعنی تحریف کی کل صورتوں کا واقع ہونا) تاریخ ان سب باتوں کی شاہد ہے۔

اسلئے ضرورت تھی چنان بنان کی علماء عیسائی نے ان کی جانچ کے چھ اصول قرار دیے ہیں ۱۔ قلمی نسخے ۲۔ قدیم اور چھپے ہوئے نسخے ۳۔ قدیم ترجمے ۴۔ یکساں مقامات ۵۔ اگلے مصنفوں کی کتابیں جن سے کتب مقدسہ کے فقرات کی نقلیں لی گئیں ۶۔ قیاسی اصلاح۔ غرض یہ چھ اصول قائم ہوئے دودھ کو پانی سے جدا کرنے، اور حق و باطل کے ٹولنے کے۔

علمائے عیسائی نے اون قلمی نسخوں کو جو یہودی سمارتوں اور عیسائی گرجوں کی حفاظت میں تھے معتبر سمجھا، ماباوجودیکہ جو غلطیاں ان میں داخل ہو گئی تھیں وہ اون میں موجود ہیں۔ اور نئے نسخوں کو بھی عموماً نا معتبر نہیں ٹھہرایا کیونکہ ممکن ہے کہ شاید وہ نسخہ کسی عمدہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہو۔ اسکے سوا اچھے لکھے ہوئے نسخوں کو برے لکھے ہوئے نسخوں سے ترجیح دی گئی۔ پھر جن جن قلمی نسخوں میں کوئی لفظ مشاکرہ دوسرے لفظ لکھا گیا تھا اور سمین محققین کو جو لفظ دونوں میں اچھا حسب خواہ معلوم ہوا وہ لکھا۔ چھپے ہوئے نسخوں کے اختلاف عبارت پر بھی مناسب لحاظ کیا گیا۔

قدیمی ترجمے اگرچہ غلطیوں سے پاک نہیں ہیں مگر ان سے صحیح اور اصلی عبارت کی تمیز کرنے میں مدد ملی گئی۔ اور اسکے سوا قیاسی اصلاح نے بھی اعانت کی۔

۱۵۲۶ء میں انگلستان میں انجیل کا ترجمہ بزبان انگریزی چھپا۔ دوسرا ترجمہ ۱۵۳۵ء میں چھپا ہے۔ چونکہ یہ پہلے ترجمہ سے مختلف ہے اسلئے یہ خاص ترجمہ کہلاتا ہے۔

جب پوپ کی قوت پالینٹ نے حاصل کی تو ۱۵۳۵ء میں گریفٹن اور وٹ چرچ صاحب نے بیبل کلان چھپائی۔ اس ترجمہ میں بہت سی تبدیلیاں اور اصلاحیں کی گئیں۔ اسکے نسبت جانشین صاحب کہتے ہیں کہ میس کو رڈیل صاحب نے اس ترجمہ کو عجمی سے مقابلہ کیا اور بہت سے مقاموں میں اصلاح دی۔

۱۵۳۹ء کے درمیان جان بیڈل صاحب نے ایک اور بیبل چھپائی۔ اس میں میتھو صاحب کی بیبل کو صحیح کیا گیا ہے۔ جس کے حاشیہ کے کچھ حصہ کو اصل نسخہ میں داخل کیا ہے، اور کسی قدر چھوڑا ہے، اور بہت کچھ اسکے مرتب کرنے والوں نے اپنی طرف سے بھرا ہے۔ بیبل کلان میں عام رومی ترجمہ سے لیکر بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

پھر بشپوں نے ۱۵۴۰ء میں بہت کچھ ترمیموں اور اصلاحوں کے بعد بیبل چھپائی۔ (افسوس ہے کہ اتنے اصلاحوں کے بعد بھی خلاف فطرت قوانین جو خلاق فطرت کے ہونہیں سکتے اب تک ہر بیبل میں موجود ہیں۔ قیاسی اصلاح نے بھی فروگزاشت کی)

آخر ترجمہ جواب مروج ہے اسکو بادشاہ جمیس بیبل کہتے ہیں جو بادشاہ نے خاص خاص ہدایات کے ساتھ انگریزی میں ترجمہ کرایا، جس کی انگریزی کا لوحی سمجھی جاتی ہے۔ دوسو برس تک اس بیبل کا سکہ رہا۔ مگر تھوڑے عرصہ سے اس مشہور ترجمہ پر عجیب تیزی سے حملہ ہوا ہے کہ وہ اصل سے مطابق نہیں، اور خوبی و عمدگی عبارت میں ناقص ہے، مشکوک ہے،

اور غلط ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اہم امور میں بھی صحیح نہیں ہے۔ جان پہچانی صاحب
سچ جیسے بلینڈ پر دل کھول کے معترض ہوئے ہیں۔

اصل عبری کا اور اوس کے ترجموں کا حال ظاہر کیا گیا، جس سے بلاشبہ شک ظاہر ہو گیا
ہے کہ موجودہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لکھی یا لکھوائی ہوئی نہیں ہے۔ نہ پیغمبر کی زبان،
نہ حواریوں کی زبان۔ ان کتابوں کی تاریخانہ سند، اور ان کے ترجموں کا حال بیان کیا گیا۔
اسی سے ان کی تحریفوں کا حال بھی کھل گیا کہ تحریف میں صرف معافی کا پھیرنا نہ تھا، بلکہ بدلنا
بھی لکھنا بھی، بڑھانا بھی، اوس میں قیاسی گھڑا بھی۔ ہر طرح کی صلاحین بھی،
اب میں دکھایا چاہتا ہوں کہ خداوند عالم نے ہر کو قرآن مجید میں توریت و انجیل کی نسبت
کیا فرمایا ہے تاکہ یہ واضح ہو کہ تاریخ کہاں تک قرآن مجید کے مطابق ہے اور اوسکی صحت کس
درجہ پر ہے۔

حقیقت توریت و انجیل از روئے قرآن مجید

خداوند عالم نے توریت و انجیل نازل فرمائی، اور اوسکی صفت بہتری بلکہ قرآن مجید میں کی
ہے، کہ سراسر ہدایت و نور ہے۔ بلکہ قریب قریب ویسے ہی الفاظ بیان ہوئے ہیں جو قرآن مجید
کی نسبت میں، اسوائے چند مہم بالشان صفات کے مثلاً قرآن مجید کو ہمیں اور محافل کتب
الہیہ فرمایا، یا اوسکی ہر طرح کی حفاظت محو ہونے یا تحریف ہونے سے اپنے ذمہ لی، یا اوسکو
معجزہ بنایا کہ انسان اوسکی سی ایک آیت بھی کہہ کے نہ لایا اور نہ لاسکا۔ بہ استثنائے ایسے
مہم بالشان صفات کے بلحاظ ہدایت اور نورانیت کے توریت و انجیل بھی قرآن جیسی
کتابین یقین۔ مگر توریت و انجیل جو منزل من اللہ تعالیٰ، وہ توریت و انجیل نہیں جو توریت

وانجیل کے نام سے موسوم ہیں۔ جس کی تاریخی حقیقت اور بیان ہوئی اور جس کی نسبت قرآن مجید کا فیصلہ ذیل میں بیان ہوتا ہے۔

۱۔ قل من انزل الكتاب الذي جاء به موسى نورا وهدًى للناس تجمعونه قراطيس تبدونها وتخفون كثيرا هو يوحى تو سہی کس نے وہ کتاب اوتاری جو موسیٰ لیکر آئے جو لوگوں کیلئے نور اور ہدایت ہے، جسکو تم ورق ورق کئے ڈالتے ہو، تھوڑا ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو۔ (انعام ۱۱۷) تو ریت کے قویوں اور اوراق اوڑھے۔ ورق ورق کر ڈالنے کے معنی پھاڑنے کے نہیں بلکہ منتشر اور ضائع کرنے کے ہیں۔ بہت کچھ چھپا کے اور کچھ چھوڑ کے بھی لوگ کتاب اللہ کو ضائع کرتے رہے تھے۔

۲۔ قل انى انا النذير المبين ه كما انزلنا على المقتسمين الذين جعلوا القرآن عضين ه فوريات نسئلهم اجمعين عما كانوا يعملون ه كدومهم توصف صاف عذاب سے ڈرانے والے ہیں جیسا کہ عذاب پہننے نازل کیا تھا۔ یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے قرآن کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر دیا تھا۔ تو تیرے خدا کی قسم ہے کہ ہم ان کے کئے کا ضرور ان سب سے سوال کریں گے۔ (حجر ۹) یہود و نصاریٰ نے توریت و انجیل کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر دیا تھا یعنی ضائع کر دیا تھا تو اس کا نتیجہ انہوں نے بھگتا۔

۳۔ الم تولى الذين اوتوا الصييا من الكتاب۔ کیا تم نے اون کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ (النساء ۷) اسکے یہ معنی نہیں کہ کوئی کتاب ناقص او تری تھی، یا کسی پیغمبر پر کسی کتاب کا کوئی حصہ اوترا تھا، جیسا کہ موجودہ توریت میں اگلے رسولوں کی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اون کے پاس کتاب اللہ کا ایک حصہ رہ گیا تھا۔ تو جو کچھ، اون کے پاس رہا تھا گویا نتیجہ کار و رہی وہ دے گئے تھے،

اور باقی اونہوں نے ضایع کیا، اور مختلف صورتوں سے ضایع کیا تھا، جن صورتوں کو خدا نے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ عجمیوں کا کلمہ عن مواضعہ ونسوا حظاً مما ذکر وابد۔ وہ کلام کو اپنی جگہ سے پھیر بدل کر دیتے ہیں۔ اور ایک حصہ اون نصیحتوں کا جو اونہیں کی گئی تھیں بھلا بھی بیٹھے۔ (الملك) کتاب کے ایک حصہ کو اونہوں نے ضایع بھی کیا تھا۔ اور وہ احکام و ہدایات ربانی کو پھیر بدل بھی کرتے تھے۔ جب تو اون کے ان حرکات کی خدا نے تہدید بھی فرمائی ہے۔

۲۔ ومن یدال نعمۃ اللہ من بعد ما جاءہ تہ فان اللہ شدید العقاب ہ خدا کی نعمت یعنی کتاب اللہ آنے کے بعد جو کوئی اوس میں تبدل و تغیر کرے وہ متحق عذاب ہے، اور خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔ (بقرہ ۱۷۵) وہ آیات اللہ کو بدلتے بھی تھے۔ نہ بدلتے تو یہ تہدید نہ آتی۔

۳۔ قول للذین یلکون الکتاب باید یہم شریقوہون ہذا امن عند اللہ لیسترا بہ عننا قلیلاً۔ افسوس ہے اون پر جو خود تو کتاب لکھتے ہیں اور منسوب کرتے ہیں خدا کی طرف کہ یہ منزل من اللہ ہے تاکہ اوس کے بدلے تھوڑا معاوضہ حاصل کریں، اور کچھ متفع ہوں (نقرہ ۱۷) یوں انسانی کتاب کتاب اللہ تسلیم ہوئی۔ اس طرح ہدایات و احکام بدلے گئے۔ اور حق و باطل میں آمیزش بھی کی گئی۔ کچھ بھلا بیٹھے۔ کچھ ضایع کیا۔ تحریف بھی عام ہے۔ عبارت میں بھی ہوئی۔ معنی اور مفہوم میں بھی ہوئی۔ اور احکام الہی کا بیع و شرابھی کیا گیا۔ یہ ساری باتیں جو خدا نے فرمادی ہیں حقیقت کو منکشف کرتی ہیں اور تحقیقات تاریخی کو جو اوپر بیان ہوئی ہیں صحیح ٹھہراتی ہیں۔

یہی حال سارے کتب الہیہ کا ہوا، کیونکہ یہی سنتہ اللہ اور رفتار فطرت کا اقتضا ہے۔

اسی لئے توریت میں اگلے انبیاءوں کے صحیفے جو پائے جاتے ہیں، وہ کتاب اللہ نہیں، کتاب اللہ کا مابقیہ اور نشانی ہیں، وہ بھی غیر متحقق۔ فقد آتینا ال ابراہیم الکتاب والحکمة۔ یعنی ابراہیم والوں کو کتاب یعنی حکمت عنایت کی تھی۔ (النساء ۷۷) کتاب و حکمت کے یہ معنی نہیں کہ قرآن و حدیث دی تھی، بلکہ کتاب الہی کی باتیں چونکہ ہر اس مبنی بر حکمت ہی ہو کر تھی ہیں اس لئے کتاب کا نام حکمت بھی ہے۔ تو نازل ہوئی تھی پوری کتاب، رک گیا اوس کا ایک ٹکڑہ، وہ بھی آمیزشوں سے پاک نہیں جس میں قصوں اور فضول باتوں کے سوا خدائی باتیں جو کتاب اللہ ہونے کی حیثیت سے چاہیں مگر ہر بالکل مفقود، جنگو دین یا کتاب الہی کہنا صحیح نہیں۔ گو کون نے ایسے رسالوں اور ناتمام کتابوں کو صحیفہ مانا ہے اور بڑی کتابوں کو کتاب۔ کسی عالم نے لکھا ہو گا۔ خدا تو فرماتا ہے صحیف ابراہیم و موسیٰ۔ توریت کو بھی صحیفہ ہی فرمایا۔ غرض توریت کے سوا ساری کتابیں ناقص اور ناتمام ہی پائی جاتی ہیں۔ تو میرے دعویٰ کی بدیہی دلیل ہے۔ کیونکہ خدا کا نہ کام ناقص نہ کلام یا دین ناقص۔ پھر اگر کوئی خدائی کتاب ناقص ناتمام اور نامکمل پائی جائے تو سمجھا جائیگا کہ خدا کی وہ منزل کتاب یہی نہیں۔ اور خدا کا کلام محو ہو گیا، اور اپنے متکلم کے پاس جا پہنچا۔ جیسا کہ اوس نے فرمایا اے رسول ان یاتی بآیۃ الابدان اللہ طاکل اجل کتاب یعھو اللہ ما یشاء و یشیت وعندہ ام الکتاب ۵۔ رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ بے حکم خداوندی کوئی آیت لاسکے۔ ہر زمانہ کیلئے ایک کتاب ہو، خدا محو کر دیتا ہے جسکو چاہتا ہو اور قائم رکھتا ہے جسکو چاہتا ہو کیونکہ خدا کے پاس تمام الکتاب جو ہے (الاحزاب ۳۴) ہر زمانہ میں کتاب اللہ آئیگی، جب قوم اوس سے غفلت برتی، اوسکو بھلا بیٹھی، اوس میں تجلف کی اضایک کا نظم کیا، اور کتاب اللہ کی جگہ انسانی کتاب لے لی۔ تو غیرت خداوندی نے اوسے محو کر دیا اور اٹھا لیا۔ جب رحمت نے پھر جوش

کھایا، تو خدا نے پھر پیغمبر بھی بھیجا، اور پھر دوسری کتاب بھی بھیجی، جو اگلی کتابوں کی بالکل مصدق رہی۔ اسی طرح رسول آتے رہے، اور کتاب اللہ آتی رہی، ساری کتابیں محو ہوتی رہیں، اور اوس کے قائم رکھے قائم رہ گیا قرآن مجید۔ باوجودیکہ ہر کتاب کے آنے میں مدت مدید کا وقفہ بھی ہوا، پھر بھی کوئی کتاب ایک دوسرے کے حکم و ہدایت میں مخالف نہیں، بلکہ مصدق رہی ہے، کیونکہ خدا کے پاس تو ام الکتاب موجود ہے۔ اسی لئے مخالفت نہونے اور تمام تر مصدق ہونیکو خدا نے دلیل حقانیت ٹھہرائی ہے۔ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

ام الکتاب کے معنی لوح محفوظ کے بھی ہیں، اس سے انکار نہیں۔ لوح محفوظ میں سمجھی کچھ ہے، عالم خداوندی میں کیا نہیں۔ مگر میری سمجھ میں یہاں پر ام الکتاب وہ کتاب ہے جسے ساری کتابوں کی مان کہنا زیبا ہو۔ جو ہر زمانہ میں، ہر زبان میں مترجم بلفظ ہو کر اوتری۔ اور یوں اوس ایک کتاب سے کتابیں پیدا ہوئیں۔ وہ کون سی کتاب ہے؟ تو خداوند عالم نے قرآن مجید کی شان میں فرمایا ہے و انہ لفی خزائین الاولین ۵ قرآن مجید ہی ساری اگلی کتابوں میں نازل ہوا تھا۔ (شعر الملا) اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید ہی ساری خدائی کتابوں کی مان اور ام الکتاب ہے۔ جیہ ام الکتاب ہی کو خدا نے نازل فرمادیا تو ضرورت ہوئی اس کی ہر طرح کی حفاظت کی، وہ اوس نے کی۔ و انالہ لحافظون بھی فرمایا، اور لایاتیہ الباطل من بین یدیه ولا من خلفہ بھی فرمایا۔ یعنی ہم قرآن مجید کے محافظ ہیں، اور ہم باطل کی ہر طرح کی آمیزش سے اوسے پاک رکھیں گے۔ آج تیرہ سو برس تو گزر گئے، قرآن مجید جون کا توں بحفاظت خداوندی ایسے دلائل یقینی کے ساتھ موجود ہے کہ مخالفون کو بھی اونٹنی رکھنے کی جگہ نہیں۔ اسی لئے نزول کا دروازہ بند ہوا، پیغمبروں کا آنا اختتام پذیر ہوا،

اور ناگزیر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوئے۔ اور قرآن مجید خاتم الکتاب۔
یہاں پر ایک خدشہ ہوتا ہے جو سرسید کو بھی ہوا، اور اسی نے انکو مجبور کیا کہ باوجود
تایید کی پر زور مخالفت کے انہوں نے بھی موجودہ توریت و انجیل کو منزل من اللہ مانا ہے
اور اسی خدشہ نے علماء متقدمین کو بھی مجبور کیا ہے کہ انہوں نے تحریف کے مفہوم کو اپنی
تاویلون سے کمزور کرنے میں حد درجہ کوشش کی ہے۔ وہ خدشہ یہ ہے کہ جب خدا نے باوجود
دعویٰ تحریف کے موجودہ توریت و انجیل کو توریت و انجیل ہی فرمایا ہے تو اب موجودہ توریت
و انجیل کے منکر کتاب ہونے میں کیا کلام رہا۔

میرے نزدیک اس خدشہ کا تشفی بخش جواب یہ ہے کہ اہل توریت تو وہ جو توریت کو
مانیں، اور اہل انجیل وہ جو انجیل کو مانیں۔ وہ یہودی، یہ نصاریٰ، مگر کہاں مانا و قالت
اليهود عن ابن الله ط وقالت النصارى المسيم ابن الله۔ یہود نے حضرت عمرؓ کو
خدا کا بیٹا کہا، اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو۔ دونوں کا صریح صریح کفر و شرک بیان کر دیا۔
اور نصاریٰ کی نسبت صریح فرما بھی دیا لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلاثة و خلجولن
تثليث ماني وہ کافر ہیں۔ (مائتہ کا خط) خدا خود اوں کا کفر و شرک بیان کر رہا ہے اسکے سوا ان الذين
يكفرون بالله ورسوله ويريدون ان يفرقوا بين الله ورسوله ويقولون نؤمن ببعض وكفر ببعض
ويريدون ان يتخذوا دين ذلک سبيلاً و اولئك هم الكفرون حقا و انكار
کرتے ہیں امتداد و راہ کے رسولوں کا، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق
کھالیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کو نہیں مانتے۔ اور چاہتے ہیں کہ
کفر و ایمان کے بیچ میں اک راہ نکال لیں۔ ایسے ہی لوگ یقیناً کافر ہیں۔ (النساء ۱۵۷)
کسی ایک رسول کا منکر کافر ہے۔ یہود و نصاریٰ ہمارے رسول کے منکر تھے تو ان کے

کفر میں کیا کلام رہا۔ پھر بھی خدا نے اونکو کفار و مشرکین کے لقب سے نہیں پکارا بلکہ اہل کتاب اور نصاریٰ ہی کہہ کر پکارا ہے، اور مخاطب کیا ہے۔ اسی طرح موجودہ توریت و انجیل کو بھی باوجود منزل توریت و انجیل نہ ہونے کے بھی توریت و انجیل ہی کہا ہے۔ کچھ بھول چوک سے نہیں، بلکہ چونکہ یہود و نصاریٰ باوجود کافر و مشرک ہونے کے بھی اپنے کو یہود و نصاریٰ اور اپنی کتابوں کو توریت و انجیل کہتے تھے، گویا انکا یہ نام ہی ہو گیا تھا۔ اسلئے خدا نے بھی انہیں انہیں ناموں سے یاد کیا جو نام وہ رکھے ہوئے تھے۔ آخر ان کتابوں کو جو توریت و انجیل کے ناموں سے موسوم ہیں غلط سہی مگر کن ناموں سے مخاطب کیا جاتا۔ مثلاً کوئی فرقہ مسلمانوں کا شرک کی حد کو پہنچ جائے، اور پوچھا ہو ہے، اگر وہ اپنے کو مسلمان کہیگا اور کہتا ہے، تو وہ مسلمان ہی کہا جائیگا اور کہا جاتا ہے۔ اس کہنے سے وہ ممیز ہوگا مگر مسلمان اور حقیقی مسلمان نہ ہو جائیگا۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ اپنے منہ بولے ناموں سے یہود و نصاریٰ کہہ کرے پکارے جائیں گے اور ان کی کتاب بھی توریت و انجیل ہی کے نام سے بولی جائیگی مگر نہ وہ حقیقی یہود و نصاریٰ ہو جائیں گے، اور نہ وہ کتابیں منزلہ توریت و انجیل تسلیم ہوں گی۔ گویا توریت و انجیل ان کتابوں کا نام ہو گیا ہے۔ مگر اس میں کلام نہیں کہ موجودہ توریت و انجیل میں بھی کچھ کچھ احکام و ہدایات ربانی بچ کچھ رہ گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید سے کہیں کہیں مطابقت پائی جاتی ہے مطابقت کی جگہوں کو بھی یہود و نصاریٰ چھپاتے تھے اور خدا اونکو ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ فالوہ بالتورۃ فالوہا ان کنتم صلیقین ۵ توریت لاؤ اور پڑھو تو سہی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (ال عمران ۱۸۵) یعنی وہی توریت جسے تم توریت کہتے ہو اوس کی فالوہ تو اوس میں بھی اک بنی امی کی زبان کی فرمائی ہوئی بات تمہیں ملیگی تو ایسی تصدیق

تمہاری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

تاریخ مذہب

ہر جگہ دو گروہ کا ہو جانا بھی فطرت کی اک شان ہے۔ اسی دورنگی نے نیرنگیاں پیدا کیں جس کی یہ دنیا تماشا گاہ ہے۔

جس طرح نظم عالم پر غور کرنے والے دو گروہ ہو گئے، ایک تو قیاس و ادبام کے گھوڑے پر سوار، جو انسان، حیوان، نباتات، جمادات، ان کے تناسب، انکی مشاکلت، اور اور رفتار ترقی پر خیال کر کے یہ سمجھے کہ انسان جمادات میں جماد تھا، نباتات میں نباتات تھا، حیوان میں حیوان تھا، بالاخر بندر بنا، اور رفتہ رفتہ انسان ہو گیا۔ دوسرے جو بحر حقیقت کے تیراک تھے وہ یہ سمجھے کہ ہر جنس میں فطر تا جو دو یعتین رکھی گئی ہیں ان کے اپنے حدود کے اندر کی تکمیل تکمیل کی غایت ہے۔ اپنے فطرتی حدود سے باہر قدم رکھنا فطرت کے خلاف ہے۔ جماد اپنی جمادی قوتوں کے اندر، حیوان اپنے حیوانی قوتوں کے اندر اپنی تکمیل کر سکتا ہے، وہ اپنے فطرتی جنس کو نہیں بدل سکتا۔ جس طرح جماد بنا اور سب طرح انسان کیون نہ بنا۔ صرف بعض جنس میں کیفیات کی مشارکت اور مشابہت اسکی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ایک جنس کی مخلوق دوسرے جنس کی مخلوق ہو گئی۔ نہ اعلیٰ آم ہو سکتی، نہ اعلیٰ ہو سکتا ہے، جتنی مخلوق ہے سب جوڑ لے، سب میں نظم و انتظام ہے، سب کا اپنا اپنا تمدن ہے، وہ بھی ہماری ہی جیسی مخلوق ہے، کسی میں کوئی خاص صفت ہے، کسی میں کوئی خاص صفت اشتک جماد کو حیوان ہوتے یا حیوان کو انسان ہوتے نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا۔ مگر چند مشابہت اور مشارکت سے یہ خیال قائم کر لیا گیا۔ جب حیوان ترقی کر کے انسان بنا تو اسکی ترقی رو کی

کیوں گئی ویوں ہی بنتا رہتا۔ حیوان ترقی کر کے تو انسان بنے اور انسان ترقی کر کے کوئی اور بالاتر مخلوق نہ بن سکے یہ کیوں۔ محض تک بندی کو جہالت نے فلسفہ کا تحقیق شدہ مسئلہ مان لیا ہے۔ اور مسئلہ ارتقا کا غلطہ خلاف ہدایت اور خلاف کسی عقلی دلیل کے مان لیا گیا ہے۔ حقیقت یوں ہے کہ ظاہری و باطنی عالم میں ہزار طرح کی مخلوق ہر پہاڑ، دریا، آفتاب، ماہتاب، تارے، کرے، ہر کرہ کا انداز جہاں، اوسکی مخلوق جہاں، عرض ہزار طرح کی مخلوق، ہزار جنس کی مخلوق۔ جس مخلوق پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ جس طرح ہر لفظا میں معنی ہے، اور معنی میں مطلب مستتر، اوسی طرح ہر شے میں اوس کا برزخ ہے اور ہر برزخ میں اوس کی روح مستتر۔ پھر ہر روح کا اک وجود ہے اور ہر وجود میں روح کی طرح صاحب وجود مستتر۔ اور یوں وہ مرد کو پہونچے۔

اسی طرح نظام مذہب پر غور کرنے والے بھی دو گروہ ہو گئے۔ اوہام کے بائسکل سواریہ بول اوٹھے کہ تمدنی قانون جو ملکی خاصیت، تاثر آب و ہوا، ضرورت زمانہ، اور اقتضائے وقت سے بنے، اور بتے گئے، ماویہی بلحاظ مختلف ممالک، مختلف اقوام، مختلف طبائع کے مختلف مذاہب ہوئے۔ اور اوس میں تراش و تراش کرنے والا مصلح یا پیغمبر سمجھا گیا۔ یہی تمدنی قانون ہے جس نے مذہب کا پیرایہ اور مذہب کا لقب اختیار کیا۔ مذہب کی کی حقیقت ہے۔ اور سارے اہل مذاہب جو مذہب کی نوعیت عجائب کرشموں، اور خلاف عقل باتوں کی افزائش سے عجیب و غریب بتاتے ہیں، اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ یہ گروہ تو وہ ہے جس نے قیاس پرستی کے سبب اپنی ناقص سمجھ کو عقل کل جان کر مادیات ہی کی چار دیواری میں مجبوس ہو نیکو قطعہ بندی سمجھا، اور مذہب سے سبکدوشی حاصل کرنی، اور مذہبی و دینیات سے محرومی۔

دوسرا گروہ جو مذہب کے اندر ہے، اس میں سارے مذاہب کے لوگ ہیں، یہ اپنے اپنے عقیدہ تمندانہ افسانے، اور فرضی قصص سے اپنے اپنے مذاہب کی تاریخ بوالعجبی کے ساتھ قائم کر کے ایک دوسرے پر متہ آنے، اور ضرور انہ انداز سے اپنی اپنی فضیلتیں قائم کرنے میں مشغول ہیں۔ یہ اپنی سی کتاب ہے، وہ اپنی سی۔ مذہبی اعمال میں بس یہی رہ گیا ہے۔ اس سے خطرہ ہوتا ہے کہ اس آزادی کے زمانہ میں جس میں لائبریری کی تاریکی چھانی ہوئی ہو کہیں مذہب کا شیرازہ ہی ڈھیلا نہ ہو جائے۔ خطرہ کیا معنی کہ اب اس کا خطرناک منظر تو آنکھوں کے سامنے ہے۔ اہل مذہب مذہب سے سبکدوش ہونے کیلئے تیار بیٹھے ہیں، اور روحیت کی کشتی ڈوبنے کیلئے تھملا رہی ہے۔ اسلامی دنیا میں دیکھو اور تو اور مجھے بعض مولوی بھی بعض مسلمان حکاموں کے خوش کر نیکیلئے اس ٹوہ میں ملے، کہ احکام اسلامی کا مخرج دریا کرین، کہ کون کون سے رومن کو سے لئے گئے ہیں، اور کون کون سے احکام ایام جاہلیت کے رسومات ہیں جو قائم رکھے گئے ہیں۔ کون کون سے احکام مصلحت وقت سے دے گئے، اور کون کون سے احکام فلسفیانہ ہیں فلسفہ سے مستخرج۔ یہ تلاش ضرور اس عقیدہ کے بعد پیدا ہوئی ہے کہ مذہب اسلام منزل من اللہ نہیں ہے۔ یہ ضرورت پڑی مجھے تاریخ مذہب پر توجہ کرنی چکی۔ مگر تاریخ کی کتابیں جو طب و یاس سے بھری ہوئی شخصی بیانات کے تحقیق و روایت اور بے درایت ہیں اس لائق کبھی نہیں ہو سکتیں کہ اون پر کسی عقیدہ کی بنا قائم کی جائے، اور اون کو مذہب میں دستر سی ہو۔ اس لئے میں نے قطعیات کی طرف رجوع کیا، اور قرآن مجید نے یہ مشکل حل کر دی۔

تاریخ مذاہب کا قرآن مجید سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا کے نزدیک تو دین دین اسلام ہی ہے ان الدین عند اللہ الاسلام دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے (العملات)

خدا ایک، اوس کا دین ایک، ازلی اورابدی، سنتہ اللہ یون جاری رہی کہ ہر ایک امت میں پیغمبروں اسلام اور کتاب اللہ لیکر آتے رہے۔ وان من امة الا خلافة ذنیر کوئی امت ایسی نہیں جس میں رسول نہ بھیجا گیا ہو (فاطمیہ) ہر ایک رسول جو کتاب لائے اور ہر ایک کتاب ایک دوسرے کی مصدق رہی۔ جب ہر قوم میں فردا فردا رسول آچکے اور یہ سلسلہ ختم ہوا تو آخر میں خدا نے اک رسول کو ام الکتاب ہی دیکر جو مختلف زبانوں میں نازل ہوتی رہی تھی عنایت فرما کر کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے بھیجا وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔ اسی لئے یہ آخر المرسل یا خاتم الرسل کی نذایا ایھا القوم کی جگہ یا ایھا الناس ہوئی۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً اے رسول منادی کر دو کہ لوگو! میں ساری دنیا کے لئے رسول بھیجا گیا ہوں۔ (اعراف ۱۵۷) اسی لئے آپکو معجزہ بھی قرآن ہی دیا گیا۔ زندہ بنی کا زندہ معجزہ۔ آپکی نبوت قائم ہے تو آپکا معجزہ بھی قائم۔ اگر کسی خاص قوم کے رسول ہوتے تو عصا، ید میضا، حیاے موتی وغیرہ معجزہ دیا جاتا جسکی حیات قومی حیات سے بھی چوٹی ہوتی۔

ساری قوم میں رسول آئے تو جس طرح قومیں مختلف المقام اور مختلف الحال تھیں، خدا مختلف الوجود اور مختلف القول نہ تھا۔ نہ حق بدلتا ہے نہ باطل بدلتا۔ حق حق ہے اور باطل باطل۔ قانون فطرت اٹل قانون ہے کہ لا تبدیل تخلق اللہ۔ تو قانون الہی بھی جو اوس کی بنائی ہوئی فطرت کے خلاف ہو نہیں سکتا اوسی طرح تا مکن الشیخ ہے کہ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ اس لئے سب پیغمبر اور سب پیغمبروں کی کتابیں ایک ہی سر کی مصدق آتی رہیں۔ عرصہ قالمابین یدیدہ۔ گویا سارے ادیان ایک دریا کے چشمے ہیں

جو مختلف سمیت کوٹھے، اور اسلئے سارے ادیان کے قوانین بالکل ایک ہی ناممکن النسخ تھے، سارے پیغمبروں نے اسلام ہی کا دعویٰ کیا کہ انا اول المسلمین۔ یہ لفظ انا البصیر جمع سب پیغمبروں کے مسلمان ہونے اور سب کے دین کے دین اسلام ہونے کی مناد کرتا ہے۔ غرض سب پیغمبر مسلمان تھے، اسلام لائے، اسلام کی تبلیغ کی لا نفراق بین احد من رسلہ۔ ہم کسی رسول میں تفرقہ نہیں کرتے۔ (بقراءہ)

پھر جب جب خدا کے اس قانون کے مطابق کہ فطال الامد فقست قلو بهم امتداد زمانہ سے لوگوں کے دل سخت ہو گئے (حداید ۱۷) لوگوں نے کتاب اللہ سے مواجہہ پھیر لیا۔ اور اپنے بڑے بڑوں کے اقوال کو کتاب اللہ کی جگہ اپنا دستور العمل بنا لیا۔ اتخذوا احبارهم وراہبا یمن دون اللہ۔ تو رفتہ رفتہ کتاب اللہ ضائع ہو گئی، اور یہ خدا سے دور پڑ گئے۔ ساری قوم میں کتاب اللہ تو آئی، مگر اب کسی کتاب کا کھوج لگاؤ تو کچھ ہاتھ آئیکانہیں، ایک قرآن کے سوا۔ اسی ضرورت سے پیغمبر آتے رہے اور کتاب اللہ لاتے رہے۔ دیکھ جاؤ یہی سرگزشت ہر مذہب کی ہے۔

تو جب جب اسلام آیا، آیا تو پھولا پھلا، مگر امتداد زمانہ سے شاخسلے کھڑے ہوئے کہ اسلام کی بالکل صورت ہی بگڑ گئی، پھر وہ اک نئے دین کی صورت میں نمودار ہو کر رہا۔ انیسویں ہے کہ اس سنتہ اللہ سے آخری اسلام بھی نہ بچا۔ جس طرح دنیا کے سارے مذاہب اسلام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں، اوسی طرح اس آخری اسلام کے سارے فرقے بھی اسلام کی بدنی ہوئی صورتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کو بہتر اصول اور بہتر احکام و ہدایات تمام دنیا میں اب تک ایک ہی ہیں۔ کسی مذہب نے

کسی سے کچھ لیا نہیں بلکہ سارے مذاہب ایک ہی تھے۔ بگڑ بدل کر صورتیں بدی ہیں۔
یہ وجہ ہے سارے مذاہب کے اخلاقی اور روحانی احکام کے اس درجہ مماثلت کی۔
اور یہ وجہ ہے ان کی استقامت و مشاکلت اور مشابہت کی۔ اس کی تفصیل قرآن مجید
کی آیتوں سے مضامین حل طلب میں خود آئیگی، یہاں دو حقائق موجب طوالت ہے۔
مذہب کا مبدی یا منتہی خدا ہی ہے۔ وہیں سے مذہب کے حقیقہ نگار اور وہیں گرتے ہیں۔
دنیا میں ہزاروں ہزار مذاہب ہیں، بظاہر ایک دوسرے کے بہت کچھ مغائر، پھر بھی ان میں
ایک وضع کی یکسانیت ضرور ہی پائی جاتی ہے۔ ایک رب علی کا چاہے وہ اوسکا نام کچھ
ہی دیکھتے ہوں، اور چاہے اوس کے نام میں انہوں نے الحاد کو بھی داخل کیا ہو، تمام
اقرار ہے۔ اوس کی ذات و صفات پر کسی نہ کسی طرح سب ہی یقین کرتے ہیں اگرچہ
پہلو بدل بدل کر وہ اوس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہوں۔ تمام مذاہب میں بہترے اصول
ایک ہی ہیں، اور بہترے طے جلتے ہیں۔ خدا کا ہونا، اوس کا خالق ہونا، اوس کا رازق
ہونا، اوس کا تمام صفات اعلیٰ سے متصف ہونا، پھر خدا کی جسمانی اور روحانی عبادت،
اعمال کا برا بھلا ہونا، اعمال کے مطابق جزا و سزا، پھر چوری، زنا، قتل و خونریزی،
ظلم و فساد، بدگوئی، عیب جوئی، غیبت، دل آزاری، اور علی ہذا یہ سارا کچھ مذہباً
ممنوع۔ اور والدین کی خدمت، خیرات، لوگوں کے ساتھ بھلائی، ایمان، امانت
اور سارے اصول تمدن اور خوش زلیست کے مذہباً مامور و مدوح۔ بہتری بائیں
سارے مذاہب میں قریب قریب یکساں پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ خدا طلبی ہو تو
میں انصافاً ان میں ہندوؤں میں چاہے وہ شرک کے درجہ تک پہنچ کر ہو،
پھر بھی جہانت تک اصلیت ہے وہ اسلام کے بہت کچھ مماثل پائی جاتی ہے۔

یہ بدیہی ہے، تو اس کا ماخذ اور مبداء بھی ایک ہی ہے، یعنی خدائے قادر و قیوم۔
یہ کہنا کہ کسی مذہب نے کسی مذہب سے لے لو اگر مذہب کی کچھ ٹری پکائی ہے۔ یا کسی ملکی قانون کو مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے غلط اور برہنہ ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ خدائے ایک مذہب اسلام ہی پیچھا اور پیچھا رہا، جو بیٹا بگڑتا رہا۔ یہ مماثلت اسکی کافی دلیل اور بین شہادت ہے کہ یہ مذہب اسلام ہی دین کے سارے قوانین کی اصل اور بنیاد ہے۔ قانون کی ساری جزئیات و مفروضات کے اصول پر قائم ہوئی ہے۔ مذہب مقدم ہے، اور قانون موخر۔ مذہب بد و فطرت سے ہے، اور قانون ترقی کی حالت میں پھر اگر قانون اور مذہب میں مماثلت پائی جائے تو یہ دلیل ہوگی اس کی کہ قانون کا مخرج مذہب ہے، نہ کہ مذہب کا مخرج قانون یا رومن لو، یا کوئی لو۔ بنائے قانون کے پہلے مذہب جاری تھا۔

از روئے تاریخ بھی ساری نسل آدم کا سلسلہ آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام تک جو مسلمان تھے اور ان کی اولاد، اور ان کے ساتھیوں کی اولاد تک پہنچایا جاتا ہے، اور وہ تھے پیغمبر، تو مذہب اور نسل کا وجود ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے، اور سلطنت اور قانون کا وجود کمین بعد۔

مذہب کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب گویا ازنی وابدی ہے، جب انسان ہے اور جب تک وہ رہیگا، مذہب ہی کے دائرہ میں رہا اور مذہب ہی کے دائرہ میں رہیگا، مگر کبھی وہ اس کا نام لا مذہب ہی رکھے، اور منکر خدا بھی ہو جائے، مگر اس کی گندہان زندگی مذہب کے دائرہ سے باہر نہ جائیگی اور کم سے کم وہ برے بھلے کی تمیز سے نکل نہ جائیگا اور مذہب ہے اک اسلام ہی۔ سارے مذاہب اسلام ہی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ آخری دور میں بھی اب حقیقی اسلام قرآن مجید میں ہے، اور حقیقی مسلمان قبر و ن میں۔ دنیا میں

کہیں اسلام کی صورت ہے، کہیں تصویر ہے، کہیں عکس در آئینہ ہے، کہیں نقش بر آب ہے، اور یہ ساری صورتیں مدعی اسی کی کہ میری ہی صورت اسلام کی اصلی صورت ہے۔ اسلام کی اصلی صورت دیکھنی چاہو تو قرآن مجید میں دیکھو۔ اسلام جب جب آیا تو اختلاف ہی مٹانے آیا، مگر یہ طرفہ ماجرا ہے کہ وہ بھی اختلافوں کا نشانہ ہی بن گیا۔ افسوس ہزار افسوس۔

اختلاف مذاہب

جب مذہب ایک ہی تھا مذہب اسلام ہی۔ اور کتاب اللہ بھی ایک ہی تھی، مختلف زبانوں میں، ایک دوسرے کی مصدق، تو اختلاف مذاہب کی وجہ کیا ہوئی، اسلام کا شیرازہ بکھر کیوں، اس میں تفرقے کیوں پڑے؟ اس کی وجہ تو میں نے بیان کی ہے کہ حدیث و فقہ سے اختلافات پیدا ہوئے۔ لیکن باطنی وجہ یعنی وہ قوت محرکہ جو حدیث و فقہ لیکر اختلافوں کا باعث ہوئی اس کو خدا نے خود فرمایا ہے وما اختلف الذین اولوا الکتاب الا من بعد ما جاءهم العلم بغیاً بینہم۔ جن لوگوں کو کتابیں دی گئیں انہوں نے اس کے بعد کہ کتاب اللہ ان کو مل چکی تھی آپسکی عناد و سرکشی کی وجہ سے اختلاف پیدا کیا۔ (ال عمران ۱۰۵) علماء اختلافات پیدا کرنے والے ہو ا کرتے ہیں، علم اقامت طبعی، اور اپنی بڑائی ثابت کرنیکو۔ جس کتاب کو اوٹھا کر دیکھو بر بنائے تعصب اختلافات کی اک طغیانی ہے جو اُمّت پر ہی ہے۔ اسی غرور و نفسانیت نے کھو یا کیا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہی ہے۔ سنۃ اللہ الٰہی قد خلت من قبل (موصت ۱۹)

یہ آخری اسلام جو اختلاف ملنے لگا تھا و ما اتزلنا علیک الکتاب الا لتبین لهم الذی
 اختلفوا فیہ (ہم نے تم پر قرآن اسی لئے اتارا کہ جن باتوں میں لوگوں نے اختلاف ڈالا ہو انکو
 بتا دیا جائے) تو اس نے اختلاف مٹایا بھی۔ مگر جب زمانہ گزرا تو فطال علیہم السلام فقست
 قلوبہم (امتداد زمانہ سے اُن کے قلوب سخت ہو گئے) کی مضبوط حد بندی سے یہ کیونکر
 نکل سکتا تھا۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ سارے پیغمبر تھے مسلمان، ہمارے رسول تھے
 مسلمان اور ان کا مذہب اسلام۔ مگر ان کی امت اب مسلمان کے لقب سے اپنے کو لقب
 نہیں کرتی۔ تشخص کے جھپیٹ میں اگر ایک طرف اہل قرآن ہیں پھر ان کی بھی ٹولیاں
 ہیں، ایک طرف اہل حدیث ہیں پھر ان کی بھی ٹولیاں ہیں، ایک طرف اہل فقہ ہیں پھر ان کی
 بھی ٹولیاں ہیں، ایک طرف اہل تسنن ہیں مع اپنے کل فرقوں کے، ایک طرف اہل تشیع
 ہیں مع اپنے کل فرقوں کے، ایک طرف اہل خوارج ہیں مع اپنے کل فرقوں کے۔ سب کے امام
 جدا، سب کی حدیثیں جدا، سب کی فقہ جدا۔ یہ اتنے اختلافات کی وجہ یہی ہے جو خدا نے فرمادی
 ہے بغیابہم آپس کی عناد۔ دین تھا اصلاح ظاہر و باطن کیلئے، مگر یہ طبع آزمائیوں کی
 چوگان بازی کا میدان، اور بازیچہ اطفال کی گل بازیوں کا تماشا گاہ بنایا گیا۔ ذہانت اور
 تعقل نے گھوڑ دوڑ کی بازی لگائی، ہر حیت کا غلغلہ بلند ہوا، جاہلون نے جبکا غلغلہ بلند
 دیکھا، لگے اونکو پوجنے اور انہیں کے کہے پر چلنے، یعنی اتحدوا احبارہم و سہبا فہم
 اسباباً من دون اللہ والمسیح ابن مریم و ما احراوا الا لیعبد اللہ الہا واحداً
 لوگوں نے (خدا کو چھوڑ کر) علما و فقرا بلکہ مسیح بن مریم کو بھی معبود بنا لیا ہے حالانکہ اونکو حکم
 دیا گیا تھا کہ وہ خدا واحد ہی کی عبادت کیا کریں۔ (توبہ ۱۷) مگر قوم اس ہدایت کو اپنی
 روش آبائی کے خلاف سمجھتی ہے۔ باہمہ تاکید خداوندی فلا تجلعلو للہ انداد (خدا کا

شرک یا نہ بتاؤ۔ (بقرہ ص ۱۷) قوم نے اپنے اساتذہ کو بنالیا ہے۔ اور شرک فی الحکم
بین دل کھول کے بتلا ہے۔

میرے بیان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مذہب میں اختلافات کتنے پیدا ہوئے اور کس طرح
پیدا ہوئے، اور قوت محرکہ اس کی کیا تھی۔

فیصلہ

پھر ان اختلافات کا فیصلہ کون کرے؟ تو خدا نے اس کا فیصلہ بھی کر دیا ہے۔ وما ازلنا
علیک الكتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیہ بنے تم پر کتاب اسی لئے اوتاری ہے
کہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے (نحل ص ۱) قرآن مجید کے سوا اور کون قطعی حکم ہو نیکا
استحقاق ہی رکھتا ہے۔ اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان۔ وہ خدا ہی ہے جس نے
ایسی کتاب اوتاری جو حق ہے اور حق و باطل کی ترازو ہے (شوری ص ۱) بس یہی خدا کی
دی ہوئی ترازو ہے، اسی پر سارے فرقوں کو تولو، جو ٹھیک اور ترے خدا کا فیصلہ دیکھی
حقانیت پر ہو گا۔

انہ اقول فصل۔ بے شک قرآن قول فیصلہ ہے (الطارق) اس لئے قرآن مجید ہی ہے
انصاف طلب اور فیصلہ طلب ہونا چاہئے۔ اسکے سوا کوئی کتاب ایسی قطعی بھی تو اب نہیں
رہی جو خدا کا کلام ہو اور فیصلہ کا استحقاق رکھتی ہو۔

وما اختلفتم فیہ من شیء فحکمہ الی اللہ جن امور میں تم مختلف فیہ ہو تو اس کا
فیصلہ خدا ہی کے حوالہ ہے وہی فیصلہ کریگا (شوری ص ۱) جب اس کا فیصلہ خدا کے حوالہ
ہے تو اوس کی طرف رجوع کرو۔ اس کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنا قرآن مجید ہی کی طرف

رجوع کرنا ہے کہ قرآن مجید ہی کا فیصلہ خدایا فیصلہ ہے۔

مسلمانو! آؤ، اور اس پر اتفاق کرو کہ قرآن مجید سے انکار نہ کرو گے۔ اور اس کو اپنے مرادی اور فرضی معنوں میں نہ جکڑو گے۔ اس کو اپنے مفروضہ اصول سے پابند نہ کرو گے۔ عربی زبان ہونے کی حیثیت سے صریح معنی جو واضح ہوں اس سے سرکشی نہ کرو گے۔ آؤ! ایماندار کے ساتھ آؤ۔ دلوں کا داناے سال خداوند عالم کے سوا کوئی نہیں۔ قرآن کے فیصلہ سے اس دنیا میں باہر جاسکتے ہو، اس دنیا میں باہر نہیں جاسکتے۔ بلکہ خدا کے فیصلہ کا دن آج بھی ہر اور کل بھی۔ فرقہ بندیوں پر نگاہ نہ کرو، کیونکہ ہر فرقہ اپنی ہی حقانیت کا منہ بولا مدعی ہے، اور خیال و اوہام کا بدست، نجات کا ٹھیکہ لئے، اپنے اگلوں کی قابلیتوں کا سرشار، اور اون کی تقدس ثانی کے ہاتھوں بکا ہوا ہے، اگرچہ وہ اگلوں کے ایمان و عمل سے پوچھا نہ جائیگا، نہ اگلے اوسکے اعمال کا کچھ بوجھ سہارینگے۔ لاترس و انرس کا و نرس اخری کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔ (بنی اسرائیل ۷۱) سارے فرقے اپنی خواہشوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ افرأیت من اتخذ الہء ہوا۔ کیا تم نے اوسے دیکھ لیا جس نے اپنی خواہشوں کو معبود بنا لیا ہے (فرقان ۱۷) جو پرستش خدا سے منسوب نہیں وہ ہوا پرستی اور بت پرستی ہے۔

ہر فرقہ اپنے اپنے ملت و مشرب کی حقانیت کو پیش کرتا اور مذہب خاندانی کی پالائش اور آپس کی ضد پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور نفس و شیطان کے گدگدائے سے مضطربانہ اور بالآخر مفسدانہ حرکات کا موجب ہوتا ہے۔ اگر سب کے مسالک لکھے جائیں، اور ہر ایک کا تجاویز عن المحذور ادا کیا جائے، تو کتاب دلچسپ تو ہوگی، آج کل کے مذاہب کے مطابق جس میں ناول کا مزہ آئیگا، مگر کچھ کام کی نہ ہوگی، اور نہ کچھ نتیجہ خیز۔ کیونکہ اپنی آنکھ کا شہتیر کوئی نہ نکالے گا۔

ہر کوئی اوس کو مباحثوں کی بساط بنا لینگا اور اوسپر اساتذہ کے اقوال کی نذر کھیلنے لینگا۔
 تو اس کا ذخیرہ کیا کچھ موجود نہیں جو اور بڑھایا جائے۔ اسلئے مناسب یہی نظر آتا ہے کہ طرز خداوندی
 کے مطابق خدا کا قایم کردہ اور منزل مذہب حق جسے اوس نے اپنے کلام پاک کے ذریعہ سے
 قایم کیا ہے، آشکارا کیا جائے۔ یہ محمد اللہ الباطل و یحییٰ الحق بکلماتہ۔ خدا اپنے کلام
 پاک کے ذریعہ سے باطل کو مٹا دیتا اور حق کو قایم کر دیتا ہے (شوریہ ۱۷) تاکہ کھرا کھڑا
 الگ ہو جائے، اور حق کی روشنی دلوں کو روشن کرے۔

میں یہی کیا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید سے حقیقی مذہب اسلام کو، جس کو ہمارے رسول
 خدا صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے، جو سر اسر حق ہے، جو پاک ہے آمیزشوں سے، جو محفوظ
 ہے اختلاف کی تلواروں سے، علی رؤس الاشیاء آشکارا کر دوں فمن شاء فلیؤمن
 ومن شاء فلیکفر۔ جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے۔

گرچہ میں جو کچھ بیان کروں گا وہ قرآن مجید ہی سے، اور اتنا ہی قابل تسلیم بھی ہوگا مگر
 میں نے اکثر بیان کیا ہے اور اکثر بیان کروں گا بھی کہ احکام قرآنی ہی قانون فطرت کے
 مطابق ہیں، کیونکہ وہ خدا کا قول ہے اور فطرت خدا کا فعل۔ دونوں میں ذرہ برابر بھی اختلاف
 ہو نہیں سکتا ناممکن ہے۔ مگر قرآن مجید میں سارے وہ عذاب جو قوموں پر نازل ہوئے
 ہیں، وہ ظاہر بینوں کی آنکھوں میں خلافت عقل اور خلافت قانون فطرت معلوم
 ہوتے ہیں، اور یہ موجب ہوتے ہیں شکوک کے۔ ان وجوہ سے میں کسی قدر
 قانون فطرت اور قانون قدرت کے متعلق بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں تاکہ بری
 قانون بحری قانون سے ٹکرا نہ جائے۔

قانون فطرت اور قانون قدرت

خدا کی قدرت اور میں بیان کروں خدا کی قدرت ہے۔ اوس کی قدرت کی عظمت یہوش کئے دیتی ہے۔ بیان کس طرح ہو۔

خدا نے اتنا بڑا عالم پیدا کیا، اوسے ایک دن فنا بھی کر چکا۔ اوس کے افراد اوس کے اجزائے دن پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہتے ہیں، تو اس کا بھی قانون ہے، اور یہ نیز نگین اوسے قانون کے اندر ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے وجود و فنا کے درمیان کا زمانہ مضبوط قانون کے ساتھ وابستہ اور مضبوط نظم کے ساتھ منتظم ہے۔

عالم کے ہر ایک جنس، اور ہر ایک نوع، بلکہ ہر ایک مخلوق اور ہر ایک شے کا پیدا کرنا، فنا کرنا، بنانا، بگاڑنا، اور علیٰ ہذا ہر ایجاد اور تباہی کا قانون، ماہر فنا اور فنا کا قانون، قانون قدرت کے دفعات ہیں جو قانون قدرت کے اندر ہوا کرتے ہیں۔ اس میں عقل و فہم بھی بار نہیں پاتے۔ اسلئے قدرت کے معنی نہ حل ہوئے، نہ کبھی ہونے کے۔

اور مخلوق کے زمانہ قیام کا نظم و انتظام، جس پر اوس کی ہستی، اوس کی یہود قائم ہے، وہ قوانین و انتظام جن پر ہر ایک مخلوق بلکہ سارا عالم، اور عالم کا ہر ایک جزو چل رہا ہے، قانون فطرت کے دفعات ہیں جو قانون فطرت کے اندر ہوا کرتے ہیں۔ یہی قانون فطرت ہے جس پر ہستی کا نظم قائم ہے۔

قانون قدرت عقل و فہم کی رسائی اور احاطت سے پرے ہے۔ اور قانون فطرت سمجھ کے اندر نہ سمجھنے ہی کی چیز ہے، مگر وجہ اپنی وسعت کے سمجھ کی احاطت سے وسیع تر ہے۔ کسی چیز کی اصلی حقیقت، اوس کا وجود، اوس کی ہستی اور نیستی قانون قدرت کے دفعات

ہیں سمجھ سے پرے۔ اسی لئے کسی مخلوق کی حقیقت، اوس کی ہستی کی ماہیت، اوس کے وجود کی غلت غالی، اوس کی فنایت کے اسرار، اور روح، سمجھ میں آنی کی چیز نہیں، خدا کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ ہرچند سمجھ اپنی تک بندیان بٹھاتی ہے، مگر وہ تک بندیان ہی ہیں نہ کہ اک روح پیدا کر سکتی، نہ کسی جاندار مخلوق کی پیدائش سے اضافہ کر سکتی ہے۔ ہاں مخلوق کی ہستی کس نظم کس قانون الہی پر چل رہی ہے، یہ قانون فطرت کے دفعات ہیں، جس میں سارے عالم کے نظم کا قانون ہے۔ چاہے وہ عالم ہمارے ادراک کے اندر ہو یا باہر۔ پھر وہ دفعات فطرت جو ہماری جنس اور ہماری دنیا کے متعلق ہیں، جس قانون پر ہمارا اور اس دنیا کا جس کے ساتھ ہمارے تعلقات وابستہ ہیں نظم قائم کیا گیا ہے، اور نہیں ہم سمجھ سکتے ہیں اور ہمو سمجھنا چاہے کیونکہ ان دفعات پر ہماری زندگی کا نظم قائم ہے، تو ایسا نہ ہو کہ ہماری زندگی خلاف قانون نظم الہی چلکر تباہ و برباد ہو جائے۔

یہی قانون فطرت جو متعلق انسان ہے وہ قرآن مجید ہے جو بنظر عدل ورحم ہمو علیحدہ اور وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ احکام و ہدایات قرآنی قانون فطرت کے مطابق ہیں کیونکہ خلاق فطرت ہی کے احکام ہیں۔

قرآن مجید میں قانون فطرت کے سوا قانون قدرت کے دفعات بھی ہیں تاکہ اوسکی قدرت آشکار ہو۔ مثلاً حضرت آدم، حضرت حوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بلکہ ساری دنیا اور سارے عالم کی پیدائش، خود اپنی خلقت، ملائکہ و اجنہ کی خلقت، عالم آخرت کا وجود، جنت و جہنم کی خلقت، اقوام نافر جام کا غارت ہونا، ملک و سلطنت کا تباہ ہونا، اور ہر وہ کام جو ہمہ بالشان اور قانون فطرت سے بالا معلوم ہو یا یہ سب قانون قدرت کے دفعات ہیں۔ ہر وجود اور ہر فنا، ہر پیدائش اور ہر موت اوس کی قدرت کا ایک

عجیب معجزہ ہے، اور آیتہ من آیات اللہ۔ جس پر ایمان موجب تسکین و اطمینان اور ہمت و کوشش کا سہارا ہے، اور جس کا انکشاف خدا رسی اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ دونوں قانون کو ملا ندو، دونوں کو ایک ترازو پر نہ تولو۔ چھوٹ کا انسان دریا نہیں گھونٹ سکتا۔ قانون فطرت کے اندر دوڑ دھوپ کر سکتے ہو مگر قانون قدرت تو دیکھا ہی کرو، اوس میں چوڑی چراگی گنجائش نہیں۔ درخت اوگلا، پھولا، پھلا۔ تنے بویا، تنے پانی سے سینچا دہ بامراد ہوا، یہ قانون فطرت کے اندر ہے۔ مگر ذرہ برابر تخم میں جو درخت موجود ہے، اوس میں تمہاری کوئی دست رسی نہیں، یہ قانون قدرت کے تماشے ہیں کہ دیکھا ہی کرو، حیرت در حیرت۔

موضوع و غرض تصنیف کتاب

مجھے قرآن مجید سے یہ دیکھنا اور دکھانا چاہئے تھا کہ اسلام کا کوئی سا فرقہ اتباع و اما اتول الیکم من ربکم۔ قرآن مجید کی اتباع کرو۔ (اعراف ۱۷۱) کا مطیع ہے اور کہا تک مطیع ہے۔ اور کوئی سا فرقہ لا تعتدا۔ حد سے تجاوز نہ کرو۔ (مائدا ۱۷۱) کا نافرمان ہے اور کہا تک نافرمان ہے۔ تو اس اودھیل بن مین جھگڑوں کا اک طومار تو جمع ہو جاتا ہے، مگر نتیجہ فوت ہو جاتا ہے۔ اسلئے اس روش سے مین محتزر ہوا، اور یہ دکھانا چاہا کہ قرآن مجید اک کامل اور مفصل کتاب ہے، اور دین اسلام جو یہ لایا وہ بھی کامل اور مکمل ہے، جسکو آخرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور متبعین صادق نے برت کر دکھا دیا، تاکہ حقیقی اسلام جو انسانی طبع آزمایوں سے پاک ہے آشکارا ہوا، اور یہ سارے فرق اسلامیہ کے اختلافوں کا فیصلہ کرنے۔ اس اہم خدمت کی انجام دہی کے لئے قرآن مجید میں تدبیر و تفکر کرنا، اور اوس پاک حکم کے بحریے پایان کو تیرنا ضرور ہے۔ مگر یہ کوئی آسان کام نہیں۔ کون ہے جو اس دریائے

ناپیداکنار کے پار لگا، یا اس کی تہ کو پہونچا، اور کون یہ مراحل طے کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اوس کا کلام ہے، اور اوس کی صفت تکلی کا ظہور ہے، جس کی کسی صفت کی بھی کسی نے تہا نہ پائی، نہ کوئی انتہا کو پہونچا۔ پھر بھی اس دریا کے خواص نے مستحکم حقیقی سے وہ قرب منزلت پائی جو اقرب تر ہے ذالک فونز عظیمہ اور وہی بامر ادہوا۔ کیونکہ اس دریا میں جو غوطہ زن ہوا، موتیوں کا مالا اوسی کے گلے رہا۔ اس دریاے مراد کا غوطہ زن کوئی تھی دست نہ پھیرا کیونکہ اسکے سنگریزے بھی جو اہرات ہی کے مول ہیں۔

جب بڑے بڑے جاننا زشیدائی، بڑے بڑے جانتا فدائی، بڑے بڑے تیراک، اور بڑے بڑے خواص اس میں ڈوبے اور گھوٹے گئے۔ تو۔ ح۔ ماکہ باشیم کہ اندیشہ مانیز کنند۔ اللہ اللہ بارگاہ بے نیازی کے آگے میں کیا، اور میری ہمت کی بساط کیا۔ ہاں اوس رحم و کریم کے رحم و کرم کے صدقے جس نے بساط سے باہر ہمت دی، امید سے زیادہ ہمت کو توفیق ہی مرضی خداوندی رہتا ہوئی ہدایت کے نور نے ڈھانپ لیا۔ ملہم غیبی نے آواز دی کہ اے ہمارے مخلصین بندو! اے ہمارے شیدائیو! اے ہمارے اسلام کے حامیو! اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدیق امتو! اوٹھو، اطاعت کے پاؤں سے عبودیت کی رفتار چلو۔ اتقا کے جام اطہر سے محبت کا نغمہ پی لو۔ اور خدائی مستی کے ساتھ قرآن مجید اپنے پیارے خدا کے کلام کو سرون پر اوٹھاؤ، بغلون میں دباؤ، مدل و دماغ کو اوسکے نور سے روشن کرو، اور اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا جھنڈا بلند کرو۔ دیکھو وہ وقت آگیا کہ خدا کے کلام کا غلفہ بلند ہو، اور خدا خدا کی آواز درود دیوار سے، شجر و حجر سے، بحر و بر سے، اورے درے سے، انحرے کی طرح اورٹھے، بادل کی گھٹنگرج کی طرح گونجے، اور بارش رحمت ہو کر برسے۔ قرآنی اسرار منکشف ہوں، اور روحانیت حقیقی جلوہ فگن ہو۔ خدائی نور سے

سارا عالم جگہ کا اوستھے کہ مشرق و مغرب و شمال و جنوب و زمین و آسمان و دریا و پہاڑ و پانی والے پائین۔ یہی خدمت ہے جسے میں دو کتابوں میں پوری کر نیکارا دہ رکھتا ہوں۔
 دینی خدمت کے لئے جس سے ایوم اکملت لکم دینکم و التمت علیکم نعمتی۔ آج
 جتنے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی (حائک لکھا) منکشف
 کیا جائے۔ اور وہو الذی ازل الیکم الکتاب مفصلہ و خدا ہی نے تمہاری طرف مفصل
 کتاب افتاری (انعام لکھا) کھول کر عیان کیا جائے، ضرور ہے کہ اس غرض کیلئے قرآن مجید ہی
 نصب الدین رکھا جائے، جو مسلمانوں کے سارے فرقوں کا تحقق علیہ ہے۔ پھر قرآن سے
 جو مسائل ثابت ہوں وہی دین مشرک ہے۔ ایسی صورت میں جو مسائل محدثین اور فقہاء کی
 رائے یا استدلال کے مطابق پڑ جائیں ان میں ایمان تازہ ہو گا کہ یہ وہ مسائل ہیں جو قرآن
 خداوندی کے عین مطابق ہیں۔ اور جن مسائل میں اختلاف ہو گا تو ان میں ان آیتوں کے
 جانب توجہ کرنی ہوگی، اگر ان آیتوں کے معنی بلحاظ عربیت صحیح لگے ہیں، تو قرآن مجید
 کے مقابلہ میں کوئی شخصی رائے صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر قرآن کے معنی میں غلطی ہوئی
 ہے تو غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے، خدا معاف کرے۔ غرض میرے بیان اور تقریر کی
 نسبت قرآن مجید سے ہوگی، کسی کی مخالفت اور موافقت سے بحث نہیں۔ خدا کے حضور
 میں بیٹھا لکھ رہا ہوں مخلوق سے کیا غرض۔

تو جس طرح موضوع ہر علم کا حیدر اکابر ہے مثلاً نحو کا کلمہ و کلام۔ علم طبیعی کا اجسام
 علم طب کا جسم انسانی۔ اسی طرح ہماری کتابوں کا موضوع محقق لفظوں میں مذہب اسلام
 مگر وہ اسلام نہیں جو آجکل کا منہ بولا اور خاندانی اسلام ہے، اور شخصی رایوں کا ذخیرہ۔ بلکہ
 وہ اسلام جو صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا، خدا کا بھیجا ہوا، قرآنی اسلام ہے جو حیوانی

وظاہری تعلیم و تربیت کا منبع، اور روحانی و باطنی فیوض و برکات کا معدن ہے۔ یہ حقیقی اسلام ہے اور یہی ہمارا موضوع ہے۔

یہ مقصد ایک کتاب میں پورا نہیں ہو سکتا، اسلئے میں نے دو کتابوں میں اس کے پورا کر نیکا ارادہ کیا ہے۔ ایک تو یہی **تدیس علی الحق** ہے جس میں خدائی شریعت بتائی گئی ہے، تاکہ یہ سارے ادیان میں حکم ہو، اور سارے اختلافوں کا جھگڑا چمکائے۔ اور تاکہ حصول دین کے لئے بجائے سوا وٹٹ کتابوں کے صرف خدا کا نازل فرمودہ قرآن کافی سمجھا جائے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی عملی تصدیق سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانا کافی سمجھا جائے، اور دوسروں کو ایمان میں شریک کر کے شرک یا رسالت کے گٹرھے میں گرنے سے بچایا جائے۔ دوسری کتاب **منہاج الحق**

ہے، جس میں قرآن مجید کی روحانی تعلیم، اس کا شفاءِ علما فی الصدوس ہونا، یعنی قرآنی تصوف آشکارا کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ روح کی رہنمائی خدا کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، تاکہ واضح ہو کہ اسلام زہد خشک نہیں، اس کی روحانی تعلیم، اس کا اعراض باطنی کا معالجہ ساذق ہونا، اس کی روحانی تربیت، اس کے معالجات روحانی کی وسعت، اور باہمہ پاکیزگی سہل اور بے خطر موصول الی المطلوب ہونا، دنیا کی کسی تصوف کو نصیب نہیں۔ ان دونوں کتابوں کا خراج قرآن مجید ہے۔ ان میں نہ کہیں فرقہ، اہل قرآن کی طرح قرآن کے ٹکڑوں کے اجتماع سے مضمون پرویا گیا ہے، نہ تاویل کی گئی ہے، نہ مزادی سمجھے گئے ہیں جو غیر قطعی ہیں۔ بلکہ صریح صریح کہتے ہیں، اور ان کا صریح معنی، اسلئے قطعی ہیں اور واجب التعمیل۔

میں نے بساط سے باہر ہمت کی ہو مگر زمین اپنا نام میری ہمت اپنی۔ میں اوس کا امیری ہمت اوس کی ہو و ما تو حقیقی الہ باللہ علیہ تو کلمات والیہ انیب میرا کامیاب ہونا تو اللہ ہی کے فضل سے ہو، اوس پر

میں نے بھر دیا کیا، اور اوس کی طرف رجوع کرتا ہوں (ہود ۷۸) اسلئے بلا خوف سلامت حق کے آگے سر
جھکا کے مجھے کہنا اور میں کہوں گا۔ مجھے قرآن مجید سے اور قرآن مجید ہی سے سمجھانا ہے اور میں سمجھاؤنگا
کوئی تسلیم کرے اور قرآن مجید کے آگے سر جھکاے تو اوسکے اجر کا ذمہ دار خود خدا ہے۔ اور کوئی انحراف
کرے تو ماسئلہ علیہ من اجر طان اجر ہی الاعلیٰ رب العلمین۔ میں کچھ اجر نہیں مانگتا،
میرا اجر پروردگار کے ذمہ ہے۔

میں جانتا ہوں کہ قوم حق پرستی کی نگاہ نہ ڈالیں گی۔ وہ تعصب کی عینک انگوٹھ سے نہارتے ہیں۔ وہ
قرآن مجید کی آیتوں کے مقابل میں بھی اپنی آبائی روش کی جاندادہ ہو کر کہا اللہنا علیہ ایاہم بلجھے
بڑا بھلا سخت و ست کئے کو کھڑی ہو جائیگی، مگر مجھے برا بھلا نہ کہنا پڑیگی۔ میں کیا اور کس شمار میں ہے
نقطہ ہوں جس کی کچھ نہیں تھلارنی الوجود : اوس کا حساب کیا ہے اور اوس کا شمار کیا
جب بڑے بڑے اساتذہ اسلام کے چاند تارے حق کوئی کے سبب مہر تہ بنے، کافر بنے اقوام کے ہاتھوں
جلا وطن ہوئے، قید خانہ دیکھا، لکڑے کھائے، اور سولی کے آفات میں ڈلے گئے، تو میں کس قسم کی بین
ہاں ایک دن آیا کہ ان کی حقانیت کا ستارہ چمکا، اور حق کی روشنی تابان ہوئی۔ لکڑیوں کے ساتھ مجھے
جیسے گنکار و ناشدنی کا شہر ہو تو میری تو نجات ہے۔ وہ تو علماء دین تھے، اسلام کے تناور درخت
تھے، جو قوم کے نشان بنے۔ اور میں تو آگ لاسٹے شخص، جزو معدوم ہوں، جس نے کسی ایک چیز کی
بھی حقیقت نہیں جانی، جسکے علم و فکر کی ابتدا جمالت ہے، اور انتہا جمالت ہے، اور معلوم نہیں انجام
کیا ہوا وہ کس شمار میں۔ قوم جاہل کیسی، امی محض کیسی، تو کچھ سچا اور برائے کیسی، نہ جھوٹ کیسی نہ غلط
اوس کا یہ کہنا صحیح ہوگا، مگر اوس کا یہ خیال صحیح نہ ہوگا کہ ایک جاہل اور امی کو حق کا سورا اور
حق کو نہیں ہو سکتا۔ مجھے جو کچھ بھی وہ کہے حق ہو سکتا ہے، مگر اوس کا حق سے منہ موڑنا کبھی حق نہیں
ہو سکتا۔ اگر وہ مجھے دیکھے گی تو ٹھوکرین کھائیگی۔ اور اگر وہ حق کے آگے سر جھکائیگی

التماس

میری تقریروں سے یہ نہ سمجھو کہ میری نسبت کلام ربانی قرآن مجید سے ہے تو میں اہل قرآن اوس فرقہ کا ایک فرد ہو گیا جو فرقہ پنجاب میں نکلا ہے۔ اور اہل قرآن ہونیکا مدعی ہے۔ کیونکہ میں اہل قرآن، اہل حدیث، اہل فقہ وغیرہ وغیرہ سب ناموں کو بدعتی نام سمجھتا ہوں، جو نام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکلے، اور جن ناموں کا نشان قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتا، وہ نام خدا و رسول کے دفتر میں نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنگی ملت ہو کر عنایت کی گئی اور جنگی اتباع کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مامور ہوئے، وہ مسلمان تھے۔ ماکان ابراہیم یہودیوں والا نصرانیوں کا کنعان حنیفا مسلمان۔ (حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو ایک بگے مسلمان تھے)۔ خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت زبان خداوندی ارشاد ہوا و اصرحت ان اکون من المسلمین (مجھ کو حکم ہوا ہے کہ مسلمانوں سے ہوں) اس کا بیان اصل کتاب میں آہی گا۔ اس وقت غرض یہ ہے کہ ہمارے نبی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نہ اہل قرآن تھے نہ اہل حدیث نہ اہل فقہ نہ سنی، نہ شیعہ، وہ تو مسلمان تھے اور خالص مسلمان۔ ہم آپ کی امت ہیں ہم بھی مسلمان ہی ہیں۔ ہمارا مذہب بھی بہ اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی اسلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جب ہی آپ کی امت میں ہمارا شمار بھی ہو سکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متبع قرآن مجید تھے ہم آپ کی امت ہیں تو ہم کو بھی اوس کی اتباع کرنی چاہئے۔ ہمارا نام بھی خدا نے مسلمان ہی رکھا ہے۔ ہوسمیکہ المسلمین من قبل ففی ہذا اخذانے تمہارا نام اے امتان نبی سلمان ہی رکھا پہلے بھی اور اب بھی (ججنا) و رضیت لکم الاسلام دینا خدا نے تمہارے لئے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا (ما لک لک) میں اپنے ساتھ کوئی بدعتی نام پسند نہیں کرتا۔

میں مسلمان ہوں، میلادین اسلام ہے، اور مجھے اسی دین اور اسی نام پر ناز ہے، جو خدا کا رکھا ہوا ہے۔
یہی دین ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور بلا آمیزش کسی اور بدعتی انقلاب کے پکے پیروں کا رہا
یہی دین سارے پیغمبروں کا اور یہی ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی۔ ومن یرغب عن ملت
ابراہیم الا من سفہ نفسه۔ دین ابراہیم سے وہی پھرنا ہے جس نے اپنے آپکو بوقیوف بنایا (فقہ ۱۵)
مسلمانوں نے تفرقے ڈالکر اور تفرقہ کے الفاظ ملا کر تشخص پیدا کیا تو بوقیوف بنے۔

میں ہرگز اہل قرآن نہیں کیونکہ اہل قرآن کا فرقہ بمقابلہ اہل حدیث اور بمقابلہ آریہ سماج نکلا ہوا
اوس نے قرآن کو چھستان اور محما بنا کر، اوسے کھینچ تان کر، اوس کی ہڈیاں مڑوڑ کر اک نئے مذہب
کی بنیاد ڈالی ہے۔ الفاظ کے جوڑ توڑ سے ایسے معنی نکالے ہیں کہ قرآن کو سود فقہ پڑھ جاؤ مگر وہ
معانی کبھی سمجھ میں نہیں آنے کے۔ تیرہ سو برسوں کی نماز و عمل متواتر سے ثابت ہے بدل ہی گئی
اور یہ اصول بلا نبیہ رب گڑھ لیا گیا کہ نماز میں قرآنی ہی الفاظ ہوں۔ حالانکہ خدا کو لفظ مطلوب
نہیں، مفہوم اور دینی خشوع مطلوب ہے کیونکہ نماز اوس کی یاد کے لئے قائم ہوئی ہے۔ اقم
الصلوات لذلک ہی۔ فرقہ اہل قرآن کی تصنیف پر میری نظر نہیں گذری، دو تین رسالے پڑھ
ہیں۔ جس سے ظاہر ہو کہ قرآن کی ہڈیاں مڑوڑنے، نئے احکام پیدا کرنے، نئی شریعت قائم کرنے،
اور اوس دین میں جو تفرقہ مٹانے آیا تھا تفرقہ ڈالنے کو کھڑا ہوا ہے۔ اور میرا مقصد خدائی دین
اسلام کو بیان کرنا ہے جو خود تفرقہ شکن ہے۔ اس کے سوا بھی اہل قرآن کو قرآن مجید کی رت و خا
سے سروکار نہیں اس لئے وہ دوری میں پڑا ہے۔ اور جو خدا سے دور اوس سے میں دور
میں کسی طرح اوس کا ہمدرد نہیں، ساتھ ہی نہیں۔ ہاں اگر کوئی حق بات اوس کے منہ سے نکل
جائے تو اوس کے تسلیم کر لینے میں میں پس و پیش بھی نہیں کرتا۔ حق بات جس کے منہ سے
نکلے۔ حق سے منہ موڑنا تو خدا سے منہ موڑنا ہے۔

زمین اہل حدیث ہوں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شیعہ اور تبرائی لکھنؤ و ر ضعیف اور مشتبہ حدیثوں کو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کر کے جب تک اس میں قطعیت نہ پیدا ہو اپنا ٹھکانا خطرناک بناؤں۔ اور قرآن کو باجمہ تو اثر حدیث سے منسوخ کرنے یا حدیث سے مخصوص و محدود کرنے یا قرآن پر اضافہ کر نیکی کھڑا ہو جاؤں کر یہ بھی نسخ قرآن ہے، اور حدود اللہ کا توڑنا جس کا نام تفسیر قرآن رکھا گیا ہے۔ اور زمین امکانی شقوق کو اختلافات حدیث کے مٹانے کے لئے کافی اور تشفی بخش سمجھتا ہوں اکیڈمک امکان میں کوئی قطعیت نہیں۔

فقہ کی اصلیت تو قرآن مجید میں پائی جاتی ہے، اسلئے فقہ سے مجھے انکار نہیں۔ مگر فقہ کے وہ معنی میں نہیں سمجھتا جو قوم نے سمجھا ہے۔ دین میں سمجھ پیدا کرنا فقہ ہے اور حسب فرمان خداوندی اک جماعت ایسی ہر زمانہ میں ہونی ضرور ہے۔ فقہ ختم رسالت کی طرح ختم پذیر نہیں۔ فقہ تو جاہلون اور اندھوں کی آنکھ ہے جس کے سہارے یہ چلتے ہیں۔ پھر بھی میں اہل فقہ نہیں کیونکہ یہ بھی اہل قرآن اور اہل حدیث کی طرح بدعتی نام ہے۔ نہ یہ نام خدا اور رسول نے بھارا رکھا۔ مذہب کی امت میں ہم ہیں ان ناموں کے ساتھ موسوم ہوئے۔

ہاں میں مسلمان ہوں اور خالص مسلمان اکا للہ اللہ الدین الخالص۔ نہ میں اس کے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہوں کیونکہ وہ خود ہی شریک نہیں کرتا و کلا یشراک فی احکامہ الحدیث۔ اس کے حکم میں کسی کو بھی شریک کرتا ممنوع اور شرک فی الحکم ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دلی مقصود یہی تھا کہ خدا کے بند خدا کے ہو کے زمین اس لئے خدا کی محبت عین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ تو خدا کی محبت نے، اس کی عظمت و جلالت نے اس کی قدوسیت اور تنزہ نے میرے دل میں کسی کی جگہ نہیں چھوڑی تو میں

اوس کے سوا کتنے معبود بتائوں اور اوس کے سوا کس کس کے آگے جھکوں۔

من بعد میں قوم سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ اپنی خواہشوں، اندہی توہمات، اور خاندانی خیالات سے فانی ہو کر بحضور خداوند جل و علای اس کتاب کو پڑھے، تاخائل کو نظر انداز کرے، اور قول پر توجہ کرے، تعصب سے پاک ہو، اور خدا کا خالص بندہ ہو کر، خدا کا اور خدا ہی کا طالب ہو کر اس کتاب پر غور و فکر کی نگاہ ڈالے، جہاں میں اپنی طرف سے کچھ کہوں تو اوس پر فطرتاً عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ میرے اوں بندوں کو جو بات سنتے ہیں پھر جو ایچھی ہو اوس پر چلتے ہیں خوشخبری سنا دو۔ (انہر لک) کے اصول پر عمل پیرا ہو۔ اور جہاں کہیں خدا کا کلام پائے تو اوس میں تدبیر و تفکر کرے جو مامور خداوندی ہے۔ اس تدبیر کے بعد اوس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے جو خدا سمجھائے اوس پر یقین کرے، اوس کے آگے گردن جھکائے، اور اوس کی تعمیل میں جبر و جہد کرے، گرچہ کوئی اوس کی حمایت کا دم نہ بھرے۔ بل الانسان علی نفسه بصيرة ولو القى معاذیرا انسان اپنے نفس کا دانا و بینا ہے گرچہ وہ عنادات و بہانے کھڑے کرے (القیصہ ۱۱) باز پرس اپنے دلی ایمان سے ہے۔ اور دلی یقین کچھ ہو اور عمل ہو دوسروں کے کہے پڑ تو یہ نفاق ہے۔

قوم کی نسبت خدا سے ٹوٹ گئی ہے، یعنی کلمہ ایمان پر اوں کا یقین یقین رسمی ہے۔ وہ خدا ہی کو معبود نہیں سمجھتی بلکہ آوروں کو بھی۔ خدا ہی اوس کا مقصود نہیں رہا بلکہ وہ ماسوا کی جائداد ہو گئی ہے۔ وہ خدا کے فرمان پر چلنے کو تیار نہیں بلکہ اپنے احباب و رہبان کی فرمان بردار ہو گئی ہے۔ اسی لئے وہ برے حال کو پوچھ گئی ہے۔ حقیقی اسلام آشکارا کرنے سے میری حقیقی نیت یہی ہے کہ بندوں کی نسبت خدا سے پھر جوڑوں، اور قوم کو شریک فی الحکم

اور شرک فی النبوۃ کے گڑھے سے نکالوں تاکہ وہ روشنی جو صحابہ رضوان اللہ علیہم

اجمعین کے دلوں میں ضواءِ نشان تھی وہ پھرتا یاں ہو

اے قوم! دل کو، دماغ کو، نیات اور اعمال کو، خدا سے واحد کے لئے خالص کر،

پاک کر، اور قابل قبول بنا، کہ قرآن مجید کا نور دل و دماغ کو روشن کرے، اور تجھے انسان

کامل بنا کے خدا کے حضور میں کھڑا کرے۔ یہ مدی اللہ لنور، من یشاء (نور ۷)



آغاز کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس انتخابی پیش مقدمہ اور اتنی بڑی تمہید کے بعد میں اصل کتاب کو شروع کیا چاہتا ہوں۔ اصل کتاب کیا ہے، چند اصولی سوالات ہیں، جبکہ قرآن مجید سے حل کیا گیا ہے۔ اور چند وہ مسائل ضروریہ ہیں، جن کی نسبت خدا تعالیٰ و تقدس نے سخت سے سخت تاکید کے ساتھ حکم بھی دیا، اور ان کے نافرمانوں پر سخت سے سخت تہدید بھی فرمائی، اگر ان کی نسبت قرآن مجید مجمل اور گونگا سمجھا جائے۔ اور ان اجمال کا کھولنے والا کوئی ضخیمہ بھی قرآن مجید کے ساتھ شائع نہیں کیا جاتا یہ سوالات اور یہ مسائل قرآن مجید ہی سے حل کئے گئے ہیں۔ قرآن مجید اپنے صریح معنوں میں لیا گیا ہے۔ نہ دوراز کار تاویلوں سے وہ بدلا گیا ہے۔ نہ طبع آزمایوں کے قلم کئے ہوئے پابندیوں سے وہ جکڑا گیا ہے۔ مسلمانو! ذرا صاف دلی کی آنکھوں دیکھنا، اور قرآنی فیصلوں سے استخرا نہ کرنا کہ یہ ضلالت ہوگی بلکہ افضل سیلا۔

مضامین حل طلب اور مسائل حل طلب کی فہرست شروع کتاب میں ”فہرست مضامین کتاب“ کے زیر سرخی لکھی گئی ہے یہاں پر دو ہر اسے صرف کتاب کی ضخامت بڑھائی گئی اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے میں نے فہرست مضامین پر قناعت کی۔ اس فہرست کے سارے مضامین مجھے ضرور قرآن مجید سے حل کرنے ہیں۔ اور روحانی اور اخلاقی ہدایتیں **منہاج الحق** میں دیکھو۔

اے خدا! میری مدد کر۔ اپنی صراطِ مستقیم سے ڈگنے نہ دے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مجمل قرآن سے اتنے سارے مسائل حل ہو جائیں محالات سے ہے۔ اور میرا ایمان یہ کہ مفصل قرآن اگر حل نہ کر سکے تو دوسری کتاب ان سُنوں کے حل کو نیکو استحقاق ہی نہیں رکھتی۔ لوگ کہتے ہیں یا کہیں گے کہ اتنے بڑے بڑے مقدس علماء نے جس گمراہ کو نہ کھولا۔ اور سکو کھولنا یا جو کچھ وہ لکھ گئے اوس کے خلاف کچھ لکنا گمراہی اور کفر ہے۔ اور میرا عقیدہ یہ کہ تیرے کلام کے مقابلہ میں کسی کے آگے جھکنا چاہے وہ کوئی عالم ہی کیون نہ ہو تیرے اور تیرے رسولِ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی کے خلاف اور شرک فی الحکم ہے۔

اے خدا! نفسِ شیطانی سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری پناہ۔ مجھے اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے۔ مجھ سے وہ لکھا جس میں تیری رضا اور تیرے رسول کی خوشنودی ہو۔ غلبیون اور لغزشون سے میری محافظت کر۔ اپنی دیدار سے میرا موجد نہ پھیر شوقِ مستقیم دے جو تجھے ہی دیکھے۔ دلولہ اخلاص دے جو تیرے ہی کہے۔ بہت صدق دے جو حق گوئی میں جاننا نہ ہو۔ توفیقِ سعی دے جو توکل کی کشتی پار لگائے۔ صبر دے جو کافریہ نچری اور مرتد کئے والوں کے مقابل ہو۔ رضا و تسلیم دے کہ خواہشوں کی آگ ٹھنڈھی ہو جائے۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں تجھی سے اعانت چاہتا ہوں اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں کہ تیرے سوا میرا کوئی ہے بھی نہیں۔ ومن یتوکل علی اللہ فہو حبیب

حل مسائل حل طلب

مسئلہ (۱)

خداوند عالم نے سارے رسولوں کے ذریعہ سے ایک ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت کی، اور ایک ہی دین بچھا دیا مختلف۔ اور اپنے بھیجے ہوئے دین اور اوس کے پیروں کا نام اوس نے کیا رکھا ہے؟

اس مسئلہ کے متعلق تعلیم خداوندی یہ ہے

ایک ہی صراط مستقیم کی خدا نے ہدایت فرمائی۔ اور سارے رسولوں کے ذریعہ سے ایک ہی دین بھیجا جس کا نام اسلام ہے۔ اور جسکے پیروں کو مسلمین کا لقب عنایت کیا گیا ہے مفصل ذیل آیتیں اس کی شاہدین کہ سب رسولوں کو صراط مستقیم ہی کی ہدایت کی گئی، اور سب کو دین اسلام ہی دیا گیا۔

قل انشیٰ ہدیننّی سربّی الی صراط مستقیم ۵ دیناً قیّماً ملۃ ابراہیم حنیفا۔ اے رسول! کہہ دو کہ میرے خدا نے صراط مستقیم کی طرف میری ہدایت کی ہے جو ٹھیک دین ہے، یعنی ملت ابراہیم، جو ایک سو خدا کے ہو رہے تھے (انعام ۱۶)۔ یہی صراط مستقیم ملت ابراہیم ہے، جسکی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی۔ اور جسکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی انک لتہدی الی صراط مستقیم اے رسول بے شک تم با دہی صراط مستقیم ہو (نہ خرف ۵) ہم مسلمانوں کو صراط مستقیم کی تبلیغ کی گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ۔ ان اللہ سربّی و سربکم فاعبدوا ہذا صراط مستقیم بے شک اللہ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے تو اوسی کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے (العمل ۵) آپنے اولاد ایک خدا کی طرف متوجہ کیا یعنی توحید۔ پھر عبادت کی تعلیم فرمائی۔ عبادت صرف نماز ہی نہیں ہے بلکہ سارے احکام و ہدایات کی تعمیل ہے۔ آپنے اسی کو صراط مستقیم فرمایا، اور اسی کی تبلیغ فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں خدا نے فرمایا۔ اجتبیہ و ہدایہ الی صراط مستقیم خدا نے ان کو منتخب کیا، اور صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ (النحل ۱۲۱) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی شان میں خدا نے فرمایا و ہدینا ہما

الصراط المستقیم۔ ہم نے اون دونوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کی۔ (والصفت ۱۷)

حضرت ابراہیم حضرت اسحق۔ حضرت یعقوب۔ حضرت نوح۔ حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان۔
حضرت یوسف۔ حضرت یوسف۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت ہارون۔ حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت
عیسیٰ۔ حضرت الیاس۔ حضرت اسماعیل۔ حضرت یسع۔ حضرت یونس۔ حضرت لوط علیہم السلام سب کے
مراجہ اور فضائل بیان کر کے خدا فرماتا ہے ومن آباءہم وذراریہم وَاخوانہم وَاحببناہم
وهدیناہم انی صراطِ مستقیم اور اون کے آبا اور اولاد و برادران میں سے بھی بہتے منتخب
کیا، اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کی (العام ۱۸) پھر اسی سلسلہ میں خدا کے چکر فرماتا ہے اولئک الذین
هدی اللہ فجعلناہم اقتداء۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ نے ہدایت کی ہو، تو تم ان کی ہدایت
کی اقتداء کرو۔ (العام ۱۹)

یعنی صراطِ مستقیم ایک ہی ہو، وہی سب رسولوں کو ملی۔ خدا نے کوئی نافرمان نہیں کیا جب تو اقتداء کو
فرمایا۔ اب کوئی انکی صراطِ مستقیم کو کھنٹی راہ کے تو کہے۔ مراد لینا اوس کے ہاتھ ہے جو چاہے مراد لے۔
ورنہ دو نقطوں کے درمیان خط کھینچو تو سب سے چھوٹا خط خطِ مستقیم ہو، اور یہ دو بھی نہیں سکتا یہی رشتہ
عبودیت جو عابد و معبود میں ہے یہی صراطِ مستقیم ہے، جس راہ سے تم معبود تک پہنچ سکتے ہو۔ صراطِ
مستقیم۔ دین اللہ۔ دین قیم۔ فطرت اللہ۔ دین اسلام سب مترادف المعنی ہیں۔ ایک ہی نام
بلحاظ صفات کے مختلف ناموں سے موسوم ہوا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ خلاق فطرت کا بھیجا ہوا دین فطرت اللہ یا تو ان میں فطرت کے خلاف ہو نہیں
سکتا کیونکہ اوس کے قول و فعل میں اختلاف ممکن ہی نہیں دین و فطرت میں مطابقت تام ہونی
چاہئے اس لئے فطرت جب نہیں بدلتی، تو دین بھی نہیں بدلتا۔ اور جب نہیں بدلتا، تو فطرت کے
مطابق ایک ہی دین ہو سکتا ہے، اور وہی دین اسلام ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام خدا کے نزدیک تو اسلام ہی دین ہے (ال عمران ۸۵)
 اشد ایک، اوس کا دین برحق ایک، اوس کی راہ ایک، اوس کے احکام و ہدایات ایک، اوس کی
 ساری کتابیں ایک، اوس کے سارے رسول ایک، لا نفراق بین احد من سلسلہ (ہم رسولوں
 میں تفرقہ نہیں کرتے) مگر لوگوں کو یہ وحدت دین پسند نہیں۔ وہ ہر جگہ تفرقہ اور شخص کی جویاہن
 وہ دوسرے دین کی مخالفت کو دین سمجھ ہوئے ہیں۔ افعیہ دین اللہ بیغون کیا دین اللہ کے سوا وہ
 کسی دوسرے دین کے متلاشی ہیں۔ (ال عمران ۸۵) تو افسوس ہے اون پر یہ کیونکر۔ من یرد اللہ
 ان یرصد یہ لیشرح صلا سکا للاسلام۔ خدا جس کی ہدایت کوئی چاہتا ہے تو اوس کا سینہ قبول
 اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔ (انعام ۱۵۱) یہ خدا نے کلیہ فرما دیا جو آزادی اور ابدی ہے۔ وہ ہمیشہ ہر زمانہ اور
 ہر قوم میں اسلام ہی کی ہدایت کرتا رہا۔ اور یہ فرمان جاری کر دیا۔ قل انما باللہ وما انزل علینا وما
 انزل علی ابراہیم واسمعیل واسحق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون
 من دہم لا نفراق بین احد منهم ونحن لہ مسلمون ۵ ومن یتبع غیوہا لا سلام دینا قلن
 یقبل منہ وهو فی الآخرۃ من الخسارین ۶ اے رسول کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر
 نازل ہوا (یعنی قرآن مجید) اور جو حضرت ابراہیم۔ حضرت اسمعیل حضرت اسحق۔ اور حضرت یعقوب
 اور ان کی اولاد پر نازل ہوا۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور کل نبیوں کو خدا کی طرف سے ملا
 سب پر ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے، کیونکہ ہم تو خدا ہی کے
 حکم پر راہ ہیں۔ (یہی اسلام ہے) جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ اوس سے
 قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں گمراہے میں رہے گا۔ (ال عمران ۸۵) سارے پیغمبر سارے
 پیغمبروں کے، اور ساری کتابیں ساری کتابوں کی بصدق رہی ہیں۔ اسی لئے ایک کتاب پر ایمان
 لانا ساری لامعلوم کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ در کسی ایک کام نہ ساری کتابوں اور ساری پیغمبروں کا

منکر اور کافر ہے۔ یہی دین اسلام ہے جو اذنی ہے، اسکے سوا کوئی دوسرا دین مقبول ہی نہیں رہا
 دین اسلام کو خدا نے ہمارے لئے بھی پسند فرمایا۔ ورضیت لکم الاسلام دینا۔ جسے تمہارے
 لئے من حیث دین دین اسلام کو پسند فرمایا۔ (مائتہ ۱۱۱)

سارے پیغمبروں کا دین بھی دین اسلام ہی تھا۔ اور سارے پیغمبر بھی مسلمان ہی تھے۔ مفصل
 ذیل آیتیں اس کی شاہد ہیں۔ وکفی باللہ شہیداً۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں خدا نے فرمایا۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال سلمت
 لرب العلمین۔ جبکہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اسلام لاؤ تو اوہوں نے
 عرض کیا کہ ہم پروردگار عالم پر اسلام لائے۔ (البقرہ ۱۱۱) ماکان ابراہیم یهودیاً وکلاً
 نصرانیاً وکن کان حنیفاً مسلماً۔ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ تو ایک
 چمکے مسلمان تھے (ال عمران ۶۷)

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ واصرت ان اکون من المسلمین۔ میں حکم دیا گیا ہوں
 کہ میں مسلمانوں سے ہوں (یونس ۱۰۱)

اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلقیس نے بھی کہا تھا۔ واونینا العلم من قبلہا وکننا مسلمین
 مجھ کو تو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا اور میں مسلمان ہو چکی تھی (النمل ۲۷) اور پھر صاف اقرار لسانی
 بھی کیا و اسلمت مع سلیمان للہ رب العلمین۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پروردگار
 عالم پر میں اسلام لائی (النمل ۲۷) یعنی دونوں مسلمان تھے۔

نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واصرت ان اکون من المسلمین۔ میں حکم دیا گیا ہوں کہ
 میں مسلمانوں سے ہوں (النمل ۲۷)۔

انا انزلنا التوراة فیہا ہدًی ونور ویکلم بها النبیون الذین اسلموا بحسب توریث

نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ وہ سارے جو مسلمان تھے وہ تو بیت ہی سے حکم دیتے رہے۔ (ماہ ۷)
خدا نے اسکو افرمایا یعنی وہ سارے نبی مسلمان تھے۔

واذ اتلی علیہم قالوا اصابہ اندہ الحق من ربنا انا كنا من قبلہ مسلمین۔ جب کتاب آسمانی
پر ایمان لانے والوں کو یہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسکے پہلے ہی مسلمان ہیں۔
(القصص ۷۷) دین ایک ہی تھا دین اسلام ہی بلا اختلاف، جب تو یہ اللہ والوں نے اقرار کیا کہ
اگر دین اسلام یہ ہے جو تم پڑھ کر سن رہے ہو تو ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کوئی اختلاف تو پائے
نہیں، اور کوئی نئی بات تو معلوم ہوتی نہیں۔ یہ آیت تائید ہے اس آیت کی جو خدا نے فرمایا وانه
لفی ہر الاولین۔ قرآن مجید ہی اگلی کتابوں میں اتر ا تھا۔ اگر اختلاف ہوتا تو شک کی جگہ تھی کہ
یہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں۔ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

غرض سارے انبیاء و رسل مسلمان تھے، اور سب کا دین یہی دین اسلام ہی تھا، اور سب کی راہ
صراط مستقیم ہی کی تھی۔ مگر قوم کو یہ راہ پرانی معلوم ہوئی، اور اس راہ والے پرانے ڈھوسے کے معلوم
ہوئے۔ مسلمان نام خدا کا رکھا ہوا انکو نہ بایا، وہ فرقہ بندی قائم کر کے لگی ایک دوسرے سے جھگڑنے
اسلام کے اعضا خود مسلمانوں کے ہاتھوں الگ کئے گئے۔ ایام جاہلیت کا دور پھر سے شروع ہوا
جبریل سلام نے قبیلوں کے سیکڑوں برس کے تفرقے، جنگ، اور خون ریزی کو مٹا کر ان میں
یکونیت اور اخوت اسلامی کی روح پھونکی تھی، وہ خود فرقوں کی زندگاہ بن کر باپ بیٹے بھائی
بھن کے خون سے لائے زار ہو گیا، اب دیکھو تو صورت تک نہیں پہچانی جاتی، اس فرقہ پسند بدعتی نام
رکھ کر الگ ہو گیا۔ کوئی اہل قرآن بنا، کوئی اہل حدیث، کوئی اہل فقہ، مقلد غیر مقلد، محمدی،
وہابی، حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، ابوالعلائی،
پیر شاعر شری، اسماعیلی، زیدی، آغاخان، خارجی، قادیانی، وغیرہ وغیرہ

سیکڑوں ہی نام۔ یہ اتنے نام خدائی و خرقین نہیں، خدائی فرمان میں نہیں، رسالت کی تبلیغ میں نہیں، اصحاب رسول کے کارناموں میں نہیں۔ قوم امت نبی سے نام لگا کر دوسروں کی امت نبی ہو کر کاش قوم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب پر آجائے، تو اسلام کا دن پھرے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان فرقوں میں سے کسی فرقہ میں داخل نہ تھے، وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح یکے مسلمان تھے۔ اگر وہ بھی ویسے ہی مسلمان حنیف ہو جائے، اپنے بدعتی القاب سے تائب ہو، اور خدا کے رکھے ہوئے نام و لقب کو پسند کرے، اور اپنے کو صرف مسلمان ہی کہے، اور اسی نام پر نازاں ہو، اور سچا مسلمان ہو کر خدا ہی کے آگے سر جھکا لے، تو اسے قوم اتیری اوکھڑی ہوئی ہوا پھر اپنی ہوا باز دھیکگی۔ اختلافات اور جھگڑوں کی سموم ہو ابدل کر، خشک، فقرت افزا، اور جان بخش ہو جائیگی، اور اسلامی دنیا پر قوت و پر شوکت ہو کر انعام الہیہ سے لہنا اوٹھیکگی۔ گرچہ مسلکوں میں اختلاف تو رہیگا کیونکہ عقل و سمجھ کا مختلف ہونا بھی ایک فطرتی امر ہے مگر یہ اختلاف اگر اختلاف کبرا ہی رہیں گے۔ فرقے بن بن کرتا رہا و برباد نہ ہو جائیں گے۔ یعنی مسلمانوں کی دنیا صحابہ کی دنیا اور مسلمانوں کا دین صحابہ کا دین ہو جائیگا۔

غرض قرآن مجید کی آیتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ جتنے پیغمبر تھے سب مسلمان تھے، اور سب دین اسلام ہی دیا گیا تھا، اور سب کو صراط مستقیم ہی کی ہدایت کی گئی تھی، اور ہر کو بھی دین اسلام ہی عنایت ہوا، اور ہمارا نام بھی مسلمان ہی رکھا گیا۔ اسی لئے شرط ایمان قرار دیا گیا کل کتابوں اور کل نبیوں پر ایمان لانا بلا تفرقہ۔ اصنت باللہ وملتہ ورسولہ۔

لا تفرق بین احد من رسلہ۔

فاصنوا باللہ ورسولہ والنور اللذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ

مسئلہ (۲)

دین الہی ایک دوسرے کا نسخ ہو یا ایک دوسرے کا مصدق۔ نسخ ہر توہر ایک دین دوسرے ماستبقین کا یا ہر ایک دین کے بعض بعض احکام دوسرے دین کے بعض بعض احکام کے نسخ ہیں یا قرآن مجید ہی سارے ادیان کا نسخ اور قرآن مجید ہی کی آیتیں آپس میں ایک دوسرے کی نسخ ہیں۔ اور اگر ہر ایک دین دوسرے دین کا مصدق ہو تو بالکل ہر بابا بالآخر ہے، یا صرف دین الہی کے دین الہی ہونیکا مصدق ہو؟

اس مسئلہ کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں واضح کر دیا ہے کہ دین الہی ہرگز ایک دوسرے کا نسخ نہیں بلکہ ایک دوسرے کا مصدق ہو، اور تمام تر مصدق ہو۔ کل کا مصدق بھی، اور جزو کا مصدق بھی۔ اسی طرح قرآن مجید کی کوئی ایک آیت یا ایک حکم بھی کسی آیت کا نسخ ہو اور نہ کسی حکم کا۔ اختلاف تو کہیں ہو نہیں سکتا، نہ ہو سکتا ہے۔ دو علی علیہ السلام میں انک کو منسوخ کر دیا جاتا ہے ورنہ نسخ کہیں بھی نہیں۔

لیکن قبل اسکے کہ میں تصدیق و کیفیت تصدیق کی آیتوں کو بیان کروں مناسب ہے کہ پہلے اور آیتوں کو بیان کروں جن سے قوم نے نسخ و منسوخ کا اٹوٹا خیال قائم کیا ہے اور دھوکے میں پڑی ہے۔

ماننسخ من آية او تنسخها نأت بغير منھا او مثلھا الم تعلم ان الله على كل شیء قدير
 الم تعلم ان الله له ملك السموات والارض۔ جو مٹا دیتے ہیں ہم کوئی نشانی یا بجلا دیتے ہیں تو پھر اوس سے بہتر لاتے ہیں یا اوس کے مانند۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان زمین کی بادشاہت بیشک اللہ کی ہے۔ (بقولہ) قرآن مجید میں آیت کے معنی کتاب اللہ کی آیت کے بھی آئے ہیں اور اگرچہ آیت کے معنی نشانی کے بھی آئے ہیں، جس سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ اس آیت سے توریت و انجیل کی آیت یا قرآن مجید ہی کی آیت مراد لینا یا محذوف ماننا غیر قطعی ہو گا۔ اس آیت میں آیت کے معنی نشانی ہی کے ہیں۔ کیونکہ الم تعلم ان الله على كل شیء قدير اسی معنی کا مؤید ہے ہر چیز خدا کی نشانی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر ہر طرح کی قدرت کیساتھ قادر ہے۔ دوسری آیت بھی اسی کی

موسید ہے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ آسمان وزمین تمام اوس کی سلطنت ہو۔ وہ جسے چاہے مثالے اجسے چاہے بنائے، وہ قادر ہے۔ خدا کی نشانیاں نہ نئی آتی ہی جاتی رہتی ہیں ایسے بدیہی ہے، اس کی جانب اس آیت میں خدا نے متوجہ کیا ہے۔ اور اپنے کلمات کی نسبت خدا نے فرما دیا ہے: **تَبْدِيلُ لِّلْكَلِمَاتِ اللّٰهِ** خدا کے کلام میں تغیر و تبدل نہیں۔ (المائدہ ۱۷) پھر اوس کے کلام میں نسخ کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

دوسری آیت جس سے نسخ ثابت کیا جاتا ہے یہ ہے۔ **وَاذِ ابْنِ لٰذَا اٰیةٍ مَّكَانَ اٰیةٍ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَنْزِلُ** قالوا انما انت مفتور جبکہ ہم بد نے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ دانا تر ہے اوسکا جو وہ نازل کرتا ہو تو کفار کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو اقرار ہے (النحل ۱۱۱) ہمیشہ یوں ہی ہو گیا ہے کہ جب ایک کتاب اللہ کی آیتوں کی جگہ دوسری کتاب کی آیتیں نازل ہوئیں، تو باوجود اسکے کہ آیت وہی رہی صرف اوسکی جگہ بدلائی (کیونکہ اللہ ہی دانا تر ہے، وہی نازل کرتا رہتا ہے) پھر بھی قوم نے انکار کیا اور اوسکو اقرار ہی کہا، یہاں پر آیت کے معنی بلاشبہ کتاب کی آیت کے ہیں کیونکہ یٰٰزول کا لفظ موجود ہے۔ مگر اس تبدل کے معنی نسخ کے نہیں ہیں کیونکہ مکان کا لفظ موجود ہے۔ یعنی آیت وہی رہی مگر ایک آیت کی جگہ پر دوسری آیت آئی۔ مثلاً تورات کی آیت کی جگہ انجیل کی آیت آئی۔ اور انجیل کی آیت کی جگہ قرآن کی آیت آئی۔ تورات کا مورد قلب مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام تھا، اور انجیل کی آیت کا مورد قلب مبارک حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور قرآن مجید کی آیتوں کا مورد قلب مبارک نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ معنی ہیں **اِذْ ابْدَلْنَا اٰیةَ مَّكَانَ اٰیةٍ** یعنی آیت کی جگہ بدلنے کے۔ اسی لئے اسکے بعد ہی خدا فرماتا ہے **بَلْ كَثُرَ** ہم لایعلیون کفار سمجھتے نہیں۔ اونکو سمجھنا تھا کہ جو کہا جا چکا وہی تو کہا جا رہا ہے۔ انہیں ان قرآن پر مثلاً تورات میں حکم تھا کہ **قَتْلُوْهُمۡ عَلٰیہِمۡ فِیْہَا اِنَّ النَّفْسَ النَّفْسَ الْعِیۡنَ بِالْعِیۡنِ اَلَا تَفۡہٰمُ** بالانفس بالاذن والسن بالسن و الجرح قصاص۔ تورات میں حکم دیا تھا کہ **اِنَّکُمْ کَیۡدٌ زَٰخِرٌ** ناکہ کیدے ناکہ کیدے کان بڑے کان، دانت کوبڑے دانت اور تم کو کا اولاد بدلا (المائدہ ۷۸) اور قرآن مجید میں اسی حکم کو جامع اور مانع طرز سے یوں

فرمایا ہے۔ جن اعمیۃ سنیۃ مثلاً حق تعالیٰ واصلہ فاجس، علی اللہ۔ برائی کا بدلہ اوسید رہے
برائی ہے تو جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اوس کا اجر خدا کے ذمہ (الشوری ص ۷۷) اور وہ ان
عاقبتہم فاعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ، واللہ صبور قہر خیر للصابرین۔ اگر تم بدلا دو تو اتنا ہی
جتنی تکلیف تم کو دی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صابرین کیلئے بہتر ہے (نحل کی آخری آیت)

تصدیق کی آیتوں کا تو ذکر ہے، لیکن کوئی آیت بھی نسخ کی موید نہیں ملتی۔ نسخ و منسوخ کے عقیدے
سے نہ صرف کتب الہی کی عظمت و دماغ سے کہو گئی ہے جو اسلام میں مامورہ ایمان ہیں۔ اور نہ صرف
پیغمبران انوار العزم کی عظمت و دلون سے جاتی رہی ہیں، اور وہ افسانہ اور شاعری کے بانی بچہ اطفال بنائے
گئے ہیں، بلکہ اس نسخ کے بدعتی عقیدے نے تو قریب قریب نصف قرآن کو نسخ اور بیکار کر دیا ہے۔ جن کا
قرآن میں ہنسیکا اور فراحم، او جن کا یاد کرنا فضول و زناحق کی زحمت، بلکہ قرآن سمجھنے اور اوس میں
تدبر و تفکر کرنے میں پہاڑ چال کر دیا ہے، کیونکہ قرآن کا سمجھنا اور سیکھنے جا کر ہی نہیں کیا جاتا جو نسخ و منسوخ
کے رموز سے واقف نہ ہو۔ اس عقیدے نے قرآن کو بھی دیدہ بنادیا کہ درسی تعلیم پائے گئے، اور اختلاف آراء کی
کچھڑی پکائے گئے، علما جو نسخ و منسوخ کو پہچانیں ہی قرآن سمجھیں تو سمجھیں۔ ایک ریت قتال سے تین سو
آیتیں منسوخ کی گئیں۔ معلوم نہیں یہ نازل ہی کیوں کی گئی تھیں اور پھر رکھی کیوں گئیں۔ کیا نسخ و آیتوں کو
الگ کر دینا یا ان کی علیحدہ فہرست لگانا یہی کر وہ آیتیں عزیز ہو جائیں، اور تبلیغ کی اصلاح ہو جائے، خود
رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء و صحابہ کیلئے لازم تھا اور آسان تر نہ تھا، جس سے سمجھوں نے چشم پوشی کی
اور یہ قرآن مجید کی اصلاح پچھلون کیلئے اڑھ رہی۔ یہ عقیدہ علی بنیہ ربانین ہے اسلئے اسکے ذمہ وار حضرت
نہیں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس عقیدے سے آیتیں منسوخ تو کی گئیں مگر نسخ و آیتوں سے جو احکام نکلتے تھے،
اور جو ہدایتیں پہنچتی تھیں وہ بالگاہ احکام الحاکمین میں فریادی ہو گئیں۔

مثلاً۔ سورۃ النساء کا تیسرا کوہ۔ والذی یاتین الفاحشہ من نساءکم انھ ذر و عورتیں جو

مترکب بدکاری ہون یعنی چوٹی کی مجرم، اسکے بعد انکی سر زبان کی گئی ہے۔ اور۔ واللہ ان یا تیلنہا منکرہ
 اور دوم درجہ مترکب بدکاری ہون، یعنی لواطت کے مجرم۔ اسکے بعد انکی سر زبان کی گئی ہے۔ ان دونوں
 آیتوں کو زنا کی آیت سے منسوخ کرنا ظلم اور دو حکموں کی عدول حکمی ہے۔ نہ تاہم مرد و عورت کیساتھ ارتکاب
 جرم کرتا ہے اسلئے زنا کا حکم اپنی جگہ پر قطعی ہے۔ اور یہ دونوں آیتیں چوٹی اور لواطت کے متعلق ہیں،
 کیونکہ پہلی آیت میں تثنیہ کی ضمیر مونث کی، اور دوسری آیت میں تثنیہ کی ضمیر مذکر کی اسکی کافی شہادت ہے۔
 ان دونوں آیتوں کو اگر منسوخ کر دیا گیا ہے تو بتاؤ کہ قرآن مجید میں لواطت کی نسبت جسکے سبب
 قوم لوط غارت کی گئی، اور جو فطرتی زراعت کے تخم کی تباہ کن ہے، احکام و ہدایات کہاں ہیں۔ کیا
 ایسے قبیح جرایم بے سزا چھوڑے گئے۔ افسوس کی بات ہوگی اگر ان آیتوں کو جو ایسے قبیح جرایم کے متعلق
 ہیں ناحق منسوخ کر کے ان آیتوں کا خون کرو۔ ایسے گناہوں کی سزا سے قرآن مجید کیونکر ساکت رہ سکتا
 ہے جب خدا نے فرمایا ما ضربنا فی الکتاب من شیء۔ ہم نے قرآن مجید میں (دین کے متعلق)
 کچھ نہ چھوڑا جو بیان نہ کر دیا۔ (انعام ۱۵۴) یہ دین کی بات ہے جو چوٹ نہیں سکتی۔ جب زنا کی نسبت حکم نہ چھوڑا
 تو ایسے خلاف فطرت افعال قبیحہ کے متعلق احکام کیونکر چھوٹ سکتے تھے۔ زنا کے جرم میں قوم غارت نہیں
 کی گئی مگر لواطت کے جرم میں قوم غارت کی گئی ہے۔ ناسخ و منسوخ کے من کو طہت عقیدے نے سیکرٹوں آیتوں کو
 جہاں اپنی جگہ پر اک خاص حکم رکھتی ہیں عبث، لغو اور بیکار کر دیا ہے۔ اور قرآن مجید کو باہمہ تو اتر حدیث کو
 منسوخ کرنے میں بھی تامل نہیں کیا۔

جب دو آیتیں آپس میں مخالف ہوں تو ایک کو منسوخ کہو گے۔ مگر اختلاف کا پایا جانا جو نسخ کی وجہ سمجھی
 جاتی ہے قرآن میں کیا کسی کتاب اللہ میں ممکن نہیں بلکہ محال ہے۔ کیونکہ من عند اللہ میں اختلاف ہو نہیں
 سکتا۔ یہ خدا ہی نے فرما دیا ہے۔ ولو کان من عند غلبہ اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ اگر یہ من اللہ
 نہیں من غیر اللہ منزل ہوتا تو لوگ اس میں اختلاف کثیر پاتے (انساع ۱۱۱) اختلاف نہ ہو نہ کو خدا نے دلیل

حانیت بتلایا ہے، آج لوگ اسے سرشار سمجھتے ہیں۔ انکو نفسانیت اور غرور نے دھوکے میں رکھا۔ یہ سمجھنے لگے کہ جیسے جیسے عقل بڑھی، اور لوگ ترقی کرتے گئے، اور ان کی ترقی کے لحاظ سے کتاب آتی رہی، مسلمانوں کے زمانہ میں ترقی کی انتہا ہو گئی، اسلئے کتاب انیکا سلسلہ مندر کیا گیا۔ حالانکہ ترقی کا دروازہ خدا نے بند نہیں کیا ہمیشہ ترقی ہوتی رہی، اور ترقی ہوتی رہی گی۔ اور انکو سمجھنا تھا کہ قانونِ فطرت نہیں بدلتا اور جتنی کتابیں آئیں قانونِ فطرت کے مطابق آئیں۔ فطرتی جذبات کو مضبوطی پر لگانا اور انکا مقصد رہا۔ اسلئے ہر دین الہی جو انکے معنی اللہ ہے گھر چھپکڑوں برس بعد آئے، پھر بھی ایک دوسرے کا مصدق ہے۔

میں بیان کر چکا کہ نسخ کا خیال بے بنیاد ہے، کوئی آیت بھی نسخ فی الاحکام کی حمایت نہیں کرتی۔ اب میں یہ دکھایا چاہتا ہوں کہ دین الہی ایک ہی ہے ہر جماعہ الیکل دوسرے کا مصدق۔ خدا ایک، اور اسکے سامنے رسول ملائقہ ایک، ما ارسل یعنی اوس کی کتابیں بلا اختلاف ایک، سب الیکل دوسرے کی مصدق۔ مفسر ذیل آیتیں اس کی شاہد ہیں۔ یہ خدا کی آیتیں ہیں وکفی باللہ شہیداً

۱۔ شرح لکم من الدین ما وصى به نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیہوا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔ خدا نے تمہارے لئے وہی دین قائم کر دیا جسکا حکم نوح کو دیا تھا، اور جس کی وحی تمہاری طرف بھیجی، اور جس کا حکم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اوس دین کو قائم رکھو اور اوس میں تفرقہ نہ ڈالو (شوری ۱۳)۔ خداوند عالم نے کتنا صاف صاف فرما دیا کہ سب دین ایک ہی ہے، اور تفرقہ کو منع فرمایا ہے۔

یہ بھی سمجھ لو کہ دین کے معنی صرف توحید کے نہیں ہیں جیسا کہ قوم نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ دین کے معنی کتاب اللہ یعنی سارے احکام ربانی کے ہیں۔ سورہ شوریہ کا دورہ کر کوچ پڑھ جاؤ پتہ لگ جائیگا کہ خدا نے بھی ایسا ہی بتلایا ہے۔ دین کے معنی اگر توحید ہی کے تو کیا سارے پیغمبروں کی توحید کونٹی تھی اور ناقص جو خدا نے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اسکے صاف معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ

ضیاع ہونے سے جو احکام و ہدایات ناقص رہ گئے تھے خدا نے کتاب بھیج کر کامل کر دیا اور یہی تکمیل دین اور اتمام نعمت ہے۔ ایک ہی دین خدا نے نوح و ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور سب کو دیا تھا اسکے معنی توحید کے نہیں بلکہ ایک ہی احکام و ہدایات کی کتابیں دین یہ کتابیں ایک دوسرے کی صدق ہیں اسکے معنی نہیں کہ توحید ہی میں صدق ہیں یا کیونکہ یہ توحید کی قیادہ کی طرف سے ہے، اور یہ قرآن مجید کی تفسیر و تفسیح اور تفسیح ہے۔ خدا نے دین کا لفظ فرمایا تو ہر ایک دین دوسرے دین کا کمال و صدق ہے۔

قل قولوا اٰمنا باللہ وما اٰتٰنازل الینا وما اٰتٰنازل الی ابراہیم واسمعیل واسحق و یعقوب والاسیاء وما اٰتٰنا موسیٰ و عیسیٰ و ما اٰتٰنا النبیون من سربہم لانصرق بہین احد منهم و نحن لہ مسلمون ہ مسلما تو ا کہہ دو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر، اور قرآن مجید پر اور ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق اور یعقوب کی اور ان کی اولاد کی کتابوں پر اور توریت و انجیل پر اور جو کتابیں اور نبیوں کو خدا کی طرف سے ملیں، ہم ان میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے، ہم تو خدا ہی کے فرمان بردار ہیں۔ (بقرہ ۱۷۷) سب پر ایمان لانیسکے معنی یہ ہیں کہ سب ایک ہیں جب ایک پر ایمان لانا سب پر ایمان لانا ہو گا۔ ورنہ مختلف کی صورت میں مختلف احکام پر وہ بھی لا معلوم حالت میں کہ محوشدہ کتابوں کے احکام معلوم بھی نہیں ہو سکتے ایمان لانا ایمان کہا جائیگا یا منافقانہ قول کیونکہ اختلاف کی صورت بجائے ایمان کے من عند اللہ ہونے میں شک پیدا ہو گا جیسا کہ آیت اوپر دی گئی و لو کان من عند غیر اللہ انہم یابجاءے شک کے ایمان حاصل ہو گا اگر یہ کہہ کر اگلی کتابوں پر ایمان لانیسکے معنی یہ ہیں کہ ان کتابوں کا صرف منزل من اللہ ہونا تسلیم کیا جاے تو نسخ شدہ حالت میں اس تسلیم سے فائدہ ہی کیا۔ دوسرے یہ کتاب پر ایمان لانا نہ ہوا بلکہ رسول پر ایمان لانا ہوا کہ جو کچھ وہ لائے وہ خدا کی طرف سے لائے اور ایمان خدا کتابوں پر ما اٰتٰنازل اور ما اٰتٰنازل کے ساتھ فرمایا ہے، اور لفظ صاحبی عام ہے یعنی جو کچھ ادن پر نازل ہوا اور پر ایمان لاؤ۔ صا اٰتٰنازل اللہ ساری کتاب ہو۔ اور ساری کتاب پر ایمان بجز ایک ہونیکے اختلاف کی صورت میں تو ہر ہی نہیں

سکتا خصوصاً معلوم حالت میں۔ یہ تو خدا کی شان سے بھی بھید ہے کہ جو جن کتابوں کا جو وہی نہ ہو
اور ان میں اختلافات چون ان پر ایمان نہ ہو اس لیے ضرورت معلوم ہے۔ ایک آیت ہو تو توہم و شرک کی گنجائش
ہو، خدا نے تو بہت سی آیتیں فرمادی ہیں۔

مُلک و ما کان فی القرآن اب یفتری من عندہ لکن یتوکل علیٰ ذی العرش العلیّ

تفصیل الکتاب لا سبب فیہ من سبب الظہیرین ہر قرآن مجید ایسی کتاب نہیں کہ نہ اس کے سوا کوئی
اسکو بنا لے۔ بلکہ یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی تفصیل ہے۔ اس لیے یہ قرآن مجید خدا کی
طرف سے ہے۔ (یونس علیہ السلام) کیا اختلاف اور نسخ کی حالت میں قرآن اگلی کتابوں کا مشابہت والا کیا جا سکتا
یا تصدیق کرنے والا اور جب مصدق ہے تو نسخ نہیں ہے۔ کیفیت تصدیق کو بھی خدا نے فرمایا کہ تصدیق
فی التوحید ہی نہیں، تصدیق اجماعی نہیں، بلکہ صرف نزول کی تصدیق بھی جہاں بلکہ تصدیق تفصیلی ہے (تفصیل الکتاب)
مُلک و انزلنا الیک الکتاب بالحق صدقاً لما بین یدینہ من الکتاب و مہدیٰ منّا علیہ حتیٰ تم یر
قرآن مجید اتنا راجح حق ہے، اور اگلی کتابوں کا مصدق اور محافظ ہے۔ (ما ملک لہم) تصدیق مسئلہ توحید
خدا نے نہیں فرمایا نہ تصدیق نزول فرمایا، بلکہ تصدیق کتاب فرمایا۔ اگر کوئی اپنی کتاب میں میری اس کتاب کی
مخالفت کرے، اور اسکو صفحہ ہستی سے مٹا ہی دے مگر کسی ایک مسئلہ کی تصدیق کرے، تو اس کی کتاب
میری کتاب کی مصدق یا محافظ کہی جاسکتی ہو، ہرگز نہیں، اسلئے دین اسلام ایک ہی، ہر ایک کتاب
مذہب اسلام ہی لائی، اور ایک دوسرے کی مصدق رہی۔ قرآن کی تعمیم کی تخصیص اگر خود قرآن نہ کرے تو کسی کو
اس کی کیا حق ہو۔ کیا قرآن مجید اگر تورات کے حصہ توحید کا مصدق ہو، اور تورت کا نسخ ہو تو کیا یہ کہنا صحیح
ہوگا کہ قرآن مجید تورت کا محافظ ہے، ہرگز نہیں۔ ہاں اگر تورت کا کما لہ مصدق ہو تو کہا جاسکتا
ہے کہ تورت کا محافظ ہے، تورت کے احکام محفوظ ہو گئے۔

ما اظہرہ برّ ولا القول امام جاء ہم ما لم یات اباہم الاولین کیا انہوں نے

قرآن میں غور نہیں کیا۔ کیا اون کے پاس کوئی ایسی بات آئی جو اون کے اگلوں کو نہ آئی تھی (مؤمنین)
 اس سے زیادہ اور انحصاری تصدیق کیا ہو سکتی ہے۔ صاف خدا نے فرمادیا کہ جو پہلے نازل ہوا تھا
 وہ اب نازل ہوا۔ کوئی نئی بات نہ جب اوتری تھی نہ اب اوتری۔ اس سے صاف کھل گیا کہ سب کا
 دین اسلام واحد تھا، اور سب کے احکام و ہدایات واحد تھے۔ یہ خیال غلط اور بے بنیاد ہے کہ پہلے
 دین اسلام کا دوسرا دین اسلام ناسخ ہوا
 ایمان لائیکو ایک آیت کافی ہے۔ مگر ما الفینا علیہ اباؤنا کے آگے قرآن مجید کی حقانیت کون
 تسلیم کریگا۔

لَا يَرْثُ اللَّهُ لِي سِين لَكُمْ وَيُحْدِيكُمْ سَنَنْ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ خَدَايَ جَاهِتَا هِ كَمْ مِمَّنْ
 اگلوں کے طریقہ کو بیان کرے اور اوسکی ہدایت کرے۔ (النساء) خدا تو یہ چاہتا ہے مگر قوم سمجھتی
 ہے کہ اس میں نیت ہے۔ اگلوں کے طریقہ کے خلاف کرنا عین اسلام ہے۔ خدا نے اگلے طریقوں کو منسوخ
 کر کے نئے طریقہ کا قرآن نازل کیا ہے۔ سنن کا لفظ قابل توجہ ہے عقیدہ توحید کو سنن نہیں کہہ سکتے
 سنن سے مطلب احکام و ہدایت۔ افسوس ہے کہ قوم یہ نہیں سمجھتی کہ قرآن مجید کی حقانیت اور عظمت
 تصدیق میں ہے ترشح میں۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلُ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ مَا يَقْلَلُ لَكَ
 الاما قد قيل للرسول من قبل ذلك۔ قرآن مجید میں ادھر ادھر کس طرف سے باطل آمیزش نہیں پاسکتا،
 یہ خدا کے حکم و حمید کا اوتار اہوا ہے۔ تم سے نہیں کہا جاتا ہے مگر وہ سارا کچھ جو اگلے رسولوں سے کہا گیا
 ہے۔ (حم السجد) ما قد قيل من ما عام ہے۔ اس تعمیم کی تخصیص کسی کو حق نہیں یعنی جو احکام
 و ہدایات اگلے دین اسلام میں دے گئے ہیں، وہی تم کو دے گئے ہیں، کوئی نئی بات تم سے نہیں کہی گئی۔
 چونکہ اس آیت میں خدا قرآن مجید کو فرما رہا ہے کہ اس میں باطل آمیزش نہیں پاسکتا، اس لئے ما قد قيل

جو کچھ اگلوں پر اوتاراجا چکا ہے وہ لوگوں سے بیان کر دے جائیں (الانحل مل) ذکر اور نور وغیرہ
 قرآن مجید ہی کے نام ہیں چونکہ وہ تمام تر نصیحت اور تمام تر نور ہے۔ یہاں بھی ما نزل الیہم میں ما
 عام ہے، تخصیص فرضی اور غیر قطعی ہوگی یعنی قرآن مجید اس لئے نازل کیا گیا کہ جو کچھ بھی آؤزیوں پر نازل ہوا
 وہ بیان کر دے جائیں۔ اس طرح قرآن مجید ساری کتابوں کا مہمیں اور محاط ہے۔ اس آیت نے اوپر کی آیت
 کو بھی واضح کر دیا یعنی ماقذیل کو بھی بتا دیا کہ ماقذیل سے مراد سخت کلامیوں سے نہیں بلکہ ماقذیل
 کے معنی ما نزل الیہم کے ہیں۔ اور کیفیت تصدیق کو بھی واضح کر دیا کہ قرآن مجید کتب ماسبق کا صرف توحید
 میں نہیں، صرف دعوتی من اللہ تو یمنین نہیں، بلکہ ما نزل الیہم میں یعنی ساری کتاب کی مصدق ہے۔
 ۹۔ وهذا کتاب مصدق لسا فاعر دیا۔ اور یہ کتاب توریت کی مصدق ہے عربی زبان میں
 (احقاف مل) قرآن توریت کا مصدق ہے یعنی ساری کتاب کا۔ فرق زبان کا ہے یہ عربی زبان میں ہے۔
 اسی یکا گت کو خدا نے فرمایا ہے وانه لفی خبر بالاولین قرآن مجید ہی اگلی کتابوں میں اوترا تھا۔
 (شعرا۔ آخر کو) کاشل لگی کتابیں قرآن مجید کی طرح اپنی منزل کی صورت میں موجود رہتیں، تو یہ وحدت
 کا البتہ دکھا دیتی تھی۔

چونکہ ایک دین اسلام ہی خدا نے نازل فرمایا، اسی وحدت دین کے سبب خدا نے حکم دیا دلچکہ اہل
 الانجیل بما انزل اللہ فیہ۔ نصاریٰ کو چاہئے کہ وہ بما انزل اللہ حکم دین۔ (مائندہ) اور ہمارا انحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا حکم بینہم بما انزل اللہ۔ اور تم بھی ما نزل اللہ کے مطابق حکم دیتے رہو۔
 (مائندہ مل) اگر بما انزل اللہ میں اختلاف ہوتا، جسکو خدا نے تھانیت کے خلاف فرمایا ہے، تو وہ ہرگز ایسا حکم
 نہ دیتا، اور وہ مختلف احکام کا جاری کرنا وہ پسند نہ کرتا۔ اوس نے یہ فرمایا کہ اہل الانجیل انجیل سے حکم دین،
 کیونکہ موجودہ انجیل تو حدیث میں: اوس منزل انجیل کا تو وجود ہی نہیں رہا۔ اس حکم سے خدا کی غرض
 یہ تھی کہ وہ بما انزل اللہ حکم دینا چاہیں گے تو اختلاف تو پائیں گے نہیں اور یہ ان کے لئے ایمان کا

باعث ہوگا۔ اور انجیل نازل من اللہ پائین گئے نہیں، تو قرآن مجید کے مقابلہ میں اون کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا کہ اون کا حکم با انزال اللہ ہے۔

ایک خدیشہ ہوتا ہے جس کا صاف کر دینا ضرور ہے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید میں علاوہ احکامات و ہدایات کے قصص بھی ہیں، تو کیا یہ قصص بھی اگلے پیغمبروں پر نازل ہوئے تھے۔ ہ

اس کا جواب یہ ہے کہ قصص نہ صرف قصے نہیں ہیں، بلکہ قصوں میں ہدایات و بانی بیان ہوئے ہیں۔ بانی کو واضح اور موثر بنانے کے لئے استعارات، تشبیہات، اور مثالیں مختلف طریقہ پر قصص میں بات یاد دہانے والی، زیادہ دلنشین، اور موثر موجداتی ہے۔ اصل مقصود وہ نتائج ہیں جو قصوں میں بیان کئے جاتے ہیں، مضاف قصہ کہانی مقصود نہیں ہے۔ خود خدا نے بھی فرما دیا ہے۔ وکذا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک وجاءک فی ہذا الحق و موعدة و ذکرہی للہ و منین پیغمبروں کے خبروں میں سے ہر خبر کو کم سے کم بیان کرتے ہیں کہ تمہارے دل کو تسلی دین، اور ان قصوں میں تمہارا پاس حق باتیں، اور موعظت پہنچی، اور مسلمانوں کیلئے یاد دہانی۔ (ہود علیہ السلام) قرآن مجید میں بہترے موعظت و نصائح قصوں میں بیان کر کے موثر و دلپذیر بنائے گئے ہیں۔ قصہ اک روش بیان ہے۔ اصل شے وہ موعظت و نصیحت ہے جو غور و فکر کرنے والے حاصل کرتے ہیں۔ یہ موعظت و نصائح کسی زبان، کسی طرز بیان، اور کسی قصے میں ہی اگلے صحیفہ میں بھی فرمائے گئے ہیں۔ اسلئے قرآن مجید کے قصص میں جو مختصر فرمائی گئی ہیں یہ بھی اور ان نصیحتوں کی مصدق ہیں جو کسی عنوان سے سہی اگلی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں۔ اسی لئے خدا نے فرمایا و ذکرہی للہ و منین مسلمانوں کیلئے یاد دہانی ہے۔ اسی مضمون کو اوس نے اور بھی فرمایا۔ لقد کان فی قصصہم عبرة لا وئی الا لباہ و ما کان حدیثا یفتویٰ و لکن تصدیق الذی بین یدیدہ و تفصیل کل شی و ہدی و رحمة لقوم یومنون بے شک ان قصوں میں عاملوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں، بلکہ یہ اگلی کتابوں کا مصدق ہے، اور تفصیل ہے

ہر چیز کی ماورائے مومن کیلئے ہدایت و رحمت ہو۔ (یوسف علیہ السلام) جو لوگ قصص قرآنی کو کہانی سمجھ کر وہ دھوکے میں رہے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اک کہانی سمجھا گیا تو یوسفؑ نے اپنے جوانوں کے دلوں میں حسن و عشق کی اک نگہ دی پیدا کر دی پھر پیغمبر کا ازاد بن کر کو لو کر تو عوام کو اک بڑی حد تک رخصت ہی دیدی گئی ہے۔ ایسا سمجھنے والے قرآن مجید کے خلاف سمجھے، اور پیغمبر پر تہمت لگائی، اور وہم بہ اولاد ان سب ابرہان سربہ کے معنی اولاد سمجھے۔ اسکے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ اگر خدا کی دلیل نہ دیکھے ہوتے تو ابدادہ بد کرتے یعنی وہ تو خدا کی دلیل دیکھے ہوئے تھے۔ وہ کس طرح ارادہ بد کر سکتے تھے۔ یہ انبیاء کی جماعت تو متصفیٰ جماعت ہے۔ یہ لوگ مخلصین میں ہیں، اور خدا نے الاعباد اللہ المخلصین عباد مخلصین تک شیطان کی دست دہی نہیں شیطان ان میں کیونکر بہکا سکتا اور ازاد بن کر کو لو کر سکتا تھا۔ اور جن لوگوں نے اس قصہ میں موعظت و نصیحت دیکھی، اور سچ بولنے، وفادار رہنے، مستقل رہنے، صابر رہنے، اور خدا کی محبت و اطاعت میں گناہ کے عوض جہل کے مصائب جھیلنے پر اوٹھ کھڑے ہوئے، دل کی ٹھنڈھک پائی، اور مرد کو پہونچے۔ انہوں نے اسکو بھی مشاہدہ کیا کہ خدا طلبی میں خدا بھی ملتا اور دنیا بھی بطور خدا دہ ملتی ہو۔ اور دنیا طلبی میں خدا تو ملتا ہی نہیں اور دنیا بھی خود دم نہ کر ملتی ہے

میں نے قرآن مجید کی متعدد آیاتوں سے دکھایا کہ سب سے بڑے نیکو دین اسلام ہی۔ یہ بھی ثابت کیا کہ کوئی دین کفری نہ کا ناخ نہیں بلکہ مصدق ہوا اور کیفیت تصدیق بھی دکھادی کہ کمالہ مصدق ہوا نہ صرف مسئلہ توحید کی بلکہ ہر کام و ہدایات کی۔ اوس طرح میں نے یہ بھی دکھایا کہ قرآن مجید میں ناخ و مشوخ نہیں بلکہ عقیقہ ہی علیٰ بینہ سب نہیں ہو۔ خدا خود جب کسی آیت کو مشوخ نہ کرے اور نہ کہے تو پھر کسی دوسرے کو کیا حق ہو کہ وہ خدا کی آیت کو مشوخ کرے۔

جب یہ باتیں ہنکشف ہو چکیں تو مناسب ہو کہ دعوت الی اللہ جو ہمارے رسول کا فتنہ الناس نے دی تھی صلی اللہ علیہ وسلم اوس کا غلط پھر سے بلند کیا جائے۔

دعوة الى الله

اے اہل دنیا آؤ۔ ادخلوا فی السلم کافہ۔ دین اسلام میں کل کے کل داخل ہوتے جاؤ۔
 (تقریباً ۱۵ھ) نے کتاب والو! اس کلمہ پر اتفاق کرو جو چاہے تمہارے دیباہ بین کیسان ہر کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی
 عبادت نہ کریں نہ اوس کا کسی شریک ٹھہرائیں، اور نہ اوس کے سوا کسی اپنا مالک بنائیں یعنی کسی دوسرے کے
 کہے پر نہ چلیں۔ تعالوٰی کلمۃ سوائہ بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله ولا نعبد شئاً بہ ولا نتخذ
 بعضنا بعضاً اسباباً من دون الله۔ (ال عمران ۸۵) اور اسی کے ساتھ خدا کی رستی جس کے ذریعہ سے تم
 خدا تک پہنچ رہے ہو یعنی قرآن مجید کو نہ بھٹو نہ گھرو اور آپس میں نہ چھوٹو اور نہ تھمتو نہ ڈالو۔ واحتفظوا بحبل الله
 جميعاً ولا تفرقوا (ال عمران ۱۰۳) قرآن مجید میں سب ہی داخل ہوا ایمان بالقرآن، ایمان بالملائکہ،
 ایمان بالیوم الآخرۃ، تو سب پر ایمان لازم۔ اوس طرح اوس کے ساتھ احکام و ہدایات ہیں، تو سب کی تعمیل کرو
 ہم تم دونوں ہی اسی ایک خدا کے بندے ہیں، اوس کے بنائے ہوئے انسان ہیں، اوس کے آسمان کو
 بنائے، اور اوس کی زمین پر رہنے والے، اور اوس کی روزی کھانے والے ہیں، تو اوس کا کسی کو شریک کیوں کرو۔
 ہماری تمہاری صورت ایک، جنسیت ایک، اقتضائے فطری ایک، ایک قانون قدرت کے گردھے، ایک
 قانون فطرت کے ماتحت ہم تم دو ہو نہیں سکتے، پھر چھوٹ کیوں ڈالو۔ ہمارا تمہارا خدا ایک، ہمارا تمہارا
 رسول ایک۔ ہماری تمہاری کتابیں ایک، اسلئے ہم تو خدا پر اور سب رسولوں پر بلا تفرقہ اور ساری کتابوں
 پر بلا اختلاف ایمان لائے ہیں، تم کسی کا انکار کیوں کرو۔ دیکھو خدا فرماتا ہے یا ایہا المرسل کلوا من الطیبات
 واعملوا الصالحات انی بما تعملون علیم۔ وان هذا صحتکم امة واحدة وانا منکم واثقوا فیکم واثقوا فیکم واثقوا
 اہم ہم بینہم جس جہاں کل غلبہ علیہم فرجوں، رسولو! تمہری چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرتے رہو، تم
 جو کچھ عمل کرتے ہو ہم اوس کے دانا ترین۔ اور یہ امتیں تمہاری ایک امت ہے اور میں تم سب کا خدا ہوں
 تو مجھی سے ڈرو۔ مگر لوگوں نے چھوٹ ڈالکر ہمارے دین ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہر فرقہ اوس دین سے جو اوس کا ہی

خوش ہے (موضوعات ۱۲) اے اہل دنیا! ہم تم ایک امت ہیں، ہمارا تمہارا دین ایک ہے۔
یہ آپس کی پھوٹ نے دین کی اتنی صورتیں قائم کی ہیں، اور تعصبات مذہبی نے جھکڑے اور فساد ڈال کر دنیا
خون خرابہ اور دین کا ستیاناس کیا ہے، اور تم ہم دونوں میں تمہارا دین کے پرانے ہونے، اور زمانے
ہزاروں انقلابات کے بعد بھی تنگ تہمتیں کی ہمسے سے ملتی جلتی ہیں۔ اے لوگو! آؤ اور انصاف
ساتھ آؤ کہ ہم تم آپس کے اختلافات کو دور کریں، اور یہ تعصبی، حق طلبی، اور انصاف سے ان کی صحت کریں جو ایک
ہونا ہے وہ آج کیوں نہ ہو۔ مگر صحت تم کس طرح کر سکتے ہو، تنہ تو کتاب اللہ ضائع کر دی۔ بنیہ رب کو کھو دیا۔
تم تو ان کتابوں پر اباعن جد ایمان رکھتے ہو، اور اس کی حقانیت کے تم مدعی ہوتے ہو مگر وہ کتابیں
میں اللہ جو انکی خود مدعی نہیں ہیں جب کتاب اللہ تمہاری پاس ہی نہیں جس تم ہدایت پاؤ، اپنی کجی کو دور کرو
غلطی و صحت کو جانچو، اور مراد کی سیدھی راہ پاسکو۔ تو آؤ، میرے پاس آؤ، میرے پاس کتاب اللہ جو ان کی
قون موجود ہے جو مدعی ہے کہ ہم کتاب اللہ میں، ہم ہدایت اللہ میں، ہم رحمت اللہ میں، ہم حکمت اللہ میں،
ہم فطرت اللہ میں، ہم نور اللہ میں، ہم کلام اللہ میں، ہم ہی علم کے عقل نے، اور فطرت کے مطابق ہیں۔ ہم باہمی
رہنما ہے پناہوں کی پناہ، اخلاقیات، سعادت، جو دنیاوی، روح کو پاک کر نیوالی اور نجات دلا نیوالی ہم ہیں
اور ہم ہی ہیں۔ آؤ، اور اپنا فیصلہ اسی کتاب اللہ سے طلب کریں، اور اوسے کے آگے سر جھکاؤ۔ ہم کہہ دیتے ہیں
کہ اب نجات یہیں ہے اور کہیں نہیں۔ لوگو! ہم کو غیر نہ سمجھو، عہد و بندہ ہونے میں بھائی ہو، تو عبودیت اور
بندگی میں بھی بھائی ہو جاؤ۔ برادرانہ آؤ، مخلصانہ نگاہ سے دیکھو، فرقوں پر تھوک ڈالو اور شیر و شکر ہو جاؤ
راہنا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ ورنہ یاد رکھو کہ دنیا کی چیزیں
رنگ بدلتی رہتی ہیں ایسی فنائین معدوم نہیں ہو جاتیں۔ تم بھی مگر رنگ بدلو گے معدوم نہ
ہو جاؤ گے۔ ایسا ہے تو یہ بھی یاد رکھو کہ تم اوسے رنگ میں رنگے رہو گے جس رنگ میں تم نے اپنے کو
یمان رنگا ہے۔ ابے دیکھ لو کہ تمہارے ایمان کا کیا رنگ ہے، سو اگلا طوق گلے میں ڈالے، یا مادیات پر

مرتے ہو یا تو ہمت پر اچھین تم چھوڑ جاؤ گے۔ اور تمہاری روح انہیں تعلقات میں پسین ٹھوکر میں کھاتی پھرنگی۔ تو اوپر تم کیون نہم وجہ سے تم چھوڑ سکتے نہ وہ تمہیں چھوڑ سکتا ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم
 احسن من اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ عابدین وہ خدائی رنگ اس کو سازگ بہتر ہوتا سی رنگ میں
 رنگ گنوا اور اسلئے ہمتو اوس کی عبادت کرتے ہیں۔ اوس کی فرمان پذیر میں اوس کا دم بھرتے ہیں۔

فَاْمَنُو بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنَّوْلَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ

مسئلہ (۳)

وحی و نزول کی حقیقت کیا ہے اور اس کا عنوان کیا رہا۔ اور مایوحیٰ اور ما انزل اللہ کیا ہے؟
 وحی کے لغوی معنی القا کے ہیں یعنی دل میں بات کا اوتارنا، تو یہ صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔
 یعنی وحی رحمانی بھی ہوتی ہے اور شیطانی بھی۔ وحی رحمانی جیسے خدا نے جو ایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کی طرف وحی کی و اذا وحیت الی الحواریین (ماٹک لا ملا) یا جیسے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کی مان کی طرف وحی کی و اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (قصص) یعنی یہ وحی رحمانی اولیاؤن
 کو ہوتی ہے جسے العام کہا جاتا ہے۔ اور وحی شیطانی کو خدا نے فرمایا وان الشیاطین لیجوں الی اولیائہم
 شیطان اپنے اولیاؤن کو وحی کرتے رہتے ہیں۔ غرض یہ دونوں وحی القائی ہے کہ دل میں جو
 بات آجاتی ہے وہ صحیح بھی ہوتی ہے، اور غلط بھی۔ وہ اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔

دوسرے وحی کے معنی قرآن مجید میں اقتضائے فطری کے بھی لئے گئے ہیں جیسے مدد کھی کا گھر بنا کر دینا
 اوسکی فطرت کا اقتضا ہے، اسی کو خدا نے فرمایا و اوحی الی النحل ان تمخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر
 تمہارے خدا نے مدد کھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنا کر (نحل ۱۰) یہ اقتضا فطری

بلفظ کن وحی خداوندی ہے۔

تیسری وحی وہ ہے جو نبیوں کو ہوتی ہے تو یہ بھی انہی معنی سے ہے۔ یعنی یہی نہیں۔ القا کے معنی اس میں بھی پایا جانا ضرور ہے اور ہے بھی خدا نے فرمایا: **اِنَّكَ لَمَلٰٓئِیْ الْقُرْاٰنِ عَلِیْمٌ**۔ قرآن مجید خدائے حکیم و علیم کی طرف سے تمکلاً اُنقا کیا جاتا ہے (عمل ۱۷) مگر اس مقام کی شان ہی نرمالی ہے۔ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو القا یا وحی کیا جاتا تھا نزول کے طور پر۔ یعنی قرآن مجید ہی القا کیا گیا اور قرآن مجید ہی وحی کیا گیا اور قرآن مجید ہی نازل کیا گیا۔ اور نزول کی صورت کو خدا نے فرمایا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی آیتیں لیکر آپ کے قلب مبارک پر اوتر آکر تے یا او تارا کرتے تھے **تَزَلُّوْا عَلَی الْقُلُوْبِ** (شعل ۱۷) اور من کان عدو الجبریل فانه نزله علی قلبہ باذن اللہ۔ (بقرہ ۱۷۱) جسے سند آئین آگے بیان کروں گا۔ تو یہی کیفیت نبی کی وحی کی ہوئی۔ خدا نے فرمایا: **اِنَّا نَزَّلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ**۔ **وَنَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحٰیْنَا اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ**۔ سمجھنے قرآن مجید زبان عربی اسلئے نازل کیا کہ تم سمجھو۔ ہم بذریعہ اس کے جو چہنئے تمہاری طرف یہ قرآن وحی پہنچا ہے تم سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔ (یوسف ۱۱۱) اس آیت سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید ہی مایوحی بھی ہے اور ما انزل اللہ بھی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی وحی بذریعہ جبریل ہوتی تھی تاکہ اس میں شیطان دخل نہ پاسکے۔ یعنی یہ القا بذریعہ فرشتہ تھا تاکہ اس میں قطعیت پیدا ہو۔ اور یہ وحی صرف قرآن مجید ہی ہے اور قرآن مجید ہی۔ کیونکہ یہی وحی بطور نزول ہے، اسی میں قطعیت ہے، اسی کی تبلیغ کا حکم دیا گیا، اسی کی نسبت حکم ہوا **فَلْعَلَّکُمْ تَارٰکُ** بعض مایوحی الیک اوس میں سے جو تمہاری طرف وحی کیجاتی ہو کہ میں تم کو چھوڑ دیتا ہوں۔ (ہود ۱۷)

انسان سے خدا اتنی ہی صورت سے کلام کرتا ہے جو اوس نے خود فرمایا ہو۔ ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراہ حجاب او یرسل برسولا فیوحی باذنه ما یشاء۔ کسی آدمی کی یہ تائید نہیں

کہ اللہ اوس سے بات کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ (جسے الہام کہتے ہیں) یا رسول بھیج کر۔ تو اپنے حکم سے جو چاہتا ہو وحی بھیجتا ہے۔ (شوری ۱۷) بشر سے کلام کر نیکی خدا کے تین ہی صورتیں فرمائی ہیں۔ بذریعہ وحی جیسے رسولوں سے خدا نے بات کی ہو یا پس پردہ جسے الہام یا انوار رحمانی کہتے جیسے اولیاء و ان کے خدا نے بات کی ہو یا بذریعہ رسول کہ رسول بھیج کر عام خلق اللہ سے خدا نے بات کی ہو، احکام دئے ہیں، مہدائین دینی رسول کی وحی چونکہ بذریعہ فرشتہ اور محفوظ ہوتی ہو۔ انہیں فرق، عدول، اور اختلاف کی گنجائش نہیں، نہ آمیزش کا خطرہ۔ دوسرے کلام و راہِ حجاب یا انوار رحمانی یعنی الہام میں چونکہ پس پردہ ہوتا ہے وحی شیطانی سے مبسوط و آمیزش ہو نیکی گنجائش ہوتی ہو۔ اسلئے الہام میں غلطی کی گنجائش رہتی ہو، اور اسی لئے الہام غیر قطعی ہو۔ الہام کو وحی رسول کے آگے پیش کر دیا، مطابق ہو جائے تو رحمانی اور قطعی ہو، مطابق نہ ہو تو شیطانی اور مردود ہو۔ الہام رحمانی بھی دین نہیں، دین کامل ہو چکا، مان موید دین کہو تو کہہ سکتے ہو۔ تیسرے خدا نے عام خلق اللہ سے بواسطہ رسول و برسات رسول کلام کیا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ کلام اللہ خدا کا کلام میرے پاس موجود اور میرے سینہ میں محفوظ ہے۔ کیا یہ بے ادبی اور ظلم نہ ہو گا کہ خدا تو ہم سے یوں باتیں کرے، اور ہم دوسروں کے کلام کے اقوال کے، رایوں کے، خیالات کے، اور احکام کو پابند اور دلدادہ ہوں، اور خدا کے کلام کو منتر، مہما، چہستان، مجمل، نامہ، بلحاظ عمل ناقص، ناقابل عمل رکھ دے۔ تو یہ کمرشی اور یہ جرم ہے ناقابل معافی۔

جب تک شاخسانہ نہ ملاؤ، نہ بات میں غرہ، اتنا نہ مسئلہ میں قابلیت کا رنگ چڑھتا ہے۔ اسلئے قوم سمجھتی ہے کہ وحی دو قسم کی ہو، وحی جلی، اور وحی خفی۔ وحی جلی قرآن مجید ہو اور وحی خفی حدیث۔ تقسیم علی بغیہ رب نہیں ہو۔ ایسی کوئی تقسیم قرآن مجید میں نہیں ہو یہ شاخسانہ کھڑے کئے گئے ہیں، اور احکام و ہدایات کو گھٹانے بڑھانے کا آلہ ایجاد کیا گیا ہو، یا تاج و زین اللہ کی راہیں نکالی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہو کہ قرآن وحی جلی ہے، اور اسکو حضرت جبرئیل ہمیشہ وحی خفی کی صورت میں لائے۔ کہا جاتا ہو کہ حدیث وحی خفی ہو، اور نہایت

کیا جاتا ہو اکثر حدیثوں ہی کا جلی طور پر آنا۔ حضرت جبریل نے علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی بادی بنے، اور انکی تعلیم کی ہوئی باتیں جو جلی تر بیان کیجاتی ہیں، زانو سے زانو لکروہ قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ حضرت جبریل کبھی اعرابی کی صورت میں آئے اور کبھی وحی کی صورت میں، اور اس جلی طور پر جو کچھ وہ تعلیم کر گئے وہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ قرآن مجید سے کہیں اون کے امام ہونے اور بادی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت جبریل قاصد تھے، مکتوب الیہ سے درجہ میں کمتر۔ وہ پیام رسان تھے مطلوب سے منزلت میں فروتر۔ وہ کچھ اختیار نہ رکھتے تھے، اختیار کے برابر نہیں ہو سکتے، اونکی کرسی نبی کے مقابلہ میں نہیں بچھ سکتی، خلیفۃ اللہ کا تاج اونکے سر پر زیب نہیں دیتا۔ فرشتہ نبی کا امام ہونہیں سکتا۔ خدا بادی تھا، خدا قرآن مجید کا اپنے قرب سے نازل کر نہوا لاکھا کہ انک التلوق القرآن من لدن حکیم علیم۔ بیشک قرآن مجید تمکو انفا کیا جاتا ہو خدا کے حکیم و علیم کے قرب سے۔ (الغزل) حضرت جبریل صرف نزول کے واسطہ تھے۔ نہ امام تھے، نہ بادی تھے، نہ مشیر تھے، نہ بھائی تھے، نہ خود کوئی حکم یا رائے دے سکتے تھے، نہ احکام خداوندی کو کم و بیش کر سکتے تھے۔

دوسری تقسیم یہ ہے کہ وحی کی دو قسم ہے۔ وحی متلو، اور وحی غیر متلو۔ وحی متلو قرآن مجید ہے، جسکو حضرت جبریل نے پڑھکر سنایا۔ اور وحی غیر متلو حدیث ہے جسکو حضرت جبریل نے پڑھکر نہ سنایا، تو یہ منزل نہوا باکہ اسکو الہام کہو۔ اور الہام کو اوپر من نے بیان کیا ہو کہ وہ غیر قطعی ہو وہ نہ تو وحی منزل کا مخالف ہو سکتا ہو، نہ اسکو کم و بیش کرنے والا۔ اور چونکہ قرآن مجید اس تقسیم کی حمایت میں کرتا، اور اسکی کوئی آیت پیش نہیں کیجا سکتی، اسلئے یہ تقسیم علی بنیہ رب نہیں ہو۔ وحی منزل کی تقسیم قرآن کی قطعیت کو کھودینے والی ہے۔

قرآن مجید میں مباحی اور ماحول اللہ جو بتایا گیا ہو جسکے مطابق حکم دینے کا حکم ہو، اور جسکے خلاف نہ ہو، کی تہدید اور حد حسب ذیل ہے۔

ما انزل اللہ کی آیتیں

۱۔ انزل التوراة والانجیل من قبل ہدی للناس وانزل الفرقان۔ لوگوں کی ہدایت کیلئے پہلے توریت وانجیل نازل کی تھی، اور اب قرآن مجید نازل کیا ہے۔ (ال عمران ۱) اب کتاب منزلہ قرآن مجید جس نے موجودہ توریت وانجیل کی باطل آمیز شون کو نکال کر اعلان اسلام کیا ہے، اسی لئے قرآن مجید کا نام فرقان بھی ہے۔ یعنی قرآن مجید ما انزل اللہ ہے۔

۲۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی للناس۔ ماہ رمضان ایسا مبارک ہے کہ اس میں ساری دنیا کے لوگوں کی ہدایت کیلئے قرآن مجید نازل کیا گیا۔ (بقرہ ۱۸۵) یعنی قرآن مجید ما انزل اللہ ہے، اور ہادی ہے۔

۳۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ اے رسول ما انزل اللہ (قرآن مجید) کی تبلیغ کرو، اگر تم نے یہ نہ کیا تو رسالت ہی پوری نہ کی (مالک ۱) خدمت رسالت قرآن مجید کی تبلیغ تھی اور بس۔ جو آپ نے کی، اور بلا فرق گذاشت کی۔ یہ رسول پر تہمت ہے کہ قرآن مجید میں بہتری آیتیں نسخ کر کے ضائع کی گئی ہیں کچھ آیتیں قرآن میں داخل نہیں ہیں اور ترک التاویہ میں یعنی او کی تبلیغ رہ گئی، کچھ آیتیں منزل نہیں ہیں کچھ آیتیں مشتبہ ہیں یعنی بعض کتابان وحی کے قرآن میں نہ تھیں۔ حاشا ایسا نہیں۔ خدمت رسالت بلا فرق گذاشت کامل طور پر انجام دی گئی ہے بذریعہ کتابت بھی، بذریعہ حفاظ بھی۔ اور حکم تبلیغ میں کوئی قید نزول حلی اور نزول خفی کی عین ہے۔ اگر غفلت خفی در خفی ہی نازل ہونا مگر نازل ہونا واجب بھی ما انزل میں داخل ہوتا، اور اسکی تبلیغ بھی قرآن مجید کی طرح لازم ہوتی۔ مگر تبلیغ قرآن مجید کے سوا اور کسی کتاب کی کی نہیں گئی۔ صحاح کی بھی نہیں کیوں کہ ما انزل قرآن مجید کے سوا اور کچھ تھا ہی نہیں۔ اسے لوگوں کو فرق مراتب ضرور ہے۔

۴۔ واخا قیل لہم آمنوا بما انزل اللہ۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ

ما انزل اللہ پر (بقرہ ۱۷۵) اور واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل اللہ۔ اور جب اون سے کہا جاتا ہو کہ ما انزل اللہ کی اطاعت کرو۔ (بقرہ ۱۷۵) تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کیلئے اور اتباع کیلئے قرآن مجید پیش کیا جاتا تھا۔ نہ اور کوئی کتاب تھی نہ پیش کی جاتی تھی۔ یعنی یہی قرآن مجید ہے، ایمان میں داخل۔ اور اسی کی اطاعت کے ہم مامور ہیں۔

ما انزل اللہ ہی ایمان میں داخل ہو امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون ۵ رسول اور مومنین اوس پر ایمان لائے جو خدا نے اونکی طرف نازل فرمائی۔ (بقرہ ۲۱۷) اور یہی قرآن مامور بہ ایمان ہے۔ قل یا منت بما انزل اللہ من کتاب۔ کہدو کہ جو خدا نے ہم پر کتاب اور ناری ہر ہم اور پر ایمان لائے (شوریٰ ۱) اسی قرآن سے حکم دینے کا حکم ہے۔ فاحکم بینہم بما انزل اللہ۔ لوگون میں حکم قرآن مجید سے دیتے ہو (مائتہ ۵)

اسی قرآن کے حکم کی اتباع فرض ہے۔ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم۔ اور کسی دوسرے کی اتباع ممنوع۔ ولا تتبعوا من دونه اولیاء۔ خدا کی طرف سے جو تم پر اوتار آگیا ہو اسکی اتباع کرو، اور اوسکے ماسوا اور رفیقوں کی اتباع نہ کرو۔ (اعراف ۱۷۵) اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید ہی تبلیغ کیا گیا، یہی مامور بہ ایمان ہو ایسی مامور بہ اتباع ہو جیسے اسکی اطاعت کا حکم ہو ویسے ہی اسکے سوا اور ون کی اتباع ممنوع۔ یہ خدا کا حکم ہے تو اسکو بھولنا نہ چاہئے۔

۱۷۵۔ ہذا کتب انزلہ مبلوہ فاتبعوہ۔ یہ قرآن ہو کہ ہم نے اسکو نازل کیا، برکت والا ہو تو اسپر چلو۔ (انعام ۱۷۵) جس کتاب کی اتباع کو کہا گیا اگر قرآن کے سوا اور بھی کوئی کتاب ہوتی تو کتب جمع کا لفظ ہوتا، اور انزلہ میں ضمیر واحد کی نہ ہوتی۔ خدا نے نہایت صاف اور واضح فرمادیا کہ قرآن مجید ہی نازل ہوا ہے۔ اسکے ساتھ حدیث یا فقہ کی کوئی کتاب منزل نہیں ہے۔

۱۷۶۔ ما انزلنا علیک القرآن للشفی۔ اسیلئے ہم نے تم پر قرآن نازل فرمایا کہ تم شفقت

اوتھاؤ۔ (طہ مل) اب تو شک نہ رہا ہو گا کہ قرآن مجید ہی نازل ہوا۔ اسکے سوا اور کوئی کتاب نہیں۔ نہ نزول جلی کے طور پر، نہ نزول خفی کے طور پر۔

ملک فان كنت في شك منها انزلنا اليك فاسئلوا الذين يقرءون الكتاب من قبلك۔
پھر جو پہنے نازل کیا اس میں تم کو شک ہو تو اودن سے پوچھو جو اگلی کتابوں کو پڑھتے ہیں (یونس مل)
وہ بتائیں گے کہ نزول یوں ہی ہوا کرتا ہے۔

ملک واذكر النعمة الله عليكم وما انزل عليكم من الكتاب والحكمة يعظكم به۔ یاد کرو خدا کی
نعمت کو جو تم پر ہو اور اوس کتاب و حکمت کو جو اوس نے تم پر نازل کیا ہے جس سے وہ تم کو نصیحت کرتا
ہے۔ (بقرہ ۱۲۹) خدا نے کتاب و حکمت نازل فرمایا۔ تو جس اس طرف دلانا ہے کہ کتاب و حکمت جو ان جو ان
خدا نے فرمایا ہے اوس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے اور حکمت سے حدیث۔ اور
چونکہ کتاب سے حکمت کا درجہ افضل ہے اسلئے قرآن سے حدیث کو افضل بھی کہو۔ اسی لئے مراد لینا
اکثر خطرناک ہوتا ہے چونکہ وہ غیر قطعی ہوتا ہے۔ مراد کیوں نہ خدا نے فرمایا کہ کتاب و حکمت اوس نے
نازل کی۔ اور یہ ثابت کیا گیا اور قرآن مجید کی آیتیں دی گئیں کہ اوس نے نازل کیا صرف قرآن۔ تو
نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب و حکمت ایک ہی ہے جو منزل من اللہ ہے۔ داؤد تفسیر ہے۔ قرآن مجید ہی کو کتاب
کہا اور اوس کو حکمت۔ اوس سے وہ نصیحت کرتا ہے۔ اسی لئے بد ضمیمہ واحد کی لایا ہے۔ قرآن مجید
کے بہتیرے نام ہیں۔ قرآن مجید، فرقان، حکمت، ذکر، نور۔ ما انزل اللہ۔ مایوسحی۔ واقعی قرآن
مجید حکمت ہی بھی، اور حکمت بھی ایسی جس کا جواب ناممکن۔ ظاہر ظاہر دیکھو جب بھی سلسلہ نجات ہی
اور صراطِ مستقیم وہی، عقل پر اور قانونِ فطرت پر تو واجب بھی ہر ایک مسئلہ وہی تخلیق کا جو عین حقیقت ہے۔
اسلئے حکمت قرآن مجید کا نام ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا۔ ان الذی فرض علیہم القرآن۔ قرآن
مجید ہی فرض کیا گیا۔ اب چاہے اسکے ساتھ اور کتاب کو بھی فرض کر دو۔ یا قرآن کی فرضیت کو

کسی دوسری کتاب سے مثلاً، یا کم و بیش کرو۔ مگر فرض کیا گیا ہے صرف قرآن ہی۔

اس ثبوت میں کہ قرآن مجید ہی نازل کیا گیا، بہتری آیتیں ہیں۔ قرآن مجید اس سے بھرا ہوا ہے اور آیتیں دینی فضول اور طوالت لایعنی ہیں۔ اسکے سوا قوم یہ تو تسلیم کرتی ہو کہ ما انزل اللہ قرآن مجید ہی ہو، مگر مایوحیٰ میں شاخسلنے کھڑی کرتی ہیں۔ اسلئے مایوحیٰ کی آیتوں کی طرف توجہ کرو۔

مایوحیٰ کی آیتیں

قبل اسکے کہ میں مایوحیٰ کے متعلق آیتیں دوں، اس عامۃ الوروذ خدشہ کو رفع کر دینا مقدم سمجھتا ہوں جسکی وجہ سے قوم نے قرآن مجید کے سوا بھی مایوحیٰ مانا ہے، اور حدیث کو وحی خفی مانتی ہے، اور ایسا ماننے سے وہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم پر فعلیات تارک بعض مایوحی الیاء۔ اس میں سے جو تمہاری طرف وحی کیجاتی ہو کہ میں تم کچھ چوڑ نہ بیٹھو۔ (ہود ۱۱) کا الزام لگانے میں بے باک ہو گئی ہے۔ کیونکہ حدیث کے اجتماع اور اسکی تبلیغ کا آپ نے کوئی اہتمام نہ کیا، اور نہ اسکی تبلیغ فرمائی۔ وہ خدشہ سورہ نجم والی اس آیت سے پیدا کیا گیا ہے۔ وما ینطق عن الہوی ان ہوا لا وحی یوحی (رسول تو خواہش نفسانی سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ بولتے تھے وہ وحی تھی کیونکہ نطق کا لفظ موجود ہے۔

میری سمجھ میں آیت کے یہ معنی نہیں ہیں جو مشہور ہیں۔

دیکھو خدا فرماتا ہے۔ والنجم اذا ہویٰ ہ ما ضل صاحبکم وما غویٰ ہ وما ینطق عن الہویٰ ہ ان ہوا لا وحی یوحیٰ ہ علما شدید القویٰ ہ ذوا قہا فاستویٰ ہ وهو بالافتی الاعلیٰ ہ ثم دنیٰ ہ قد ثیٰ ہ حکان قاب قوسین او ادنیٰ ہ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ ہ قسم ہ اوس تارے کی جبکہ گرسے تمہارا رفیق یعنی پیغمبر نہ بھکا نہ بھکا، اور نہ بولتا ہے خواہش نفسانی سے۔ بلکہ وہ تو وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے۔ اسکو سکھایا ہے شدید القویٰ (جبریل) نے تو وہ پورا نظر آیا، دران حالیکہ وہ آسمان کے اونچے کنارے

پر تھا۔ وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا، یہاں تک کہ فاصلہ رگھو یاد و کمان کے برابر آیا اس سے بھی کم۔
تو اللہ نے وحی بھیجی اپنے بندے کی جانب جو کچھ وحی بھیجی۔ (النجم ۱۷) وحی کی صورت بھی خدا نے نزول
کی سی فرمائی ہے۔ ہاں اس بیان میں کچھ کیفیت نزول کی وضاحت زیادہ ہے، اور وہ حضرت جبریل کے
دیکھنے کے متعلق ہے۔

لفظ نطق سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ لفظ کے معنی بولنے ہی کے نہیں، بغیر بولنے بھی جو سمجھا جائے،
اوسکو بھی نطق کہتے ہیں اچیسے خدا نے فرمایا۔ ہذا کتابنا نطق علیکم بالحق۔ یہ ہماری کتاب ہے جو
تم سے سچ ہی بولتی ہے۔ (حاشیہ ۱۷)۔

وحی کی نسبت یہ آیت جو میں نے لکھی ہے غور و فکر کرینیکی ہے۔ اکہین وحی و نزول کی کیفیت کو خدا نے
ظاہر فرمایا ہے۔ کہ اولاً حضرت جبریل بلندی آسمان پر نظر آیا کرتے تھے اور پھر قریب اور قریب تر ہو کر
خدا کی وحی کو آپ کے قلب مقدس پر نازل کیا کرتے تھے۔ یہی شان وحی کی تھی، یہی شان نزول کی
اسلئے وما ینطق عن الہوئی قرآن مجید کے متعلق ہے کہ وہ قرآن مجید خواہش نفسانی سے نہیں
بولتے۔ ان ہوالا وحی یوحیٰ میں ہو کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ تو وحی خداوندی ہے۔
مطلب صاف ہے کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید دل سے گڑا حکم نہیں فرماتے بلکہ وہ تو خدا کی
وحی اور نزل ہے۔ علمائے بھی یہی بیان کئے ہیں اور ہو کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع کی ہے۔ اکہین
کلام نہیں۔ اور جن لوگوں نے النجم سے قرآن مجید کو سمجھا ہے اور اوسکی آیتوں کے نزول کو دیکھا ہے
اور اس سے والنجم اذا ہوا زیادہ واضح ہو جاتا ہے تو اس صورت میں ہو کی ضمیر قرآن مجید کی طرف
راجع ہے، اور اس صورت میں صاف معنی وہی ہیں جو بیان ہوئے۔ اگر ہو کی ضمیر نطق نبی کی طرف
راجع کر دیا جائے تو نتیجہ واحد ہے کیونکہ آپ کا لفظ یا آپ کا قول جو دین میں اپنے فرمایا قرآن مجید ہی
ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ انہ لقول رسول کریم وما ہو بقول شاعر قلیل ما تو منون ولا

بقول کاہن قلیلہ ماتا تکرو دن تنزیل من سرب العلمین بے شک یہ قرآن رسول بزرگ کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں مگر اس پر یقین کرنے والے تھوڑے ہیں، اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے، مگر اس پر غور کرنے والے تھوڑے ہیں۔ ہاں وہ ایسا قول رسول ہے جو خدا کا نازل فرمودہ ہے۔ (حافظ علیہ السلام) قول رسول یا نطق رسول جو کہو، تو سہی، کہ رسول کی زبان سے بولا گیا مگر منزل من اللہ ہے۔ رسول مجازاً اسکے قائل ہیں جیسے ماں باپ مجازاً خالق ہیں۔ اس لئے نہ ہر قول منزل ہے، نہ ہر نطق وحی۔

وما یطق عن الہویٰ خدا نے کافروں کے اس قول کی تردید فرمائی ہے جو وہ قرآن مجید کو قول شاعر اور قول کاہن کہتے تھے تو خدا نے فرمایا کہ نہیں وہ کچھ خواہش نفسانی سے نہیں بول رہے ہیں بلکہ وہ تو وحی خداوندی ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ معاملات خانگی کی باتیں بھی جو بیوی بچوں سے ہو کر تیری تھیں وہ سب وحی تھیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ کے قول منزل اور قول غیر منزل میں کچھ فرق نہیں رہتا اور آپ نے فرق فرمایا کہ قول منزل کیلئے کاتبان وحی الگ تھے جو لکھا کرتے تھے اور حفاظ الگ تھے جو یاد کر لیا کرتے تھے۔

اگر شدید القویٰ جبریل کا نام ہے تو علمہ شدید القویٰ اسی معنی کا موبد ہے کہ ما یطق عن الہویٰ خدا قرآن مجید ہی کو فرما رہا ہے کیونکہ جو کچھ رات دن آپ تکم فرماتے تھے سبک حامل جبریل نہ تھے۔ خدا نے ما یطق کو صاف بھی کر دیا کہ آپ کا وہ نطق وحی خداوندی ہے جسکے حامل شدید القویٰ حضرت جبریل تھے یعنی قرآن مجید۔ قرآن مجید تو کہیں بھی اس معنی کی حمایت نہیں کرتا کہ آپ کا ہر نطق وحی ہے، اسوائے اس نطق کے جسکے شان میں علمہ شدید القویٰ ہے۔ مثلاً مفصلہ ذیل آیتیں قابل توجہ ہیں۔

عفا اللہ عنک لما ذنت لہم۔ خدا نے تم سے درگزر کیا۔ تم نے ادھن کیوں اجازت دیدی تھی (توبہ ۱۰) اگر آپ کا اجازت دینا از روے وحی تھا تو اس درگزر کے کیا معنی۔ شان خداوندی سے کیا یہ بعید تر ہو گا کہ خود تو وحی بھیجے، اور پھر اسے غلطی اور چوک قرار دے، اور پھر آپ سے آپ درگزر بھی فرماوے۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل الله لک وابتغی مرضات امری واجبات۔ اسے نبی تم کیون حرام کرتے ہو جسکو خدا نے حلال کیا ہو۔ تم اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو (تحريم ۱۱) اگر آپ کا کسی حلال چیز کے کبھی نہ کھانے کی قسم کھالینا جیسا کہ مابعد کی آیت سے ظاہر ہے، ناجائز اور حلال کو حرام کرنے کے برابر تھا جسکو خدا نے بتا دیا، تو کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہو کہ خدا خود ہی یہ وحی بھیجے کہ فلاں چیز نہ کھانے کی قسم کھاؤ اور پھر خود ہی معترض ہو کہ حلال کو حرام کیون کرو، اور پھر خود ہی قسم توڑ دینے کو کہ۔ تو جسکی وحی اس قسم کی ہو اوسکی وحی کا کیا اعتبار۔ اسلئے آپ کا ہر نطق وحی نہیں ہو۔ آپ سے انسانی اقوال اور انسانی افعال سرزد ہوتے تھے۔ اس میں عیب کیا ہوا، اور کمرشان کیا ہوئی۔ انسان تو وحی جس سے انسانی افعال سرزد ہوں۔ عبس و تولی ان جاءہ الامی۔ تیوری چڑھائی اس سے کہ اوس کے پاس تائینا آیا (عبس) اگر تیوری چڑھائی از روے وحی تھی تو اس اعتراض کے کیا معنی۔ کیا یہ شان خداوندی ہے کہ خود ہی تو حکم دے، اور تعمیل حکم کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہو اور الزام لگا کر اسے دو سرے کے سر تھوپے۔ اسلئے آپ کا ہر قول، اور آپ کا ہر انسانی کام، وحی مندر نہ تھا۔ بلکہ وحی منزل قرآن مجید ہے۔ ہاں جس طرح مدد کھی کا گھر بنانا اوس کا اقتضائے فطری ہو۔ اور یہ بھی اک قسم کی وحی ربانی بلا و سرائے جبرئیل ہو۔ تو نبیوں کا اقتضائے فطری بھی وحی غیر منزل کہا جاسکتا ہو۔ مگر جس کا اقتضائے فطری جو ہو اوسکے ساتھ وہی مخصوص ہو سکتا ہو۔ دو فطرت جبکہ اقتضائے فطری مختلف مقادیر ہو ایک دوسرے کی پابند نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے تو انسان میں سے رسول بھیجے گئے، ورنہ فرشتوں میں سے رسول نہ آئے ہوتے۔ اس میں کون شک کر سکتا ہو کہ آپ کا اقتضائے فطری اعلیٰ و ارفع ہو نبوت کا انتخاب تو اسی اصول پر ہوتا ہی ہے۔

مخبرین تو اس سے انکار کر نہیں سکتے اکیونکہ حدیث بھی اسی معنی کی موید ہے کہ آپ کا ہر نطق وحی نہیں۔ مثلاً

حدیث - انا نبشراذ الامر تکم بشئ من امر دینک فخذ ولا واذ الامر تکم بشئ من امر ائی فاعنا نبشرا - جزا میں نیست کہ ہم بھی بشر ہیں جب ہم تکو کسی امر دین میں حکم دین تو تم اور سکو قبول کر لو۔ اور جب ہم تکو کسی چیز کی نسبت اپنی رائے سے حکم دین تو ہم بھی بشر ہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر دین میں آپ کا حکم واجب التعمیل ہے۔ اور دین میں آپ حکم بالقرآن ہی دیا کرتے تھے۔ کیونکہ حکم تھا فاحکم بینہم بما ازل اللہ۔ حکم قرآن سے دیا کرو۔ اگر آپ کا ہر نطق وحی ہوتا تو سب امر دین ہوتا، اور آپ یہ فرماتے کہ ”جب ہم اپنی رائے سے حکم دین تو ہم بھی بشر ہی ہیں۔“

حدیث - اما ظننت ظنا ولا تو اخذونی بالظن ولكن اذا احد انتکم عن الله شیئا فخذوا به فانی لہ اذن علی اللہ۔ ہم بھی وہم وگمان کیا کرتے ہیں تو اس سے بحث نہ کرو اور اس پر ہمو ملزم نہ ٹھہراؤ۔ ہاں جو کوئی بات ہم خدا کی طرف سے کہیں (یعنی قرآن مجید) تو اس سے مضبوط دھرو لو کیونکہ ہمیں کبھی بھی خدا پر جھوٹ نہیں آندھا۔ آپ نے صاف قرآن و حدیث کا فرق بتا دیا۔ قرآن مجید جو خدا کی طرف سے آپ نے فرمایا اس کے دھریے کی تاکید فرمائی۔ اور اپنے وہم وگمان کو بجائے وحی حق یا وحی غیر منسلو فرمائیکے اوس سے بحث نہ کر نیکو فرمایا۔

اسکویون بھی دیکھو کہ آپ کامون میں اور رلڑائیوں میں مشورہ بھی فرماتے تھے، پھر اپنی رائے کی جگہ دوسروں کی رائے کو بھی قبول فرماتے تھے۔ حکم خداوندی بھی تھا و مشاور ہم فی الامر لوگون سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر ایسا بھی ہوا کہ آپ اپنے حکم کو اٹھایا بھی ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ آپ مشورہ دیا ہے اور صحابہ نے اٹھایا بھی دیا ہے۔ جیسے حضرت زید کو فرمایا تھا امسک علیک زوجک۔ طلاق دو کہ اونہوں نے طلاق دیدی۔ اسلئے حق ہی ہے کہ ماینطق عن الہوی قرآن مجید ہی ہے۔

اگر اس پر بھی کوئی یہ تسلیم نہ کرے اور یہی سمجھے کہ آپ کی سب باتیں وحی تھیں کیونکہ بچنے سے ہی سنتا آیا ہے، تو یہی نہیں کہ وہ ان اصحاب پر جنہوں نے مشورہ نہ مانا کفر کا الزام لگاتا ہے، بلکہ وہ نبی مہصوم

صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی مقتضی ہے کہ آپ اپنی سب باتوں کو قرآن مجید کی طرح دے گئے، لکھوانے گئے، یاد نہ کر گئے، اور ان کے محفوظ رکھنے کا کوئی سامان ہی نہ کیا۔ اس سے آپ پر ترک وحی کا الزام آتا ہے جو انہیں سکھاتا، اور اس آیت کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ فلعلاک تارک بعض مایوحی الیک۔ کہیں کوئی وحی تم پر نہ پہنچے۔ (ہود ۱۰۷) اور ایسا الزام آپ کی شان رسالت سے بعید ہے، اور قرآن مجید کو بھی مشکوک بنا دینے والا۔ نہ آپ نے اپنی باتوں کو لکھوایا، نہ گھروالوں نے خانگی باتیں لکھیں، نہ صحابہ نے ساری زندگی کی باتوں سے کتب خانہ مرتب کیا، لگاتار وحی تبلیغ سے رہ گئی، اور ممکن ہے کہ ایسی وحی جو رہ گئی ہو قرآن کی بھی ناسخ ہو، کیونکہ حدیث قرآن کی ناسخ بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اہل اسلام نہ اہل کتاب ہی رہتے نہ مسلمان ہی۔ بلاشبہ یہ تفسیر بالکل صحیح ہے کہ ما یمنطق عن الہوی قرآن مجید ہے اب مفسر ذیل آیتیں پیش کی جاتی ہیں کہ قرآن مجید ہی مایوحی ہے۔ اور خود نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سارے اصحاب اعتراض سے بری ہیں کسی پر اعتراض نہیں آتا۔

۱۔ اوحی الیٰ ہذا القرآن کائن رکھ بد ومن یبلغ۔ میری طرف یہ قرآن مجید ہی وحی کیا گیا تاکہ اسکے ذریعہ سے تم مکوڑا دین اور انکو بھی حکم دے قرآن پہنچے۔ (الانعام ۱۱۲) اس سے زیادہ صاف اور واضح آیت اور کوئی چاہئے۔ قرآن مجید ہی وحی ہے۔ آپ نے ایسی تبلیغ فرمائی اور اسی سے تنذیر ہے۔ ۲۔ قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرّما علی طاعم یطعمہ الا ان یتکون میتة الح۔ اے رسول! کہہ دو کہ کسی چیز کے کھانے والے پر جو اسے کھائے مردار وغیرہ وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز ہم اوسمیں حرام نہیں پاتے جو ہماری طرف وحی کی گئی ہے۔ (الانعام ۱۱۵) اگر مایوحی قرآن مجید ہی نہ تھا تو اور کوئی وحی خفی کی کتاب تھی جس میں آپ حرام تلاش فرماتے تھے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام کرنے کا خدا کے سوا اور کوئی مجاز بھی نہیں۔ پھر قرآن مجید سے فاضل جو کسی چیز کی حرمت بیان کی جائے تو وہ حرام نہ ہوگی، اور فاضل چیزوں کا حرام کرنا نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ خود

آپ حرام کو قرآن مجید میں تلاش فرماتے تھے۔ اپنی رائے سے کسی چیز کو حرام نہ فرماتے تھے بلکہ قرآن مجید سے احکام خداوندی کی تبلیغ فرماتے تھے۔ فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر۔

۱۱۱ اتبع ما اوحى اليك من ربك۔ خدا کی طرف سے جو تم پر وحی کی گئی ہو اس کی اتباع کرو (العام) تمہارے قرآن مجید کے سوا اور کس کی اتباع کی جسکو مایوسی سمجھا جائے۔ کیا حدیث کی بھی! ۱۱۲ اتل ما اوحى اليك من كتاب ربك۔ خدا کی طرف سے جو تم پر وحی کی گئی ہو اس کی تلاوت کیا کرو (کھف ۱۸) وحی کیا تھی اور آپ کی تلاوت فرماتے رہے کیا قرآن کے ساتھ حدیث کی بھی۔

۱۱۳ كذالك امرسلناك في امة قد خلت من قبلها اھم لتتلوا عليهم الذی اوحینا الیک۔ اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت میں بھیجا کہ ان سے پہلے بہت امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہو انکو پڑھ کر سناؤ۔ (سعد ۳۵) تو قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب تھی کہ ان جو پڑھ کر سنائی جاتی، نہ وحی جلی کی، نہ وحی خفی کی، آپ اس حکم کے بموجب قرآن مجید ہی سناتے، اور اسی کی تبلیغ فرماتے تھے پھر قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب وحی تسلیم ہو سکتی ہو۔ قرآن مجید کے سوا کسی فاضل مایوسی کا پتہ قرآن مجید میں تو نہیں ملتا۔

۱۱۴ ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک۔ اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہو اسے اوٹھائے جائیں۔ (نبی اسر ایمل ۱۸) جیسے اور کتب منزل کو وہ اوٹھائے گیا۔ اگر اوحینا نے خدا کا مطلب قرآن ہی سے نہیں ہو تو کس وحی کو بشر مامیت اوٹھالینے کو کہا۔

۱۱۵ فاستمسك بالذی اوحى الیک وانك علی صراط مستقیم طوانہ لن کر لك ولقوا وسوف تستلونہ تمسک اوس سے پکڑو جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہو (یعنی قرآن سے) بیشک تم صراط مستقیم پر ہو۔ اور بیشک یہ قرآن تمہارے لئے اور تمہاری قوم کیلئے نصیحت ہو۔ اور عنقریب تم جو آپ طلب کئے جاؤ گے۔ (زہر خراف ۱۸) تم سے ضرور جواب طلب کیا جائیگا کہ تم قرآن مجید کے احکام اور نصیحتوں پر

چلیا انسانیا رایون پر۔ تمسے جواب طلب کیا جائیگا کہ تم قرآن مجید ہی سے تمسک پکڑتے رہے
یا علماء و مشائخ کی تصنیفوں سے۔ افسوس کہ قوم خدا کے حضور اسکا جواب نہ دے سکیگی۔ کیونکہ اس نے
قرآن مجید کو اس کے تفصیل کے دعوے کے خلاف مجمل، ناکافی، اور تمسک پکڑنے کے قابل سمجھا، اور
انسانی رایون، مباحثوں، اور طب و یا بس ذخیروں سے جیسے اختلافات کی چاشنی ہو تمسک
پکڑنے لگی ہو۔ بلکہ اگر کوئی قرآن مجید ہی سے تمسک پکڑے تو وہ کافر و مرتد کہلائے، اور لوگ اس سے
ڈرتے ہیں۔ یعنی کافر قرآن بنو تو بنو مگر کافر علماء بنو۔ مسلمانوں! خود بدولت نبی معصوم صلی اللہ علیہ
وسلم نے قرآن کے سوا کس چیز سے تمسک پکڑا۔ اسوقت نہ صحاح کی کتابیں تھیں، نہ فقہ کی کتابیں
اگر آپ قرآن مجید ہی سے تمسک نہ فرماتے تو لا اجد فی ما اوحی الی۔ جو آیت اوپر بیان ہوئی
نفرماتے۔ ہاں آج تو آزادی ہو، اپنا منہ، اپنی زبان ہی جس کسی کو جو کچھ چاہو کافر و مرتد بنا بھلا کر لو
مگر اکیڈن آئیگا کہ اس آیت کی نسبت بھی باز پرس ضرور ہوگی۔ اسوقت نفس پرستی کے اختلافات کا
قیصلہ ہو جائیگا۔

۱۔ ان الذی فرض علیہ القرآن المراد اعلیٰ - ۱۔ بیشک جس خدا نے تم پر قرآن مجید کو فرض
کیا وہ یا القوم و معاذ کی طرف مملو لٹا یا نکا۔ (قصص ۵۹) اگر قرآن مجید کے سوا اور بھی کوئی وحی خداوندی
ہوتی تو وہ فرض کر دی جاتی مگر چونکہ وحی قرآن مجید ہی ہے اسلئے یہی فرض کیا گیا۔ نہ حدیث فرض ہوئی نہ فقہ
پھر حدیث کس طرح قرآن کو منسوخ کر سکتی ہو۔ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے لانے والے اور اس کے
بہتر سمجھنے والے تھے آپ کس طرح اس کے ایک نقطہ کو بھی نسخ فرماتے۔ اور اپنا تبلیغ کیا ہوا آپ مٹاتے۔
خدا نے اس طرح سے ہوش دلایا ہو۔ اولہ یلفہم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیہم۔ کیا لوگوں کو یہ
کافی نہیں کہ ہم نے تم پر قرآن مجید اوتا را جو اونکو سنایا جاتا ہو۔ (عنکوت ۱۷) ہاں تو تم کو یہ کافی نہیں۔
قرآن مجید یا محتاج دین کو کافی نہیں سمجھا جاتا، اسکو انسانی کتاب درکار ہی جتنے مصنفین کو وہ موجود تھا ہو

ہے۔ توجب شرک فی الحکم میں مبتلا ہوئی تو جس حال کو نہ پہونچے۔

افسوس کہ خدا کے بندوں کی نسبت اپنے خدا سے اپنے خدا کے کلام سے ٹوٹ گئی ہو۔ اوس سے ہدایت پانکی راہ مسدود کی گئی ہو۔ یا تو تلاوت نہیں، یا اوس میں تدبیر و فکر نہیں۔ اخلاقیات برون القرآن اہم علی قلوب اطفالہا۔ کیا وہ قرآن مجید میں تدبیر نہیں کرتے۔ کیا اودن کے دنوں پر فضل میں (محد) استحکام حال ہو گیا ہو۔ خیر آج تو چون توں کٹ جائیگا اور اپنی سی ہر کوئی کہہ لیگا کہ نتیجہ ما الفینا علیہ اباؤنا۔ بہتو اوس ہی روش پر چلین گے جیسے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ (بقرة ۱۷۷) مگر کل باز پرس کے دن جو ناگزیر آئینوالا ہے میری فریاد سنی جائے، نہ سنی جائے، میں کون، مگر نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فریاد کا کیا جواب دیا جائیگا۔ وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ہذا القرآن مہجوسا۔ رسول کہیں گے کہ اس میرے خدا میری قوم نے اس قرآن کو بیکو اس ٹھہرایا تھا۔ (فرقان ۱۷) اگر کچھ جواب ہو تو آج دے لو۔ مثال ہوا لاء القوم لا یفکادون لیفقہضون حدیثا۔ اس قوم کو کیا ہو گیا کہ یہ بات نہیں سمجھتی (انشاء) اس قوم، ہر امت سے کتاب اللہ کی نسبت باز پرس ہوگی کل امت تدعی الی کتابہا۔ جانشینہ۔ یہی کتاب اللہ تو حجت ایزدی ہو، اسی کو توبیش ہونا ہو۔ اس آیت میں کتاب سے نامہ اعمال مراد لینا مراد مفروضہ غیر قطعی ہو اگر نامہ اعمال مراد ہوتا تو کل امت کیون ہوتا۔ نامہ اعمال تو ہر ایک کا ہر ایک کے ہاتھ میں ہوگا جیسا کہ کہا گیا ہو۔ ان ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائیگی کہ دیکھو حکم یہ اور کر تویہ۔ امت کا لفظ صریح معنی کو ظاہر کر رہا ہو پھر مراد کیون لو۔ اور خدا کی اس دنیا کی تنبیہ کو اوس دنیا پر اوتھا رکھنے کی کیا ضرورت۔

اے خدا! اپنی امت کا صدقہ ایسا تو نہ کیجیو کہ باز پرس کے دن ہر کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمناک ہو جائے، اور آپ کی اس فریاد میں کہ قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا ہمارا نام بھی ہو۔ ورنہ ہم بے پناہ ہو جائیں گے۔ اے پناہ دینے والے! اپنے کرمی و رحیمی کا صدقہ واجب تو نے ہر کو پر کلام پاک میں

پناہ دیا ہر توبے پناہ نگر۔ اسے دل کی گلی بچھائی ہوئے! اپنا نور تمام عالم میں پھیلا دے، اپنا وعدہ پورا کرے
اپنی بشارتیں ظاہر کرے، اسلام کا بول بالا کرے میری التجا سن لے، میری دعا قبول کرے کہ پرستش اعمال کے
دن جب تیرا سوال ہمارے ایمان سے ہو تو ہم تجھی کو دیکھیں، ہمارے ہادی اور امام سے ہو تو ہم فی معصوم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑیں، اور جب ہمارے اعمال سے ہو تو ہم تیرا کلام مقدس اپنے سینہ سے نکال کے
پیش کر دیں، اور نامہ اعمال کی جگہ یہی تیرا قرآن ہمارے ہاتھ میں دیا جائے جس میں تیری شریعت ہے،
جس میں تیری طریقت ہے، جس میں تیری روحانیت ہے، اور تیری حقیقت تک رسائی ہے۔ اسے محیط و منہج
جب تو نے اپنے قرآن پاک کے نور میں ڈھانپا ہے تو اب ماسوا کی تاریکی میں نہ بھیج۔

سو دفعہ اور سو جان سے قربان اپنے پیارے رسول کے صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے ہلکوں کو زندگی سے
گود میں اٹھایا، جنگی بدولت ہلکوں کو خدا کا کلام ملا، خدا کا نور ملا، خدا کی راہ ملی، اور خدا ملا۔ ورنہ کہاں
ہم اور کہاں خدا کا کلام۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

مسئلہ (۴)

بعد اسکے کہ احکام و ہدایت کی راہ بذریعہ وحی و نزول کھوئی گئی، دین الہی میں حکم خدا ہی کا واجب
الانتعیل ہے یا کسی اور کا بھی؟

اسکے نسبت فرمان خداوندی حسبِ قیل ہے

مَلَا اتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ الْبَیْکُمْ مِنْ دَکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِیَاءَ۔ اتباع کرو قرآن مجید کی اور نہ اتباع
کرو خدا کے سوا اور رفیقوں کی۔ (اعراف ملاء) بہت صریح اور صاف حکم ہے۔ قرآن مجید ہی ما انزل اللہ

ہے تو اسی کی پیروی کرو اسکے سوا اور کسی کی نہیں۔

۱۱۱۱ الاحکام - آگاہ رہو حکم خدا ہی کیلئے ہو۔ (الاعلام ۱) یہ انحصار ہو اور بلا قید نہ اس دنیا کی قید نہ اس دنیا کی۔ اوس کی خدائی اس دنیا میں بھی اور اوس دنیا میں بھی۔ دین بھی خدا نے تو اوس میں حکم دینے کا دوسرا کوئی مجاز ہی کس طرح ہو سکتا ہے۔

۱۱۱۲ ولہ الاحکام والیہ ترجعون - حکم اوس کیلئے ہے اور اوس کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔ (قصص ۲۹) یعنی تم کو اوس کے حضور میں حاضر ہونا ہو، تم سے شرک فی الحکم کی نسبت باز پرس ہوگی۔

۱۱۱۳ واصلو حکم ربکم فانکم باعیننا - تم میرے حکم خداوندی کے منتظر ہو تو میری آنکھوں کے سامنے ہو۔ (طوس ۱۱) جب حکم دینے کی ضرورت ہو تو تم میرے حکم کے منتظر رہو، بوقت ضرورت ہم تم کو اپنے حکم سے آگاہ کرتے ہیں گے۔ آپ اپنی طرف سے حکم نہ دیتے تھے، بلکہ حکم خداوندی کے منتظر رہا کرتے تھے، جو حکم آیا وہ پوچھا دیا یہی شان رسالت تھی۔ مگر قوم نے خدا اور رسول کے حکم میں بٹوارہ کیا اور خدا کا حصہ اور رسول کا حصہ۔ اور اس درجہ دین میں اضافہ کیا کہ اسکی صورت ہی وہ نہ رہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی۔ اس اضافہ کے ذمہ وار ہمارے رسول نہیں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱۱۴ لا یشرک فی حکمہ احدا - خدا اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ (کہف ۲۶) پھر جو کوئی حکم خداوندی کو جمل مان کر اوس کے حکم میں کسی کو شریک کرے تو وہ شرک فی الحکم میں مبتلا ہو۔ اور غیرت کبر بانی اسکی مقتضی نہیں کہ اوس کے حکم میں کوئی بھی شریک ہو۔

۱۱۱۵ افکم الجاہلیہ بیغونہ ومن احسن من اللہ حکما القوم یوقنون - کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں، اسی خدا سے بہتر حکم کہہ دے اور اوس قوم کیلئے جو ایمان رکھتی ہو کون ہو (مائدہ ۷۸) افسوس کہ قوم نے خدا سے بہتر حکم دینے والا جو نہایت واضح اور تفصیل سے حکم دے، سیکڑوں اپنے لئے ٹھارہا ہے۔ جاہلیت کا زمانہ پھر لوٹ آیا۔ سچ ہے۔ تذاک الدیام ند اولہا بین الناس۔

۱۱۳ افعیہ اللہ اتبعی حکما و هو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلاً۔ کیا خدا کے سوا کوئی دوسرا حکم دینے والا ہم تلاش کریں، اچھی وہ تو خدا ہی جو جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری (انعام ۱۱۳) کتاب خدا نے مفصل اتاری، مگر قوم نے اسے تحمل قرار دیکر ٹھیکہ چھپھیکا، کتب اللہ صریح طور پر ہے۔ اور اپنا مفصل حکم دینے والا اس نے ماسویٰ اللہ کو بنا رکھا ہے۔ یا تو تاریخ و اخبار کو، یا اسلامی سلطنت کے ملکی قانون کو، روحانی احکامات و ہدایات ربانی تو گئے گزرے ہوئے، اور ملکی جگہ رسومات و بدعات نے لٹی ہوئی۔ افسوس اس دیدہ دلیری پر۔

۱۱۴ للہ الاصر من قبل ومن بعد۔ حکم خدا ہی کیلئے ہے پہلے کچھ سب (الروم ۱۱۴) تو نبیوں میں بھی، انزل میں بھی، اہل میں بھی، آج بھی کہ اس نے احکام بھیجے، اور کل بھی کہ وہ جزا دیکھا۔ واقعی خدا وہ، احکام الحاکمین وہ، اور اس کے سوا حکم نہ۔ مگر مشکل یہ پڑی ہے کہ اس کا حکم محض تحمل اور متعلق ہے، دوسرے علوم کا محتاج، بغیر دستار بندی کے بھیجے میں نہیں آئیگا، اس لئے وہ بیکار اور ناقابل عمل قرار سمجھا جاتا ہے، پھر اس کی جگہ کیوں نہ علماء کے فرمان سمجھو، جتنے ہاتھ میں کفر و اسلام کی ہر اور حسبت و جہنم کی کنجیاں ہیں۔ اور خدا کے ہاتھ میں کیا رکھا ہے۔ رسول مصوم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوت قرآن مجید کی طرف دیتے تھے۔ اور قرآن مجید کے حکم کو کافی سمجھا کر اس کی تبلیغ فرماتے تھے۔ آج دعوت الی الحدیث وقفہ دی جاتی ہے جو مصنفہ فلاں ابن فلاں ہیں، آپس میں نبی کی قبولیت کی ہر اور نہ قرون اولیٰ کی شہادت، نہ یہ خدا کی نازل فرمودہ، نہ رسول کی تصنیف کردہ، مگر زمین میں داخل بلکہ عین زمین ہو گئی ہیں۔ اور یہ کھلی کھلی باعزت ہے۔

۱۱۵ قل انی علی بینۃ من ربی و کذبتم بہ و ما عندی ما تستعجلون بہ طائۃ الحکمۃ الا للہ یقض الحق و هو خیر الفاصلین۔ کہہ دے رسول کہ میں تو خدا کی روشنی و دلیل پر ہوں (یعنی میری روشنی قرآن مجید پر) اور تم نے اس کو ٹھٹھایا تو وہ خدا پر میرے پاس نہیں ہے جس کی تم جلدی مچا رہے ہو، خدا کے سوا کسی کا حکم نہیں، وہی حق بات بیان کرتا ہے، اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الفصل ۱۱۵)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن پر چلین اور اسکو روشن دلیل راہ فرمیں، اور وہ ہکو دھندھلا
نظر آئے، بالکل مجمل، خدا کی شان۔ افسوس یہاں حال ہم مسلمان ہیں اور کلمہ خیرامۃ کے خطاب کے
مستحق۔ اور انعام اسلامی کے دعویٰ دار۔ اللہ اللہ کیا دنیا پلٹی چرب زبانی کا جلوہ دیکھو کہ خدا پرستی کا نام
کفر والحاد رکھا گیا، اور فس پرستی، ماہو پرستی، علم پرستی، اور پیر پرستی کا نام رکھا گیا خدا پرستی۔ حالانکہ خدا
کے سوا ساری پرستشیں بت پرستی کی جلوہ آرائیاں ہیں۔ کل یوم ہونی شان۔

اے خدا! اسلام کا پرچم پھر سے کھول دے کہ تیرے بندے تیری کتاب سے دور پڑ گئے ہیں۔ اور تیرے
خاتم الرسل کی امت تیری خاتم الکتاب سے منہ پھیر بیٹھی ہو جس سے اسکی دس دنیا کی راہ دھندھلکی
میں پڑ گئی ہے۔ اے خدا! اگر تو انکا پرسان حال نہ ہوگا تو تیرے پیارے نبی کی امت دنیا سے معروم
ہو جائیگی، اور تیری مقدس کتاب افسوں و عملیات ہی کتاب ہو کر رہ جائیگی۔ جب مسلمان ہی ہونگے
تو اسلام بھی نہ ہوگا، اور دنیا بے چراغ ہو جائیگی۔

فامضوا باللہ ورسولہ والنور الذی اوتلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

نہ اہلہ الا اللہ

مسئلہ (۵)

جو کوئی بجا انزال اللہ حکم نہ دے تو اسکے لئے کوئی تہدید بھی ہر یا نہیں؟

خداوند تعالیٰ و تبارک نے قرآن مجید نازل فرما کے رسول مہموم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ فاحکم
بینہم بما انزل اللہ۔ لوگون کو قرآن مجید سے حکم دیا کرو۔ (مائتہ ۱۷) یہ تو حکم ہوا بجا انزل اللہ حکم
دینے کا۔ اور بجا انزل اللہ حکم نہ دینے کی تہدید خداوند عالم نے قرآن مجید میں تین جگہ فرمائی ہے۔

لَا يَحْكُمُ بِمَا نَزَّلَ اللَّهُ فَالَّذِينَ هُمْ أَظْلَمُونَ هُوَ كَوْنُهُ بِمَا نَزَّلَ اللَّهُ حُكْمًا لَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ (مائتہ ۱۷)

متعلق ہو اور قرآن کے خلاف یا فاضل پائی جائے اوسکی نسبت آپ کی طرف صحیح نہ ہوگی، اور ایسا بہت پایا جاتا ہے۔
 اہل ہم شریعت کو مشرعو العجم من الدین عالم یادن بہ اللہ۔ کیا لوگوں کیلئے خدا کے شریک ہیں کہ انہوں نے
 ان کیلئے دین کی شریعت بنا دی جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ (الشوریٰ ۱۱) خدا کے حکم سے باہر کوئی شریعت
 بنائے گا مجاز نہیں۔ مسلمانوں! خدا کے حضور میں اسکا جواب دو کہ موجودہ شریعت اسلام قرآن سے ہو یا حدیث،
 یا علما کی رایوں سے۔ یہ ایت یاد رکھنے کی ہے، تاکہ قوم کا ایمان کامل ہو کہ قرآن مجید کے سوا کوئی شریعت
 قائم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

غرض حکم خدا ہی کا حکم، اور تعمیل کامل تر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیل، کہ قدم نہ ذرا ادھر ہوا نہ
 او دھر، کیونکہ وہ مجسم خلیفۃ اللہ تھے، سرِ پادشہ اللہ تھے، ظاہر بین انسان کامل، تکمیل انسانی کی غایت،
 باطن میں رسول اللہ مودوحی و نزول۔ قوم نے خدا و رسول کے حکم میں تفرقہ کیا ہو اور اسی طرح خدا و رسول
 کی اطاعت میں بھی، لیکن ایسا نہیں ہو، آپ ہی حکم دیتے تھے جو خدا حکم دیتا تھا، آپ کا اور خدا کا دو حکم
 نہیں ہو ایک ہی حکم ہو، اسی طرح خدا و رسول کے حکم کی دو اطاعت نہیں ہو ایک اطاعت ہو، من یطع
 الرسول فقد اطاع اللہ اس سے واضح ہوا کہ اطاعت رسول سنت نہیں بلکہ فرض ہے، اور
 وہ اطاعت قرآن مجید کی ہو۔

فاصتوبوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

کالہ الا اللہ

سئلہ (۶)

اگر اطاعت ما انزل اللہ یعنی قرآن مجید ہی فرض ہو تو اطاعت رسول کے معنی کیا ہیں۔ اور
 من حیث رسالت رسول معصوم علی اللہ علیہ وسلم کی کوئی منزلت ہے؟

اطاعت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مفصلہ ذیل آیتوں پر توجہ کرو۔

۱۱۱ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں پیار کرے گا۔ (ال عمران ۴۴)

۱۱۲ ما کان لمومن ولا مومنہ اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان ینکون لہم الخیرۃ من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضلّ ذللاً لم یبیناھ کسی مومن یا مومنہ کو یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر خیر اور نیکیلئے ٹھہرا دے پھر بھی اونکو اپنے کام کا اختیار رہے۔ تو جس کسی نے خدا و رسول کی نافرمانی کی وہ سخت گمراہی میں پڑ گیا۔ (احزاب ۳۵)

۱۱۳ ما اتیکم الرسول فخذوا ولا مافیکم عنہ فانتھوا۔ جو کچھ رسول تمکو دین وہ لے لو نہ مین نہ لو۔ (حشر ۱۱)

۱۱۴ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی (النساء ۵۹)
علیٰ ہذا رسول کی اطاعت اور رسول کو راضی رکھنے کی سخت تاکید میں اور آپ کو ناراض کرنے کو اپچی عدول حکمی کی سخت سخت حائلتیں آئی ہیں بے شک جو ان حکموں کی نافرمانی کرے وہ گردن زدنی جہنمی ہے۔ اسی طرح بہتری آیتیں آپ کی عظمت و جلالت اور آپ کی تعظیم و توقیر کے متعلق ہیں صرف یہی نہیں بلکہ ہم بندوں پر خدا کے ساتھ ساتھ رسول کی محبت بھی فرض کی گئی ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہر قل ان کان اباءکم وابناءکم واکھوانکم وانر واکھم وعتیائکم واموالکم فترفقوھا ویتجارھا فحقشون کساھا ومسلکن ترضونها احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فترضوا حتی یاتی اللہ باصلہ۔ کہہ دے رسول کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہاری برادری، مال جو تمہنے کمائے ہیں، تجارت جسکے منہ پڑ جائے گا تم خوف کرتے ہو، اور جو عیالیاں جنکو تم پسند کرتے ہو، یہ سب چیزیں اگر تمکو خدا اور رسول اور انوسکی راہ میں مجاہدہ کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو

منتظر ہو یا شک کہ خدا اپنا حکم یعنی عذاب بھیجے۔ (توبہ ۳)

اب دیکھو مسلمان کس حال میں ہیں۔ خدا اور رسول اور مجاہدہ کی محبت جو کل ماسوے سے بڑھ کر فرض کی گئی ہے اس کی حقیقت یہ ہو کہ روپے، پیسے، رشوت، بے ایمانی، غرور، تشخص، رسوم، آبائی روش وغیرہ وغیرہ کے عوض حق پیچیدیا جاتا ہو، اور ڈھٹائی سے نافرمانی کی جاتی ہو، لیکن اگر کوئی حق دکھائے قرآن سے تمسک پکڑے احادیث کی چہان بین کرے، چاہنے کے مقرر کردہ شرائط میں اختلاف کرے، اگر کوئی اوسی اسلام کو قبول کرنا اور شائع کرنا چاہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، یعنی اگر وہ داخل صواب دینہم للہ کی تعمیل کرے تو اوپر کفر کا فتویٰ ہونے میں کچھ وقفہ نہ ہوگا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں اون آیتوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اطاعت کے متعلق اوپر لکھی گئی ہیں۔ ان آیتوں میں تیسری آیت ما ایتکم الرسول انخر کو مجھے پھر چھاد دینا ہے کہ آیت کے معنی اطاعت صحاح کے غلط سمجھے گئے ہیں۔ یہ آیت تقسیم غنیمت کے متعلق ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ والی آیت مال غنیمت کو تقسیم کر رہی ہو۔ یہ اوسی آیت کا ٹکڑہ ہے ما ایتکم الرسول فخذوا یعنی رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت میں سے جو ہاتھ اٹھا کر تمہیں دیدیں وہ لے لو اور دین نہ لو، کسی طرح کم و بیش کے خیال سے دل میں ناواضی نہ پیدا کرو کہ یہ شان محبت کے خلاف ہوگا، جو مفروضہ خداوندی ہے۔ یہ توصات اور صریح آیت مال غنیمت کے متعلق ہیں، اس سے صحاح مراد لینا آیت کو فسخ کرنا ہے۔

باقی تینوں آیتیں اور ان کے سوا اور بہتیری آیتیں آپ کی اطاعت کے متعلق ہیں آپ کی اطاعت سے کون انکار کر سکتا ہو۔ وما اس سلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ یعنی رسول اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ حکم خدا اطاعت کئے جائیں (النساء ۵۸) یہ تو فرض ہے اور اس تاکید سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ بغیر رسول کی اطاعت کئے جانے کے رسالت کی تبلیغ مکمل ناممکن ہے، اور بندوبستی

نجات محال۔ جس نے اپنی اطاعت نہ کی، اوس نے خدا کی اطاعت نہ کی، وہ احاطہ قرآن سے باہر نکلا، وہ جہنمی ہے۔ بارگاہ خداوندی کام دور ہے جس کی کہیں پناہ نہیں۔

لیکن دیکھنا یہ ہر کہ اطاعت رسول کے معنی کیا ہیں۔ ایا اطاعت رسالت یعنی قرآن کے یا اطاعت حدیث کے۔ وہ کونسی اطاعت ہے جسے خدا نے فرض کر دی ہے جس کے بغیر نجات ناممکن ہے۔

مثال سے بات ذرا زیادہ واضح ہو جاتی ہے، اور یہ قرآن مجید کی روش بھی ہوا سئلے اسے میں پہلے مثال میں واضح کروں تو نامناسب نہ ہوگا

مثلاً۔ بادشاہ جو والی یا خلیفہ مقرر کرتا ہے تو اوسکا کام ہوتا ہے کہ بادشاہی قانون پہنچا دے، اور کوشش کرے کہ قانون شاہی بہ احسن وجوہ جاری ہو۔ خود بھی اوسکا معمول اور پابند ہوتا کہ کوئی قانون شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔ مگر ان ہوا کہ رعایا قانون کی خلاف ورزی کر کے فساد نہ مچائے اور باغی نہ ہو جائے۔ نہ شاہی قانون کو توڑے، نہ کسی اور کو اپنا بادشاہ تسلیم کرے۔ اور رعایا کو چاہئے کہ اگر والی منصف اور سہمدار رہے تو اوسکی عظمت کرے، اوس سے محبت کرے، اوسکی اطاعت کرے، جو اطاعت کا حق ہے، تاکہ وفادار رعایا میں داخل ہو کر انعام و اکرام کا مستحق ہو۔ والی یا خلیفہ کی اطاعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے، اور اوسکی بغاوت بادشاہ کی بغاوت۔ مگر اس طاعت کے معنی قانون و احکام شاہی میں اطاعت کے ہیں، نہ یہ کہ والی کی ہر حرکت رعایا کیلئے قانون ہو جائے، کہ جو والی یا خلیفہ کھائے وہ یہ کھائے، پیئے وہ یہ کھائے۔ جو وہ پیئے وہ یہ پیئے جیسی اوسکی ماند و بود ہو ویسی ہی اسکی بھی، رسومات شادی و بیاہ، رسومات ملکی و قومی، جس طرح وہ ادا کرے یہ بھی ادا کرے، جو عادات یا رسوم کم و زنج او سکے ہوں وہی اسکے بھی، جو مزاج یا خوش کلامیاں وہ اپنے گھروں میں اپنے اعزہ و احباب سے کرے اور سب کو رعایا قانون شاہی سمجھ کے اطاعت کرے، تو اطاعت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے۔

بس اسی طرح سمجھ کر خدا کو تو کوئی دیکھتا نہیں جسکی یہ ساری خدائی ہر پھر اس کے بندے اور سکی
 رضا و حکم سے کیونکر آگاہ ہوں اور کس طرح اس کے حکم کی اطاعت کریں، اس لئے رسول یا کئے، تو رسول
 کی ذات اقدس اس دنیا میں خدا کے والی و خلیفہ یا گورنر کی ہو۔ اگر اطاعت کے یہ معنی ہوں کہ قانون
 الہی کے علاوہ آپکی ساری باتوں کی اطاعت کی جائے جو مثلاً اوپر بیان ہوئیں تو اطیعوا الرسول
 کے احاطہ کے اندر ہر مسلمان پر یکہ سے مدینہ ہجرت کرنی، وہ بھی اونٹ پر، اور غارتو زمین قیام کے بعد،
 پھر قبا میں اک مسجد بنانی، سر پہچنا، جہاد کرنا، وہ بھی توپ بندوق اور ہوائی جہاز سے نہیں کہ یہ خلاف
 سنت ہوگا، بلکہ تیر و تلوار سے فرض ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ بجائے نجر اور اونٹ کے ریل پر چڑھنا، ٹیلیفون
 اور تار برقی استعمال کرنا، بجائے سونے کے دسترخوان پر کھانا حرام ہو جائیگا، اور اطیعوا الرسول
 کے خلاف ہوگا غرض ہی کھانا، وہی پہنا، وہی اوڑھنا، اور سارے رسومات قومی و ملکی
 فرض ہو جائیں گے، اور اس کے خلاف عمل فسق ہو جائیگا۔ یہاں تک کہ باقر خانی، بریانی، زردہ،
 شیشہ کا کلاس اور برف، اور سارے معاجین و ادویات خلاف سنت ہو کر حرام ہو جائیں گے۔
 اگر اطیعوا الرسول کے یہ معنی سمجھے جائیں تو خدا کی یہ غرض نہیں۔ اور ایسی صورت میں کہ آپ کے کل
 اقوال و افعال، کل حرکات و سکنات، بحفاظت تمام قطعی طور پر پہنچے نہیں اطیعوا الرسول کی
 تعمیل محال ہو جائیگی، اور حکم ناقابل التعمیل ہو جائیگا۔ اگر اطیعوا الرسول کے یہ معنی ہوں تو خود
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہم پرمان باپ سے زیادہ شفیق تھے، اپنے کل اقوال و افعال کو قرآن
 مجید کی طرح لکھوا جانا، اور بذریعہ حفاظ اشاعت کرنا، لازم ہو جائیگا، تاکہ آپکی امت اطیعوا الرسول
 کی نافرمان نہ ہو سکے۔ اگر آپ قرطاس ہی لئے طلب فرماتے ہوں، اور نہ لکھو اسکے، تو صحابہ، خلفاء،
 اہل بیت اور کل مخلصین مسلمانوں کو، فتوحات سے بڑھ کر ضروری اور لازم تھا کہ آپ کے اقوال و
 افعال کو جمع کر لیں، اور آپ کے حرکات و سکنات کو قلم بند کریں، جسکے لئے ایک جج کا زمانہ کافی تھا۔

تاکر خود بھی اور سارے مسلمان بھی اطیعوا الرسول کے نافرمان نہ بن سکیں۔ مگر کسی نے جمع نہ کیا۔ اگر اطیعوا الرسول کے ہی معنی ہیں تو اس کا مطیع کوئی بھی نہ ملیگا۔ کیونکہ آپ کی مقدس زندگی کے سارے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات نہ پہلے کسی کو پہنچے ہوئے تھے، نہ اب پہنچے ہوئے ہیں۔ تو پھر اطاعت رسول کہنے کی اور کون کر سکتا ہے۔ اگر اطاعت رسول کے یہ معنی ہوتے جو لوگ سمجھتے ہیں تو صحابہ اس سوال میں بے باک نہوتے کہ یا رسول اللہ یہ حکم آپ کا ہو یا خدا کا۔ اور ایسے حال میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کبھی حضرت نوبت کو طلاق نہ دیتے، دران حالیکہ نبی فرما رہے تھے امسلاً علیہ نہ رجعت۔ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ (احزاب)

اسکے سوا ہر پیغمبر نے فرمایا فاتقوا اللہ واطیعوا (خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) یہ اطاعت رسالت یعنی کتاب اللہ کی تھی سچے قوم نے یہ نہ سمجھا اور اطیعوا کی پیروی حدیث میں جمع کر کے کی۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ تو غائب ہو گئی اور حدیث کی کتاب بگئی۔ جو حال موجودہ تو ریت و انجیل کا ہے۔

جو جو بات بالاطاعت رسول میں سارے اقوال و افعال اور رسومات ملکی و قومی داخل نہیں، اگر یہ ناممکن التعمیل ہے۔ اور اس سے سارے صحابہ، خلفاء راشدین، اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سب کی اطاعت کھوٹی ہو جاتی ہے، اور دنیا میں آج تک کسی کامل مسلمان کا وجود نہ ملیگا۔ اور اس آیت کا مطیع ایک بھی نہ نکلیگا۔

اگر اطاعت رسول کے معنی حدیث ہی کے لو۔ تو اسکو آپ نے جمع نہ کرایا، نہ اسکی تبلیغ کی، نہ اسکی تبلیغ کا کوئی اہتمام کیا، نہ اسکو آپ نے لکھوایا، نہ اسکی اشاعت فرمائی، نہ گھر باہر کے ہر ایک قول و فعل کے وقت مسلمانوں کی جماعت بلوائی کہ وہ اسکو محفوظ کر لے، بلکہ اسکے لکھے جانے کی مخالفت فرمائی، اور ہدایت قرآنی کے مطابق مخالفت فرمائی، جس کی حقیقت حدیث کے بیان میں واضح

کیجاہنگی۔ حدیث کی کتابین نہ رسول کی مصنفہ ہیں نہ آپ کا دیا ہوا قانون، بلکہ یہ تو تاریخ و اخبار مصنفہ
فلان ابن فلان ہو، جس کے آپ ذمہ واد نہیں۔ پھر تحقیق و طریقہ پیمان ہیں بنی بر عقیدت ہو جسکی تحت
کوئی وحی نہیں کرتی۔ نہ مصنفین پر ایمان لانا دین میں داخل ہو نہ اوکی تصنیف ہی دین و ایمان میں
داخل۔ پھر یہ کتابین قبل از وجود کس طرح احاطہ اطیعوا الرسول کے اندر آسکتی ہیں۔ اگر ان کتابوں کو
اخبار و تاریخ ہی سمجھا اور ان سے سو طرح کے فوائد حاصل کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، مگر انکو
دین میں داخل کر کے اضافہ فی الدین کیوں کرو، انکو قطعاً رسول کی طرف منسوب کر کے خطرناک روش
کیوں اختیار کرو، ان پر عقائد و احکام کی بنائیں تو قائم کرو۔ انکو بغیر سند قرآنی و تفسیر و نسخ قرآن کیوں
قرار دو۔ کیا ایسی حدیث کا جو موضوع ہو یا جس میں ذرا بھی شبہ ہو رسول کے ساتھ منسوب کرنا حدیث
ہی کے رو سے خطرناک نہیں ہے، اور کیا یہ خطرناک راہ نہ چلی گئی۔ فاتح قرآنہ (قیامہ ص ۱۷)
بوجہ بات بالا یہ کھلی کھلی بات ہو کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے معنی اطاعت رسالت یعنی
قرآن کے ہیں۔ یہی اطاعت خدا کے بھیجے ہوئے اور رسول کے لائے ہوئے قرآن کی ہو، اور یہی
ایک اطاعت دونوں کی اطاعت ہو۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت
کی اوس نے خدا کی اطاعت کی۔ (النساء ص ۱۱) اسی لئے ہر جگہ خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی
اطاعت کو خدا نے فرمایا ہے۔ یہی سمجھا تھا خود رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، اور یہی سمجھا تھا
مسلمانوں نے بھی جب تو مال عنہت میں ایک ہی خمس نکالا گیا، اور فرمان تھا، فان للہ
خمسۃ وللہ رسول۔ خدا کو بت بنائے اوسکا حصہ الگ نہ نکالا گیا۔ خدا اور رسول کی پکار ایک
پکار ہے، خدا اور رسول کی اطاعت ایک اطاعت ہو۔ ظاہر میں رسول بلا تے ہیں، حقیقت میں
خدا بلا تا ہے۔ خدا نے فرمایا۔ اتبع ما انزل اللہ الیک۔ اور اتبعوا ما انزل الیکم یعنی اسے رسول
اور اسے مسلمانوں قرآن کی اتباع کرو۔ ایک ہی دعوت ہو جو خدا نے دی اور رسول صلعم نے پونچائی

خدا ایسا ہی جو حقیقت و مجاز دونوں کو ساتھ ساتھ لئے جاتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا استجبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ مومنوا! حکم بالوہد او رسول کا جب وہ تمکو ایسے کام کی طرف بلائے جو تمکو زندگی بخشتا ہے۔ (انفعال) لما یحییکم نے واضح کر دیا کہ جب رسول روحانی زندگی بخشنے کو یعنی دین کی طرف یا دینی امور کی طرف بلائیں تو اسکو سر آنکھوں پر قبول کر لو۔ یعنی اطاعت و اتباع دینی امور میں فرض ہے جو زندگی بخشنے والا ہو، نہ ملکی اور قومی رسومات میں۔ جب ہی خدا نے فرمایا۔ ان الذین فرض علیک القرآن۔ خدا نے صرف قرآن ہی فرض کیا۔ اور کوئی انسانی تصنیف کی ہوئی کتاب نہ فرض کی اور نہ اس سے قرآن فرض کیوہ کہ منسوخ ہو نہ کہ بتایا۔ اسی لئے رسول مہموم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن مجید ہی تبلیغ فرمایا۔ تبلیغ دین میں جسکو خود رسول مہموم صلی اللہ علیہ وسلم نے داخل نہ کیا اسکو بلا حمایت وحی خداوندی داخل کرنا ایسا حقیقہ ہے جو نہ رسول کا تھا نہ خلفاء کا، نہ صحابہ کا۔

قرآن مجید میں دو الفاظ آؤں میں اطاعت اور اتباع، اتباع کے معنی پیروی کے ہیں۔ تو قرآن مجید میں اتنے اتباع کو خدا نے فرمایا ہے۔ اتباع ذکر۔ اتباع مایوحی۔ اتباع ما انزل اللہ۔ اتباع ہدایۃ اللہ۔ اتباع حق۔ اتباع نور منزل۔ اتباع صراط یقیم۔ اتباع دین اللہ۔ اتباع رضوان اللہ۔ اتباع بالمعروف۔ اتباع ملتہ ابراہیم۔ اتباع رسول و اتباع مہمیین۔ اتباع قرآن۔ اس میں تدریج و تفکر کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ ساری اتباع بہ الفاظ مختلف قرآن مجید ہی کی اتباع ہے۔

غرض اتباع و اطاعت ایک ہی۔ اطاعت فرمان کی ہوتی ہو، اور دین میں فرمان رسول صلعم قرآن مجید ہی ہے جو منزل من اللہ ہے جیسا خدا نے فرمایا ہے۔ اللہ لقول رسول کہیم وما هو بقول شاعر قلیلا ما تو منون ولا بقول کاہن قلیلا ما تذکرہ وانہ نازل من رب العالمین قرآن مجید نہ تو قول شاعر ہے نہ قول کاہن، بلکہ یہ تو قول رسول جو منزل من اللہ ہے اس پر یقین کر لیا

اور اس سے نصیحت حاصل کرنے والے تھوڑے ہی لوگ ہیں۔ (الحاقہ ص ۱۷) بعض مفسروں نے رسول سے جبرئیل مراد لیا ہے، مگر یہ مراد ہی مراد ہے غیر قطعی، کیونکہ قرآن قول جبرئیل ہوا تو منزل من اللہ نہ ہا، اور تنزیل من رب العلمین دو لخت ہو جائیگا۔ اور اگر رسول سے رسول ہی سمجھو تو قرآن منزل من اللہ بھی رہے گا، اور تنزیل من رب العلمین بھی دو لخت نہوگا۔ یعنی قرآن مجید ہے تو منزل من اللہ مگر تبلیغ کیا گیا رسول صلعم کی زبان سے تو قول رسول ہوا، ظاہر میں قول رسول ہوا اور حقیقت میں کلام اللہ ہے منزل۔ دوسرے اگر قرآن مجید کو قول جبرئیل کہو تو اس کی طاعت ہم پر کیوں لازم ہونے لگی۔ نہ ہم حضرت جبرئیل کے بندے، نہ انکی امت، نہ وہ ہمارے امام و پیشوا۔ نہ خدا نے اونکی فرمانبرداری ہم پر لازم کی۔ تیسرے اسکے بعد کی آیت ہو۔ لو تقول علینا بعض الاقاویل اخذنا منه بالیعین ہم قطعنا منه الوتین ہا اگر رسول ہم پر کوئی بات بنا لاتے، تو ہم اون کا ایمان پکڑ لیتے، پھر اون کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ (الحاقہ ص ۱۷) لقول کی ضمیر بلاشبہ رسول کی طرف ہو۔ تو اگر رسول کریم سے جبرئیل مراد ہو تو اسکی آیت کے معنی ہی نہیں بیٹھتے۔ اسکے سوا فرشتوں کے ساتھ لقول علینا نہیں بیٹھتا، وہ تو یقولون مایومرون ہیں، اون کو اپنے کچھ اختیارات کہان۔ اسلئے قرآن مجید قول رسول کریم ہے منزل من اللہ۔ ایسی طاعت اطاعت خدا و رسول ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے یہ معنی ہیں۔

اب بین منزلت نبوی کی نسبت کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ مگر خاتم الرسل جو ساری دنیا کیلئے مبعوث ہوا ہو، کافۃ للناس، اوسکی منزلت تو بحر بے پایان ہو۔ اس کتاب میں سما نا مشکل، مگر میں چند جملے بیان کروں گا جنکو اوپر کے مضمون سے تعلق ہے۔

خداوند تعالیٰ و تبارک نے حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت قرآن بھیجا، اور تو کو رسول فرمایا، دونوں کو ہدائی و نور فرمایا، اور دونوں کے شان میں قریب قریب ایک ہی

سے اتفاقاً فرمائے یعنی دونوں ایک ہیں۔ قرآن مجید کلام اللہ ہے، اور آپ نے قرآن مجید کو کمال درجہ پر ہر تکرر کھا دیا، آپ فعل اللہ میں، خدا کا قول و فعل ایک ہو کوئی فرق نہیں۔ باری حقیقی خدا ہے، اوسکی صفت ہدایت کی دو شانیں ہیں، قولی، فعلی، اوسکا مظہر قرآن مجید ہے اور اس کے مظہر آپ ہیں، دونوں تجلیوں سے جو ایک خدا کی ہے اور ایک ہی ہے ہماری ہدایت کی گئی ہے۔
الحمد لله على احسانه۔

قوم نے منزلت نبوی کی قدر نہ کی، آپ کے مراتب کو نہ جانا نہ پہچانا، اور اسی بے قدری کے سبب گرفتار عذاب ہو۔ آپ کی منزلت ما اُرسِل یا ما اُنزل اللہ یعنی قرآن مجید کے ساتھ جو آپ لائے، جس کی آپ نے تبلیغ فرمائی، اور جس کے آپ متبع تھے، قائم نہیں کی، بلکہ اُن کتابوں کیساتھ قائم کی ہے جو انسانی تصانیف ہیں۔ جسکی صحت و عدم صحت سے آپ بری الذمہ ہیں، اور آپ کے اصحاب بھی۔ اس نے قرآن میں اور نبی میں دوری اور مغایرت پیدا کر دی، جس سے قوم دوری میں پڑ گئی، اور لگی خدائی کتاب کو باوجود اوسکے دعویٰ تفصیل کے تحمل ماننے، اور انسانی کتاب کو مختل تفصیل عمر و زید۔ اس کے منزلت رسالت کو ما اُرسِل سے علیحدہ اوس کتاب کے ساتھ قائم کرنا جسکی قطعیت مسلم نہیں، شان رسالت کے بھی خلاف ہے، اور خطرناک بھی۔
غرض منزلت رسالت کیا بیان کی جائے، خدا کو، خدا کی خدائی کو اور خدا کی نسبت جو کچھ جانا وہ رسول ہی کے صدقے میں۔ قرآن اور قرآن سے صراطِ مستقیم کی راہ جو کچھ پائی وہ رسول ہی کی بدولت۔ وہی میرے دین میں داخل، وہی میرے ایمان میں داخل، جسکی منزلت قرآن مجید میں جو خدا بیان فرمائے، اوسکی منزلت مجھ سے بیان ہو سکتی کسی طرح ممکن ہے۔ مجھ سے نہ تو خدا کی حمد ہو سکتی ہے نہ رسول کی نعت، میں سر اس عاجز ہوں اور اس عجز کا اعتراف ہے۔

شان رسالت کے سوا آپ کی دوسری شان فقیہ و امام ربانی کی بھی ہے۔ آپ نے فقہ اور رشد و

ارشاد کی تعلیم و تربیت کا قولاً اور عملاً طریقہ بتا دیا ہے کہ تفقہ اور رشد و ارشاد کے حکم و ہدایت کی خدمت کس طرح انجام دینی چاہئے جو قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اور جو کچھ قرآن میں ہے وہی آپ کے افعال زندگی میں اسکو مستحاج الحق میں دیکھو یہ ہمارے لئے مفید دین اور معین صراطِ مستقیم ہیں۔ اس سے ہمکو سمجھ آئی کہ تفقہ کا مقام اور اس کے حدود کیا ہیں اور ارشاد کے منازل اور اس کے حدود کیا ہیں۔

تیسری شان آپکی الوالام کی ہے۔ آپ دنیاوی بادشاہ بھی ہیں۔ آپنے دنیاوی امور میں مشورہ دیکر مشورہ لیکر مشورہ تسلیم فرما کر، انتظام سلطنت، تمدن، اور انتظام جہاد وغیرہ کے اصولوں کی بھی تعلیم فرمائی ہے۔ یہ امور بہ چند مفید تر اور اعلیٰ درجہ کے ہیں مگر نہ دین میں، نہ فرض میں، بلکہ اس سے غرض آپکی یہ تھی کہ ایسے امور میں مشورہ جو سبب نقصانے زمانہ انجام دوانہیہ کہ اوںکو دین الہی سمجھ لو۔ اسی لئے مشوروں میں آپ اپنی رائے ترک بھی فرماتے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ فرض ہے اور وصولی زکوٰۃ کے طریقے غیر فرض، انتظام الوالام میں داخل۔ جہاد فرض ہے، اور نظم جہاد کہ تلوار و تیر و کمان سے ہو یا توپ و بندوق اور ہوائی جہاز سے، انتظام الوالام میں داخل۔ علیٰ ہذا تو جو حدیثیں دین الہی کے متعلق ہیں اگر وہ قرآن مجید کی مخالف نہیں، نہ حدود قرآنی کو کم و بیش کرنیوالی، بلکہ تمام تر صدق ہیں، تو وہ بعبارت دیکر قرآن مجید میں اگرچہ اسناد صحیح ہوں نہوں، کیونکہ اونکی صداقت قرآن مجید سے ہو گئی۔ اور جو حدیثیں اصطلاح مذہبی کو واضح کرنیوالی ہیں اور ان میں بھی کلام نہیں اور نہ کو حدیث کہو، وہ معین دین ہیں، جیسے لغات و مصطلحات کی کتابیں، مگر وہ دین میں داخل نہیں۔ اور جو حدیثیں تفقہ اور رشد و ارشاد کے متعلق ہیں وہ بھی دین نہیں، دین قرآن مجید میں کامل ہو چکا، ان اگر تعمیل احکام ربانی میں اور ان سے تائید ملتی ہے تو بلاشبہ وہ موید دین ہیں اگر اسکے اسناد رسول صلعم تک پہنچتی ہوں

اور صحیح ہوں۔ اور جو حدیثیں نظم الوالام کے متعلق ہیں وہ مجاز صورتیں ہیں کہ اقتضائے زمانہ کے مطابق جیسے چاہو کرو۔ تو انکی سند کی ضرورت نہیں۔

اور جو حدیثیں قرآن مجید کے مخالف ہوں، یا حدود و انشاء کو کم و بیش کر کے توڑنے والی، تو انکو حدیث نہ کہو، اور حدیث سے خارج کر دو۔ جو حدیثیں عقل کے خلاف ہوں، اور قرآن سے باہر، وہ بھی حدیث نہیں۔ جو حدیثیں نقل کے ثواب کو فرض سے بڑھائیں، یا ترغیب و ترہیب کی حدیں جنکی چھان بنان بھی نہیں ہوں، وہ بھی حدیث نہیں، کیونکہ انذار بھی قرآن مجید ہی سے کہ نیک حکم ہے۔ فضائل کی حدیں تو دوستانہ محبت کے کلام ہیں، انکو دین سے کیا تعلق، مگر لوگوں نے دین میں داخل کر کے فرق بندی قائم کی ہو، ایسے سخت نادانی ہو، ایسے محبت کے الفاظ جو جان نثار اسلام سے محبت کے طور پر بولے گئے، بعض کی روایت ملی ہوگی، بعض کی نہیں، ان پر دین کے شاخصانے کھڑے کرنا، اور تمہیں بتکر سب کو درجہ دینا، اور تفرقہ پیدا کرنا، اجمالت ہے۔

میں موضوع سے باہر ہو گیا، اور جو کچھ خدانے لکھا یا وہ لکھا جا چکا، ورنہ حدیث کا بیان تو خود آتا ہی ہے۔ بہر کیف اس اتنے بیان سے غرض یہ تھی کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حدیث کے ساتھ نہیں، قرآن مجید کے ساتھ ہے۔

نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف منزلتیں مختلف حیثیتوں سے ہیں، ہر منزلت میں تمیز کرنی چاہیے۔ دینی حیثیت قرآن مجید کے ساتھ ہے جو کمال عروج انسانی سے بالاتر ہے۔ اور باقی منزلتیں انسانی کمال کا نمونہ ہیں یعنی اعما ان انبشہرہ شلکہ یوحی الی۔ ایک کمال بشریت ہے، اور ایک مورد وحی ہوتا ہے۔

فاموا باللہ ورسولہ والنور الذی اترلنا

والقرآن کلہم اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

مسئلہ (۷)

نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم دین الہی میں متبع قرآن مجید تھے، یا اپنی رضا و خواہش سے بھی حکم دیتے تھے۔ اور آیا آپ احکام قرآنی کو کم و بیش کرنے، حدود اللہ کو توڑنے، یا حلال و حرام کی فہرست کھٹانے بڑھانے کے بھی مجاز من اللہ تھے یا نہیں؟

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ آپ بکمال متبع قرآن مجید تھے۔ کیونکہ حکم خداوندی تھا اتباع ما اوحی الیک من ربک۔ قرآن مجید کی اتباع کرتے رہو۔ (انعام ۱۱۳) آپ حکم بھی قرآن مجید سے دیتے رہے کیونکہ حکم تھا۔ فاحکم بینہم بما انزل اللہ حکم قرآن مجید سے دیتے رہو (مائدا ۱) لوگ حلال و حرام کا سوال کرنے آتے اور اس کا حکم قرآن مجید میں نہ ملتا تو آپ فرما دیتے۔ لا اجد فی ما اوحی الیّ عہدا علی طاعہ الا ان یکون میتۃ اخر کسی کھانے والے پر جو کچھ کھائے ہم قرآن مجید میں مردار وغیرہ وغیرہ کے سوا اور کچھ حرام نہیں پاتے۔ (انعام ۱۱۵) یعنی جو تم پوچھتے ہو اسکو ہم قرآن مجید میں تو حرام پاتے نہیں پھر اپنے جی سے ہم کس طرح حکم دین۔ حکم نہیں معلوم ہوتا تو آپ حکم خداوندی کے منتظر رہا کرتے، کیونکہ حکم تھا فاصبر لحکم ربک۔ حکم خداوندی کے منتظر رہا کرو۔ یہ سارے احکام خداوندی کی تعمیل آپ سے زیادہ کون کر سکتا تھا جسکی شان تھی عبودیت کی، جو عس ورج انسان کی غایت ہے۔

آپ نے صاف فرمادیا کہ حلال و حرام کرنا حق صرف خدا کو ہے ہم اس کے مجاز نہیں۔ اسی لئے اب قرآن مجید میں تلاش فرماتے تھے، نہ ملتا، تو فرما دیتے کہ عا و حی یعنی قرآن مجید میں تو ہم یہ حرام نہیں پاتے۔ پھر اگر آپ کے ساتھ منسوب ہو کہ کسی چیز کی حرمت پائی جائے جسکی حرمت قرآن مجید میں نہ ہو تو وہ نسبت غلط ہوگی۔ اور وہ چیز آپ کی حرام کردہ نہ ہوگی۔ اور وہ حکم آپ کا نہ ہوگا۔ آپ احکام قرآنی کو کم و بیش نہیں فرماتے تھے، کیونکہ یہ حدود اللہ کا توڑنا ہوگا اور تجاوز عن الحد۔ اور ومن بعد حد و اللہ فقد

ظلم نفسہ کے احاطہ میں آجائے گا جو شان رسالت سے بہت بعید ہے۔

اتباع مایوحی الیہا واصبر حتی یحکم اللہ وہو خیر الحکمین ہ قرآن مجید کی اتباع کرتے

رہو اور حکم خداوندی کے منتظر رہا کرو کہ وہ حکم بھیجے۔ حکم کرنے والوں میں خدا ہی

بہتر حکم کرنے والا ہے۔ (یونس علیہ السلام) آپ حکم خداوندی کے منتظر رہتے تھے اپنے جی سے حکم نہ دیتے تھے

اس مسئلہ کے لئے یہ آیت بہت صحیح قطعی اور کافی ہے۔ خدا نے رزق طیب یعنی ستھری چیزوں کو حلال کیا،

اور چند چیزیں جو حرمت کے لائق تھیں وہ حرام کیں۔ قوم نے اسمیں شبہ کو دخل دیا، اور شبہ چیزوں کی

فہرست الگ قائم کی۔ پھر توجع کا لفظ اختیار کیا اور توجع کے طور پر خدا کے حلال کئے ہوئے کو بھی حرام کیا

حالانکہ کسی حلال چیز کی نسبت عزم بالجزم کر لینا کہ اسکو کبھی نہ کھائیں گے یہ بھی حلال کو حرام کرنا ہے اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کبھی نہ کھائی کسی قسم کھائی تھی، خدا نے فرمایا کہ قسم توڑ دے یہ حلال کو حرام کرنا ہے۔

یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لا الخ اسے نئی تم کیوں حرام کر دے جبکہ خدا نے حلال کیا ہے۔

(تحریم علیہ السلام) آپ حرام کر نیکے مجاز من اللہ نہ تھے، تو اپنے خود کچھ حرام کیا نہیں، مگر یہ کون نے حدیثیں آپ کی

طرف منسوب کر کے حرام کی فہرست کی نظر ثانی کی، اور اضافہ کیا، مردوں کیلئے ریشمی لباس اور سونا

خدا نے کہیں حرام نہیں کیا مگر یہ چیزیں حرام کی گئیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے

باوجودیکہ یہ آیت موجود ہے۔ قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل لی ولاکم

ان اتبع الا مایوحی الی۔ کہدو اسے رسول کہ میں کچھ نیا رسول تو ہوں نہیں میں نہیں جانتا کہ خدا میرے

اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا، میں تو صرف قرآن مجید مایوحی کی اتباع کرتا ہوں۔ (احقاف علیہ السلام)

صدقہ رسول کو اور صدقہ اشراف رسالت کے۔ واقعی شان رسالت یہی کہ خدا کا پیغام اور ان کو پہنچایا جائے۔ اور شان

عبودیت یہی ہے کہ مایوحی لکھا حقہ برت کر دکھایا جائے۔ اشہد ان محمدؐ اور رسولہ اپنے رسالہ

کیمال عبودیت پہنچا دی۔ حکم تعالیٰ تعبد و اطاعت سے تجاوز نہ کر و (مانگہ علیہ السلام) اپنے ذرہ تجاوز نہ کیا۔

نہ خود اللہ کو گھٹایا نہ بڑھایا۔ اگر ایسی کوئی حدیث پائی جائے جس میں حکم کا گھٹاؤ بڑھاؤ ثابت ہو تو ایسی حدیثیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہو سکتیں۔ مگر ایسی حدیثیں ہیں، "اور ایسی ہی حدیثیں مفسر قرآن سمجھی گئی ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں۔ قل یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اهتدی فانما یستدی لنفسه ومن ضل فاعنا یضل علیہا وما انا علیکم بواکیل۔ کہہ دو کہ اے لوگو! خدا کی طرف سے تمہارے پاس حق یعنی قرآن مجید آچکا تو جس نے ہدایت حاصل کی وہ اپنے لئے اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے لئے۔ ہم تم پر کچھ مسلط تو ہیں نہیں۔ (یونس ۱۱۱) اپنے قرآن مجید کو دیکر دیکر یا، چاہے ہدایت حاصل کرو، چاہے گمراہی میں پڑے رہو۔ اب رسول کی ذمہ داری نہیں۔ قرآن پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی، وہ اپنے پہنچا دیا۔ دین تمام ہوا، اور رسالت کی خدمت بھی پوری ہوئی۔ اگر دین کا اتمام حدیث پر سمجھو کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے فاضل اپنی رضا و خواہش سے حکم دیکر دین کو تمام اور مکمل کیا ہے تو حدیث کا قرآن کی طرح پر پہنچا دینا کیوں نہ لازم ہو گا۔ اور حدیث تبلیغ نہ کی گئی۔ تو ایسی سورت میں قد جاءکم الحق کیونکہ صحیح ہو گا، کیونکہ جامعان احادیث کے پہلے تو جو حق آیا تھا وہ ناقص تھا جس آدمی نہ گمراہی سے بچ سکتا، نہ ہدایت پاسکتا تھا، جیسا کہ قوم سمجھا لی گئی ہے۔ اور ایسی حالت میں منہ امتدادی کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ صلوٰۃ و صوم و حج و زکوٰۃ۔ بلوا اور وراثت وغیرہ وغیرہ سارے ہی احکام قرآن مجید سے تو معلوم نہیں ہوتے۔ مجمل ہیں۔ تو قرآن کے ساتھ منہ امتدادی کی سطور صحیح ہو سکتا ہے۔ اور ما انا علیکم بواکیل تو قرآن مجید دیکر نبی کی برائت کر رہا ہو گا کہ آپ کے ذمہ نہیں کہ جس چال چاہیں چلائیں۔ بلکہ قرآن خدا کا فرمان دیدیا، اب برسے بھلے جرحال چاہو چلو۔ اپنا کیا اپنا تھا فاسد تقیم کا اصرار تھا۔ تم کو جو حکم دیا گیا اوپر مستقیم رہو۔ (ہود ۱۱۱) آپ تمام عمر بلا فرقہ گداشت اور بغیر ایک نقطہ کے اضافہ کے بھی تعمیل قرآن مجید پر مستقیم رہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو

جو حکم دیا گیا وہ قرآن مجید ہے حدیث تو خدا کا حکم نہیں۔ اسلئے احکام قرآنی پر مستقیم رہنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ حدیث پر۔ اسے لوگو! رسول رحمتہ للعالمین کا دین و مذہب اختیار کرو، اور خدا و رسول کے سوا کسی کو دین و ایمان میں داخل نہ کرو، چاہے کوئی محدث ہو یا نقیہ۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے سوا کسی کو دین میں یا دینی حکم میں شریک نہ کیا۔

انا انزلنا الیک الكتاب بالحق لتحکم بین الناس بما امرناک اللہ جنتہ تمہاری طرف کتاب اسلئے اتاری کہ تم لوگوں کے درمیان حکم دو جو خدا نے تمکو سوچا دیا ہے (النساء ۵۸) یعنی کتاب اللہ جو سمجھ میں آئے اس مطابق حکم دیدو۔ بس علماء رب زمینر کا یہی کام ہے کہ قرآن مجید سے جو حکم دیا گیا وہ سمجھیں وہ فرما دیں۔ برخلاف اسکے مذہب مجاہدہ کی رزگاہ اور خود پرستیوں کا بازار بنا دیا گیا ہے، باوجودیکہ حکم تھا۔ ولا تجادل عن الذین ینتھون انفسھم۔ نہ مجاہدہ کرو اون سے جو اپنے ساتھ دغا کرتے ہیں۔ (النساء ۵۸) المختصر قرآن مجید سے جو کچھ سمجھ میں آئے اوس پر خود بھی عمل رہو، اور لوگوں کو بھی اوس کی تعمیل کی ہدایت کرتے رہو۔

ایسی آیتوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے کہ ناشک دی جائیں اسلئے آخر میں ان فیصلہ کن آیت میں اس مفہوم کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الكتاب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کو انواع ادا من دون اللہ ولکن کو تو اس باب میں بما کنتم تعلمون الكتاب و بما کنتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذوا المملکة والذین اسر یا باء ایاہم کم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون کسی بشر کو یہ شایان نہیں کہ اللہ تو اوسکو عنایت فرمائے کتاب اور عقل اور نبوت، پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو یہ کہیگا کہ اللہ وائے جو کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ وہ تمکو یہ حکم نہ دیگا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنا معبود بنا لو۔ کیا وہ تمکو کفر کا حکم دیکر بعد تمہارے

مسلمان ہونے کے۔ (ال عمران ۱۵) مسلمانوں اس آیت کی طرف توجہ کرو کہ یہ بہت واضح ہے۔ اور بہت صاف۔ حسب فرمان خداوندی یقین کرو کہ ہمارے رسول ہمارے پیارے بادی کا بھی یہی حکم تھا کہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کے مطابق اللہ وائے بنو اللہ والے۔ اور کسی کو بھی اس کے سوا اپنا معبود نہ بناؤ۔ کتاب اللہ پر چلو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے گئے ہیں۔ ورنہ اسلام کے بعد بھی شرک فی الحکم میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں اپنے فرقہ کے مست نفسانیت اور تشخص نما علما ویا اپنے احبار و رہبان کے کہے میں اور اون کی اگر مگر میں نہ آجائے سبغہی الذین یصدفون عن آیتنا سو عذاب اب جما کا لاف یدفون جو میری آیتوں سے کتراتے ہیں اور یحین اس جرم میں ہم بدترین عذاب دین گے۔ (انعام ۱۵۲)

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

کا آلہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ

مسئلہ (۸)

نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفائے دین الہی کی تبلیغ کس کتاب کے ذریعہ سے کی، اور کوئی کتاب اور ان کی دستور العمل رہی، اور ان کی یہ تبلیغ ناقص تھی یا کامل، اگر تبلیغ کامل کر نیکی لئے حدیث کی بھی تبلیغ کی گئی تھی، تو صحابہ کو کل حدیثیں پہنچی ہوئی تھیں یا نہیں، اگر پہنچی ہوئی تھیں اور تبلیغ بھی کی گئی تھیں تو وہ تبلیغ شدہ کتاب کہاں ہے، اور اگر پہنچی ہوئی تھیں اور تبلیغ بھی نہ ہوئی تھیں تو کیا تبلیغ ناقص کی گئی، اور اس صورت میں تبلیغ کامل کر نیکی لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجتماع حدیث کیلئے کیا اہتمام کیا، اگر کوئی اہتمام نہ کیا تو کیا تبلیغ کی تکمیل اجتماع حدیث تک نہ ہو ڈھائی سو برسوں کیلئے ملتوی رہی، اور کیا

رسالت کا کام نا تمام رہا، اور مسلمان اطیعوا الرسول کے نافرمان رہے؟
 نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تبلیغ کے مامور تھے، نہ اپنی ساری زندگی کے اقوال
 و افعال کے، نہ صحابہ کے اقوال و افعال کے، نہ تابعین و تبع تابعین کے اقوال و افعال کے، جیسا کہ
 حدیث میں یہ سارے اقوال و افعال داخل کئے گئے ہیں، اور سب کا ہی نام حدیث ہے۔ اس لئے اپنے
 تبلیغ دین مایوسی اور ما اتزل اللہ کے ذریعہ سے کی، اور میں نے مسلمان دکھایا ہے کہ عیاض
 اور ما اتزل اللہ قرآن مجید ہی ہے، اپنے قرآن مجید ہی کی تبلیغ کی، اور اپنی تبلیغ سے ایک کیت
 بھی ترک نہ ہوئی، اور قرآن مجید ہی آپ کا دستور العمل رہا۔

قرآن مجید کی تبلیغ بذریعہ حفاظ بھی کی گئی اور بذریعہ کتابت بھی۔ اور یہ دونوں صورتیں آج تک
 متواتر قائم ہیں۔ یہ تبلیغ ایسی کامل کی گئی جس کی کوئی دوسری مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ہرگز آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں حدیث داخل نہ کی گئی۔ نہ صحابہ نے دین میں کوئی نئی بدعت کھڑی کی،
 اسی لئے حدیث اوس دور میں کتابت میں داخل نہ ہو سکی، اور اسی لئے صحابہ کو کل حدیثیں نہ پہنچ سکیں
 اور چونکہ قرآن مجید دین میں کامل سمجھا گیا، اس لئے اجماع حدیث کیلئے صحابہ کی کوششوں کا ایک
 قدم بھی نہ اٹھا۔ وہ اطیعوا الرسول کے معنی اطاعت حدیث کے نہیں سمجھے تھے، اگر ایسا سمجھتے
 تو اپنے لئے اور موجودہ و آئندہ کل مسلمانوں کے لئے بالضرور وہ حدیث جمع کر جاتے، تاکہ مسلمان
 مسلمان ہونے پر اطیعوا الرسول کے بقصور نافرمان بن کر جہنم میں جھونکے نہ جاسکیں، بلکہ وہ
 اطیعوا الرسول کے معنی رسول کے لائے اور عمل کئے ہوئے قرآن کے سمجھے تھے، جیسا کہ میں نے
 اسکو نمبر ۱۰ میں واضح کیا ہے۔

آپ نے بلغ ما اتزل الیہ کی تعمیل قرآن اور صرف قرآن ہی کی تبلیغ سے کی۔ حضرت مصعب بن
 عمیر رضی اللہ عنہ کو تبلیغ دین کے لئے مدینہ منورہ بھیجا، تو وہ بھی لگے صرف قرآن مجید ہی سناتے،

اور اسی تبلیغ پر جماعت کی جماعت مسلمان ہو گئی، اور یوں ہی مسلمان ہوتے تھے کہ جاء الحق و زهق الباطل۔ آج کل تبلیغ دین کا دروازہ بند ہو گیا ہے، کہیں کچھ بے بھی تو وہ روایتوں کی، گویا تبلیغ ہے ہی نہیں۔

واصرات ان اکون من المسلمین وان اتلو القرآن۔ مجھ کو حکم ہے کہ میں مسلمانوں میں ہوؤں اور قرآن پڑھ کر سنایا کروں۔ (غلل ۱۷) تو یہ کھلا کھلا ہے کہ آپ قرآن مجید ہی سناؤ رہے، اور اسی کی تبلیغ فرماتے رہے۔

کذلک ارسلناک فی امتہ قد خلعت من قبلہا اہم لتتلو علیہم الذی اوحینا الیہ۔ اسی طرح جتنے تم کو ایک امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے اسکے پہلے بھی امتیں ہو گزری ہیں تاکہ تم ان کو قرآن سنایا کرو۔ (مرعد ۱۷) کار رسالت قرآن پہنچا دینا تھا وہ آپ نے پورا کیا۔ نذرانے کہیں حکم دیا کہ تم اس تبلیغ کے ساتھ اسکے اجمال کو کھولتے جاؤ۔ نہ وہ مجمل تھا کہ آپ اسکے اجمال کو کھولتے، من بعد تبلیغ فرماتے۔

مناد اسلام بھی جہان کہیں بھیجے گئے وہ اس قدر قرآن جب قدر اس وقت تک نازل ہوا تھا یاد کر کے لے گئے اور اس قدر تبلیغ کی، اس خیال سے تبلیغ روکی نہ گئی کہ شاید کوئی آیت ان احکام و ہدایات کی ماسخ اترے اور گذشتہ آیتوں کو بیکار کر دے۔ کیونکہ قرآن کی آیتوں کو تو علمائے بعد کو منسوخ کیا ہے، قرآن تو کوئی صرف بھی منسوخ نہیں کرتا۔ اسی طرح نہ قرآن کو مجمل سمجھ کر کوئی ضمیمہ اور نہ لغات کو لائیکل سمجھ کر کوئی فرحنگ تبلیغ میں شامل کیا گیا، بلکہ جو کچھ اترتا گیا وہ مفصل، کامل، اور رازی و ابیدی سمجھ کر تبلیغ کیا جاتا رہا۔

خلفا بھی قرآن مجید جون کا توں تبلیغ کرتے رہے، اور حدیثیں جمع نہ کیں۔ اسوجہ سے نہیں کہ انہوں نے حدیثوں کو چھپایا، اسوجہ سے نہیں کہ تبلیغ دین میں حدیث داخل اور ضروری تھی مگر ان

سبحون نے کوتاہی کی، اسوجہ سے نہیں کہ فتوح و فتوح مصر سے دین کی اس اہم اور ضروری خدمت کو انہوں نے فروتر سمجھا، اس وجہ سے نہیں کہ حدیثوں کا جمع کرنا دشوار تھا کیونکہ اس وقت تو ایک جگہ کے زمانہ میں ساری حدیثیں جمع ہو جاتیں، اور انکی جانچ بھی ہو جاتی، بلکہ اسوجہ سے کہ حدیث کو دین الہی میں دخل کر نیکی مرضی خود حضرت رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی، کیونکہ آپ اس دن سے ڈرتے تھے کہ اور ادیان کی طرح حدیث قرآن کی جگہ لے لیگی، اور خدائی کتاب کی جگہ انسانی کتاب کا عمل و دخل ہو جائیگا، اور قرآن جزو ریکارڈ سمجھا جائیگا جیسا کہ سمجھا گیا، اور یوں تبلیغ کی خدمت ضائع ہو جائیگی۔

غرض رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم لائے قرآن جو مایوسی اور صاعقہ اتزل اللہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کے ساتھ ہر جسکی اپنے تبلیغ فرمائی۔ مگر افسوس کہ زمانہ کے پھیڑوں سے یہ آخری اسلام بھی نہ بچا، اور اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے اسلام کا ہوتا رہا ہے۔ سنۃ اللہ الہی قد خلت من قبل۔ دیکھ لو بنی اسرائیل کا کیا حال ہوا۔ پہلے انہوں نے آیتوں کو چھپا کر شروع کیا۔ پھر تحریف بالمعنی کرنے لگے۔ پھر تاویل سے احکام بدلنے لگے۔ پھر لالچ اور نفاقانیت کے سبب احکام فروش شروع کی۔ رفتہ رفتہ خدائی کتاب وہ کھو بیٹھے، اور انسانی تصانیف کو لگے وہ خدائی کتاب کہنے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مثنیٰ و یوحنا کی انجیل ہے پھر بھی وہ خدا کی انجیل ہے۔ خدا سے مواجہہ پھر لیا، اور احبار و رہبان کے بندے ہو گئے۔ کیا یہی حال مسلمانوں کا نہ ہوا۔ مثنیٰ و یوحنا کی حدیث نے انجیل کی جگہ لے لی ہے، تو کیا صحیح بخاری صحیح مسلم، ہدایہ، اور شرح وقایہ نے قرآن کی جگہ نہیں لے لی۔ بنی اسرائیل کی طرح مسلمانوں کی اصلاح سے بھی یاس ہی ہوتی، اگر کتاب اللہ محفوظ نہ رہی ہوتی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا جو مسلمانوں کی اصلاح کا سہارا ہے۔ دنیا بدل گئی اور بدل رہی ہے، اور ہر کوئی اپنے اصلاح حال کی جانب متوجہ اور سرگرم ہے، مگر افسوس

کہ مسلمانوں کا مواجب ہر تھا اور دھڑی ہے۔ اورایتک ویسے ہی اسلام سے چشم پوشی کئے دن کی بات ہوا مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرسہ ٹائٹیل کا نفرنس میں میں بھی بلایا گیا تھا، نصاب کی اصلاح مقصود تھی۔ اولاً تو مدرسہ کا اوسٹان ہی اس بنا پر قائم ہوا تھا کہ حدیث کی تعلیم وہاں نادی جائے کیونکہ حدیث پڑھ کر لوگ اہل حدیث ہو جائیں گے، اس دفعہ اسکی تو اصلاح ہوئی اور حدیث کی تعلیم نصاب میں داخل کی گئی۔ میں نے پیش کیا قرآن مجید، کہ قرآن مجید کی تعلیم شروع سے آخر تک ہونی چاہئے، وہ اس طرح، کہ اول اول لڑکا قرآن مجید ناظران پڑھایا جائے۔ عبارت روان ہو جائیکے بعد پارہ عم اور چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرائی جائیں، اوسوقت تک کہ صرف ونحو میں کافی مہارت حاصل ہو جا، پھر قرآن مجید کا ترجمہ بلحاظ صرف ونحو پڑھایا جائے، جب ادب میں کچھ قابلیت آئے تو قرآن مجید کی تعلیم بلحاظ خوبی ادب اور بلحاظ فصاحت و بلاغت دی جائے، جب یہ تکمیل کو پہنچے تو پھر مسائل قرآنی دئے جائیں کہ طالب علم ادب کو حل کرے، اور اوس میں مادہ پیدا ہو کہ وہ قرآن مجید سے اپنی دوسروں کی، اور دوسرے مذہب والوں کی تشبیہ کر سکے، اور تبلیغ کی خدمت بوجہ حسن انجام دے سکے، اور یوں خدا کے اس فرمان کی تعمیل کجائے جو اوسنے فرمایا۔ فلولانقر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون ۵ (یہ آیت فقہ کی سرخی میں دی گئی ہو) غرض قرآن مجید تو بچپن سے مرتے دم تک ہمارا نصب العین اور ہمارا طریقہ زندگی رہنا چاہئے کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ مسلمانوں بارونے کا مقام اور ماتم کی جگہ ہو کہ اوس جلسہ میں جتنے علماء اور شمس العلماء موجود تھے سب نے اسکی مخالفت کی، اور شدید مخالفت کی، مٹھ چپ میں ایک عیسائی اوس جلسہ کے صدر تھے، وہ اس اختلاف کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھ کر علماء سے کہنے لگے کہ میں تو مسلمان نہیں، نہ عربی دان ہی ہوں، ہاں انگریزی میں بھی قرآن کو پڑھا ہوا ہوں، میں کوئی کڑی بات تو مینے نہیں پالی جسکی تعلیم سے آپ فراموش کرتے ہیں، میں نے کہا کہ اسلام اس حال کو پہنچ گیا کہ مریان

وراثت انبیاء ہی اشاعت دین اور تبلیغ اسلام سے روکتے ہیں، جسکی اشاعت کیلئے خود بد دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کچھ مصیبتیں نہیں جھیلیں، آج اور تبلیغ کے دروازہ میں دوسرے تالے ڈالے جاتے ہیں، ووٹ میرے خلاف تھا، میں ناکام ہوا، مگر اونکی دلیل کس قدر معقول تھی جسکو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خیال نہ فرمایا تھا، وہ یہ کہ قرآن مجید کی تبلیغ سے سیکڑوں مذاہب پیدا ہو جائیں گے ایسے حال میں مسلمان جس حال کو نہ پہنچیں وہ تھوڑا ہو۔ مسلمانو! کیا قرآن ایسا ہی سلوک کئے جانیکا سخن ہے، خدا اور خدا کی کتاب سے منہ موڑنا یا کہ نہ ننگ لائیکا قرآن مجید درس نکالا گیا، قرآن مجید کے سمجھنے والے اوٹھ گئے، جو مہینہ چند اگلی یادگارین ہیں، یا کہ نہ یہ بھی نہ رہیں گے، اسی غفلت کے باعث نوبت یہ پہنچی کہ قرآن مجید مردوں کی ثواب رسانی، عملیات اور بھڑکھونک کیلئے رہ گیا، اور انہیں غرضوں عبارت کی تلاوت کے سوا اور کسی کام کا نہیں سمجھا گیا۔ نسوا اللہ فانفسہم انفسہم وہ خدا کو بھول بیٹھے تو خدا نے ان سے ان کی جانوں کو بھلا دیا۔ (حشر ۳) جب تو یہود کے حال کو پہنچائے

خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۵

فأمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

مسئلہ (۹)

حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جمع کرنا حکم دیا تھا یا منع فرمایا تھا۔ اگر حکم دیا تھا تو خود آپ کے زمانہ باسعادت میں اسکی تعمیل کیون نہ کی گئی۔ اور اگر منع فرمایا تھا تو یہ بدعت کس کھڑی کی اور حدیث کی کتابت خلیفہ راشدین اور صحابہ کا کیا سلوک رہا اور ان کی حقیقت کیا ہو؟

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث جمع کرنا حکم دیتے، تو جس طرح قرآن مجید لکھواتے تھے، اور حفاظ کو بتاتے تھے، حدیث کیلئے بھی اہتمام فرماتے، اگر آپ کے کل حرکات و سکنات لکھ لئے جائیں، اور

ہر قول اور خاموشی قلم بند کر لیجائے۔ صحابہ نے بھی جس طرح قرآن کے جمع کرنے کی خدمت انجام دی، حدیث جمع کرنے سے بھی جتنی پویشی گوارا نہ کرتے، اور قرآن کی طرح حدیث بھی جمع ہی ہو کر رہتی۔ مگر آپ نے منع فرمایا اور حسب ہدایت خداوندی منع فرمایا جو آگے چل کر اسی بزمین بیان کیا جائیگا۔

ٹوٹا ہوا دوسری کے بعد حبیب بادشاہی سطوت اور دولت کے ترنگوں نے رنگ بھاریا علوم کی طرہ پر توجہ ہوئی، اوں کے ترجمے ہوئے، اضافہ ہوا، ترقی ہوئی۔ خلفہ ترجمہ ہوا، اس کی ضرورت پیدا، علم کلام کی اسکی بنیاد بھی پڑی، اور اسکے میل بوٹے بھی نکلے۔ یہ زمانہ ہی تیرہ اور تصنیف کا تھا، کچھ لوگ توجہ ہو کر حدیث جمع کرنے کی طرف مگر یہ کب متوجہ ہوئے، جب ہزاروں لاکھوں ضعیف حدیثوں نے اپنا سکہ رائج کر لیا تھا۔ اسلئے ضرورت پڑی جانچنے کے قواعد کی اوں قواعد کی بنیاد پر حدیث جانچی گئی اور وہ دین میں داخل کر دی گئی اور اوپر زمین کی بنیاد قائم ہو گئی اس وقت تک کہ ہر فرقہ حدیث کی رنگ گاہ میں اور تراواؤں میں عقیدہ رکھ کر جوش کو گرایا، اور اس نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

حدیثوں کی روایت سے فقہائے صحابہ اور خلفائے راشدین سخت متاثر ہوئے، اور لوگوں کو بھی روایت سے منع کیا، بلکہ اس میں اس قدر سختی برتنی کہ حدیث روایت کرنے کی قانونی جرم قرار دیا گیا تھا۔ روایت کی حقیقت مقدمہ میں میں نے بیان کر دی ہے، اس سے ہر جویاے تحقیق قیصلہ کر سکتا ہے، اسلئے نہ زمین بھی کچھ بیان کر دوں گا۔ یہاں پر مجھے حدیث کے متعلق جلیل القدر صحابہ کی روش دکھانی ہے۔ حضرت شعبہ جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں، اجماع حضرت انس بن مالک صحابی سے زیارت کا شرف حاصل ہوا، جنگی شاگردی پر حضرت سفیان ثوری محدث کو ناز ہے، اوں نے چار سو تابعی سے سات یا دس ہزار حدیث کے فن رجال کا سنگ بنیاد رکھا ہے، وہ جب روایت حدیث کے خطرات و فسادات سے متنبہ ہوئے تو نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ راوی حدیث بننے سے سختی بنا بہتر حضرت شعبہ دوسری صدی ہجری کے، وسط میں ہیں، اور لقب انکا امام المحدثین ہے، انہیں کچھ وقت سے تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا، وہ فرماتے ہیں۔ کھانا تقن مسم فی الحدیث تا آخر تم

فی القرآن حدود و انتی وقاد الحما م و لما عرف الحدیث (تذکرۃ الحفاظ تذکرہ شعبہ)
یاد رکھو تمکو حدیث میں جس قدر کمال حاصل ہو گا اویس قدر تمکو قرآن سے جمل ہو گا اگر مین حمام میں
ایں دہن ہو کر جلتا تو میری حدیث دانی سے وہ میرے لئے اچھا تھا۔

حضرت سفیان ثوریؒ جب کا مقدس خطاب سید الحفاظؒ انہوں نے بیس یا تیس ہزار حدیثیں
روایت کیں، جب کا پایہ فضل و کمال حضرت امام مالکؒ محدث مدینہؒ اور یحییٰ بن سعد القطانؒ سے زیادہ
بلند تھا، یہ جب روایت حدیث کے فسادوں سے متنبہ ہوئے تو نہایت خوف و ہراس سے فرمانے
لگے کہ قیامت کے دن مجھے کسی قسم کا مواخذہ میرے علم پر نہ تو میں غنیمت سمجھوں، مجھے اپنا تمام پرے
اعمال میں روایت حدیث سے زیادہ کسی سے اندیشہ نہیں ہے۔

ہشام دستوائیؒ جب کا لقب الحافظ النجہ ہے، وہ جب روایت حدیث کے فسادوں سے
متنبہ ہوئے، تو اس قدر روئے کہ اونکی آنکھ جاتی رہی، اور یہی فرمایا کرتے کہ روایت حدیث کی باز پرس
سے کاش میری نجات ہو، کی ہشام الدستوائیؒ حق فسادات عینہ و یقول لیتا انجوس من
الحدیث۔ (تذکرہ ذہبی)

عبداللہ ابن داؤد ابو عبد اللہ حمز بن یسے پایہ کے محدث ہیں، جب روایت حدیث کے
فسادات پر متنبہ ہوئے، تو روایت کرنی ہی چھوڑ دی۔ اس لیے وجہ سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ
کو ان سے کسی حدیث کے سننے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

حماد بن سلمہؒ شیخ الاسلام جن سے حضرت یحییٰ رحمہ نے دس ہزار حدیثیں روایت کیں، جب
روایت حدیث کے نقصانات سے متنبہ ہوئے، تو ترک روایت کا مستحکم ارادہ کر لیا (تذکرہ ذہبی)
اسحق بن اسمعیل الطالقانی ابو ایوبؒ روایت حدیث سے ایسے پیڑا ہوئے کہ مرنے سے
پانچ سال قبل قییم کھالی تھی کہ آج سے روایت نہ کروں گا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۳۴)

حیان بن ہلال باہلیؒ نے بھی روایت حدیث سے تنگ اگر کنارہ کشی اختیار کی۔ (تہذیب
التہذیب ج ۱ ص ۱۸۱)۔

معاصرین کہہ اُمّ جو کہ اعلام محدثین سے ہیں، اور بقول ابن قطنؒ فن حدیث میں انکا کوئی
ہمسرتہ تھا، جب یہ روایت حدیث کے فسادات پر مطلع ہوئے تو پریشانی میں گھبرا کر فرمانے لگے وودت
ان الحدیث قواں علیٰ ساری فسق طفت فتکسرات۔ مجھے یہ پسند تھا کہ حدیث میں میرے سر پر
ایک گتہ ہو تو میں جو میرے سر سے گھر کر ٹوٹ جاتیں (تذکرہ ذہبی)

اس پر بھی وہ زمانہ آیا کہ روایت کرنے والوں نے جی کھول کر روایت بھی کی اور قدم آگے بڑھایا
کہ کتابت بھی کی۔ باوجودیکہ خود صحابہؓ اور یوں سے مشتبہ بھی ہوئے، اور انکو جوتھلایا بھی، اور ان کا ایک
روایت کرتے والے بھی صحابہؓ ہی تھے۔

حدث رجل من الصحابة من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الشعبي كذبت
(تذکرہ ذہبی)

شعبيؒ کے روبرو کسی صحابی نے حدیث روایت کی تو شعبيؒ نے کہا کہ تو جھوٹا ہے۔

حضرت عمارؓ صحابی کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم میں نہیں مانا۔

حضرت عثمانؓ کے روبرو ان کو ان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی آپ نے
قول نہ کیا۔ ان ناساً يتحدون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عثمان لا ادري ما هي
حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ سے جب کوئی حدیث بیان کرتا تو میں حلف پیش کرتا ہوں، اگر حلف
اوٹھا لیتا ہے تو میں اسکو سچا سمجھتا ہوں، ورنہ جھوٹا۔ قال علی اذا حدثني غيره استخلفتہ

فاذا حلف صدقته (تذکرہ ذہبی) ہمیں کوئی تخصیص صحابی یا غیر صحابی کی نہیں۔

عمار بن حصین صحابی فرماتے ہیں کہ راندہ مجھے اس قدر حدیثیں یاد ہیں کہ اگر میں دو روز برابر

روایت کروں تو کر سکتا ہوں، لیکن مانع یہ ہے کہ چند صحابہ نے میری طرح حدیث کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں۔ البتہ دیدہ و دانستہ جوٹ نہیں بولتے۔ اگرچہ بھی روایت کروں تو ڈر ہے کہ اوی گروہ میں میرا بھی شمار نہ ہو۔
(تاویل مختلف الحدیث)

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ روایت کی کہ احتیاج غسل کی حالت میں اگر روزہ دار صبح کے تو روزہ نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت غسل کیا اور روزہ رکھا۔ ابوہریرہؓ کی یہ روایت غلط ہے (بخاری شریف کتاب الصوم)۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی کہ نمازی کے سامنے سے عورت یا کتا وغیرہ گزر جائے، اور سترہ نہ ہو، تو نماز جاتی رہیگی (مشکوٰۃ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ روایت غلط ہے (بخاری شریف)

خدا اور رسول سے فاضل اور وہ پر ایمان لانے والے انبیاء ایمان کا جائزہ لیں۔ اون پر ثبات ہوگا کہ ایمان کے لائق اور ایمان میں داخل خدا اور رسول کے سوا کوئی نہیں۔

ان باتوں کے علاوہ اس پر بھی توجہ کرو کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرت کے تین سال قبل ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی وقت وہ تیرہ سال کے تھے، خود تو پچیس حدیثیں سنیں، لیکن ایک ہزار چھ سو ساٹھ حدیثیں روایت کیں۔

عبداللہ ابن عمرؓ ثنوت کے تین سال بعد پیدا ہوئے، اور آپ کے وصال کی وقت تین سال کے تھے، لیکن ایک ہزار چھ سو بیس حدیثیں روایت کیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ثنوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی وقت اٹھارہ سال کی تھیں، لیکن دو ہزار دو سو دس حدیثیں روایت کیں۔

ابو ہریرہؓ سے ستر ہجری میں اسلام لائے، اس وقت انکی عمر چھ بیس سال کی تھی، کل تین سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے فیضیاب رہے اور پانچ زائین سو چتر حدیثیں روایت کیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ اپنے عہد خلافت میں ابن مسعودؓ ابو ذرؓ ابو سعود انصاریؓ کو اس جرم میں قید کیا کہ انہوں نے روایت حدیث زیادہ کی۔ قال ابراہیم ان عمر حبس ثلاثہ ابن مسعود ابی ادر ۶۱۔ ابی مسعود الانصاری فقال لقد اکثرتم الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۱) حضرت ابن مسعودؓ زیادہ روایت کرنا والوں میں شمار نہیں ہوئے، مگر حضرت عمرؓ نے انکا اتنا روایت کرنا بھی جائز نہیں رکھا۔

ابن عیینہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے ابی بن کعبؓ کے پاس ایک جماعت بیٹھی دیکھی جن سے وہ حدیث روایت کر رہے تھے۔ آپ نے ابی پر زور فاروقی اٹھایا۔ ابی نے کہا کہ دیکھو کیا کرتے ہو خدا تم پر رحم کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم نے کیا نہ جانا کہ روایت کرنی تمہارے لئے فتنہ ہے، اور سننے والوں کیلئے ذلت۔ قال ابن عیینہ ساری عمر ابن الخطابؓ مع ابی بن کعب جماعۃ فعلاہ بالدرۃ فقال ابی اعلم ما تصنع یرحمک اللہ فقال عمر اما علمت انہا صفتہ المبتوع وذلة للتابع (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۱)

خلافت فاروقی کے بعد حدیث کی آزادی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار رسالت کے اصلی نور کو جس بے باک روایتوں کی تاریکیوں میں ڈھانپا اسکو فاروق اعظمؓ کی دور میں بصیرت نے اذراک کر لیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس میں اپنے سرگرمی برقی۔

ابن سلمہؒ نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ تم عہد فاروقی میں بھی اس طرح روایت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عہد فاروقی میں اس طرح روایت کرتا تو کوڑے نہ کھاتا۔ قال ابن سلمہ قلت لابی ہریرہؓ اکنث تحدث فی زمان عمر اکذا فقال لو کنت احد ذل فی زمان عمر

مثل ما احدثکم فیہ بنی محققہ (تذکرۃ الحفاظ ص ۷)

آج اسلامی دنیا کے بہتر کیا سیکڑوں فرقے، سنی، شیعہ، اہل حدیث، قادیانی وغیرہ وغیرہ سب انہیں روایتوں کی بدولت ہیں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ بالجملة بعد انقضائے خلافت خاصہ یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم اختلاف پیدا شد۔ و نیز درین زمان روایت حدیث بسیار کم بود (انزال اللہ الحفاظ)۔

راوی کے لئے اس طرح پر روایت کرنی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو بعینہ یاد رکھے دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو، جس تک محدثین کو بھی اقرار ہے کہ ہم ایک حدیث بھی بلفظ نہیں روایت کر سکتے امام الحدیث حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں جس کو علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اون کے تذکرہ میں نقل کیا ہو کہ۔ لو اس دنا کہ ان محدثین الحدیث ما سمعناہ واحد ثنا کہ بعد حدیث واحد۔ اگر ہم ایک حدیث بھی اس طرح روایت کرنی چاہیں جس طرح سنا ہو تو روایت نہیں کر سکتے۔ رئیس الحدیث حضرت امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ روایت باللفظ نہیں ہو روایت بالمعنی ہو یعنی عبد الرزاق میں ہو عن ابن سیرین قال کنت اسمع الحدیث من عشرة کلہم مختلف فی اللفظ والمعنی واحد۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہی حدیث کو دس شیوخ سے سنا مختلف الالفاظ بمعنی واحد تھے۔

تذکرۃ الحفاظ میں قبصہ کے تذکرہ میں ابو حاتم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اہل الحدیث من یحفظ ویاتی بالحدیث علی لفظ واحد لا یغدرک سوی قبصۃ۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ قبصہ کے سوا میں کوئی ایسا محدث نہ پایا جو بعینہ الفاظ حدیث کو بلا تغیر و تبدل بیان کرے۔

محمد بن علی ابو جعفر فرماتے ہیں کہ لیکن احد من الصحابة اذا سمع من رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا اجلہ راہ ان لا یزید فیہ ولا ینقص فیہ ولا یمن ابن عمر (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۷۱) ابن عمر کے سوا میں نے صحابہ میں کسی کو ایسا نہ پایا جس سے روایت حدیث میں نہ زیادتی ہوئی ہو نہ کمی۔ یہ نفرا یا کہ قسم کی زیادتی اور کمی ہوتی تھی، لفظ میں یا معنی میں یا دونوں میں ایسے حال میں جی چاہے تو قرآن کو حدیثوں سے منسوخ کرو۔

جب روایت حدیث باللفظ نہیں بالمعنی ہے، تو جب کوئی لفظ کا ذمہ وار نہیں تو معنی کا ذمہ وار کون ہو۔ ایک جملہ کا مفہوم بہ اعتبار موقعہ و محل، بہ اعتبار قابلیت و تفقہ، بہ اعتبار خیالات و جذبات فطری، ہر کوئی اپنا سا سمجھتا ہوا اسلئے سمجھ میں اختلاف ہونا اقتضائے فطرت ہے۔ آج دنیا میں بد استا دیکھ لو، باوجود ریل و تار برقی کے، باوجود ذرائع اخبار کے سہل ہو نیکی، ایک ہی واقعہ دس حاضرین کی زبان پر اختلاف کثیرہ سنا جاتا ہوا، اسلئے حدیث میں اختلافات کا ہونا لازمی تھا جو ہو کر رہا۔ اس اختلاف نے فرقہ بندی قائم کر دی اور اسلام کو پاش پاش کر دیا۔ فراست صدیقی وفاروقی نے اسکو خوب سمجھا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرو گے لیکن ہمیں تمہارے بیان مختلف ہوں گے، اور جو لوگ تم سے روایت کریں گے ان کے بیان میں تم سے بھی زیادہ اختلاف ہو گا، اسلئے تم روایت حدیث نہ کیا کرو، اگر تم سے کوئی اسکی خواہش کرے تو کہو کہ ہمارے اور تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے تو اسکے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھو اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام۔ ان الصدیق جمع الناس بعد وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انکم قد ثنوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث تختلفون فیہا والناس بعدکم اشد اختلافًا قد ثنوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سألکم فقولوا بیننا وبينکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ وحرموا حرامہ (تذکرہ ذہبی - تذکرہ صدیق رضی اللہ عنہ) اسی مفہوم کو حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا حسینا کتاب اللہ۔

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت قرظہ کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کیلئے جب عراق روانہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ تم لوگوں کہ قرآن سے حدیث میں نہ مشغول کر لینا، محض قرآن ہی کی تعلیم دینا۔ چنانچہ جب حضرت قرظہ رضی اللہ عنہ سے کہا جاتا کہ حدیث بیان کرو، تو وہ فرماتے تھا نا علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو منع کیا ہے۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے تو روایت حدیث کو جرم ہی قرار دیا تھا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی روش یہ تھی۔ قالت عائشہ رضی اللہ عنہا جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وكانت خمس مائۃ حدیث فبات لیلۃ ینقلب کثیرا قالت فغصنی فقلت انتقلب لشکوی اولشئ بلغک فلما اصبح قال ای بنی سلمیٰ الاحادیث التی عندی محبتہ بہا قد عابنا سر فحرقھا فقلت ہر قھا فقال خشیت ان اموت وهی عندی فیکون فیھا احادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ائتمنتہ وثقت ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت ذلک فھذا الا یصح (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے باپ نے پانچ سو حدیثیں جمع کی تھیں، ایک رات نہاتے بچھینی سے کروٹیں بدلتے رہے جس سے مجھے تکلیف ہوئی، مینے پوچھا کہ آپ کسی مرض سے بچھین رہی ہیں یا کوئی آذریات ہے۔ صبح ہوتے مجھ سے کہا کہ تیرے پاس جو حدیث کی کتاب ہے وہ لے آؤ، میں نے آئی، تو اسے آگ لگا کر جلادیا، مینے کہا کہ آپ ایسا کیوں کیا تو فرمایا کہ میں اندیشہ مند ہوا کہ میں مرجاؤں اور یہ کتاب چھوڑ جاؤں شاید اسمیں ایسے آدمی کی بھی حدیث ہو جو میرے نزدیک معتبر ہو اور حقیقت میں وہ معتبر نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں ایسے بھی تھے جن پر اعتبار نہ کیا جاسکے۔ یا شاید حضرت صدیق اکبر کو اصحابی کا لہجہ یا ہم اقتدیتم اھتدیتمہ کی حدیث نہ پہونچی ہو۔ (واقعات ماخوذہ از شواہد اعظم)

روایت کرنے والوں کا اصلی منصب یہ ہو کہ وہ بلفظ روایت کرے اسلئے بالعموم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ حیرتین بلفظ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اس بنا پر ان الفاظ سے استخراج و استنباط مسائل میں اہل اصولی اصطلاحات کو دخل دیا گیا ہے جو علمائے الفاظ قرآنی کیلئے مقرر کئے ہیں، مثلاً عام و خاص، مطلق و مقید، مجمل و مفصل، امر و اباحتہ و غیرہ وغیرہ۔ اور بعض محدثین کی غایت خوش اعتقادی نے تو اس درجہ ترقی کی کہ ان حدیثوں کے الفاظ کو بھی انکساراً بعد قرآن مجید مجرہ اور بلاغت و فصاحت کی اس حد میں داخل کیا جو جہان اور فصاحت کی پرواز ممکن نہیں، یعنی دعویٰ غیر متلو کے پرزہ بین الفاظ صحابہ نے بھی فاتو کیسورۃ من مثله کا دعویٰ بلند کیا ہے۔ اس اعتقاد کا لازمی نتیجہ تھا کہ قرآن مجید سے توجہ پھرے، اور حدیث قرآن مجید کا نعم البدل قرار پائے۔ یہی وہ خطرہ فی الدین تھا، جسکو حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم نے بجا نہ پایا تھا، اور اس طغیانی کا وہ باتہ ہی بند کرنا چاہتا تھا، مگر یہ تو فطرت کی رفتار تھی فطال علیہم الامم فقست قلوبہم۔ امتداد زمانہ سے لوگوں کے قلوب سخت ہو گئے۔ اسی اصول خداوندی کے مطابق ہر قوم نے کتاب اللہ چوڑی اور حدیث اور انسانی تصانیف پر جبک پڑی جسکو خدائے فرمایا۔ کتب اللہ و ما عظموہم کا نعم اللہ علیہم بعضوں کا یہ خیال ہو کہ سنن کی حیرتین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی گئیں، مگر اس وقت کی کسی کتاب کا قرآن مجید کے سوا ہمیں وجود نہیں پایا جاتا تو ایسی لکھی گئیں نہ لکھی گئیں۔ اسکے سوا مصنف عبدالرزاق اور طیفقات ابن سعد میں ہے۔ اسرار احمد ان لکتب سننا فاستشار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فاستشاروا علیہ ان یکتبھا فاففق یستخیر اللہ فیہا شہراً ثم اصبح یوماً وقد عزم لہ فقال انی کنت امرید ان لکب السنن وانی ذکرتم ما کانوا قبلکم کتبوا کتاباً فاذا کتبوا علیہا تو کتاب اللہ۔ حضرت عمرؓ فرمادہ ہوا کہ سنن کو لکھو والدین اور تمام صحابہ کے مشورہ سے یہ بٹے بھی ہو گیا، اس پر بھی حضرت عمرؓ

نے اس بارہ میں ایک ہیئتہ کامل استخارہ کیا۔ پھر ایک روز صبح کو فرمایا کہ میرا ارادہ حدیث جمع کرنے کا
مستحکم ہو گیا تھا، لیکن پھر اس قوم کا خیال آیا جس نے خود ایک کتاب لکھی اور اوپر اس قدر متوجہ ہوئی کہ خدا کی
کتاب کو چھوڑ دیا۔

ابن علاء نے قاسم سے درخواست کی کہ حیثین لکھو اے۔ حضرت قاسم نے کہا کہ عہد فاروقی میں لوگوں نے
جب حیثین زیادہ لکھیں تو فاروق اعظم نے تمام لکھنے والوں کو معذرتوں کی حدیث کی کتابوں کے طلب کیا
اور ان کتابوں کو جلوا دیا۔ (طبقات ج ۱ ص ۱۲۱)

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی جمع کردہ حدیثیں جلا لیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے صحابہ کی جمع کردہ حدیثیں
جلوائیں۔ اور دونوں نے فرمایا حسبنا کتاب اللہ۔ کتاب اللہ کافی ہو صرف یہی نہیں بلکہ فاروق اعظمؓ نے
نئے توضیحات کی زیادہ روایت کرنا کو قانونی جرم ہی قرار دیا تھا۔ صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف عہد
فاروقی میں تو تصنیف ہو نہیں سکتی تھی، اگر بعد کو بھی نہ ہوتی تو غضب ہی ہو جاتا کیونکہ قرآن مجید کے اجمال
کو کھولنے اور اس کی تفسیر کیلئے پھر سے سلسلہ نبوت جاری کرنا پڑتا۔ یا حضرت جبریلؑ ہی کو تکلیف کرنی ہوتی
حضرت صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظمؓ رضی اللہ عنہم رسالت کے منکر نہ تھے، اطاعت رسول کے منکر نہ تھے
ہاں تمہید روایت حدیث اور کتابت حدیث کے منکر تھے، وہ بھی حسب فرمان نبوی جو آیت اور حدیث آگے
بیان ہو گی۔ وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ ایسی کتاب جس کے نہ رسول مصنف نہ مولف اور جس کی عبارت بھی دوسروں
ہو وہ دین میں داخل ہو کر اور مفسر قرآن کی مدعی ہو کر تلخ قرآن ہو گی جس سے حدود اللہ ٹوٹ جائیں گے
اور تفرقہ پڑے پڑے پیدا ہو جائیں گے، جو روز بد مسلمانوں کو دیکھنے پڑے۔ یہ عاشقان خدا، خداوند
رسول، جاندار، اسلام تبلیغ اسلام کی خدمت سے واقف تھے، اجماع حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تھی
اور علیہ وسلم کے اطاعت گزار تھے جو خدا کی رضا تھی۔ وہ جانتے تھے کہ فرمان خداوندی ہر یا ایہا
المرسلین بلغ ما انزل الیک یعنی ما انزل اللہ قرآن مجید ہی کی تبلیغ لازم و فرض ہے۔ اور اسی کی

اطاعت رسول کی اطاعت ہو صلی اللہ علیہ وسلم۔

کچھ میرا مواجہ قرآن مجید سے الگ ہوا جاتا ہو مگر یہ سوال حدیث کے متعلق ہو تو اسکو حدیث اور اس کے اسباب رجال ہی سے حل کرنا چاہئے۔ اسلئے ضرورت ہوئی کہ میں تھوڑی دیر کے لئے اوپر سے ادھر ہو جاؤں۔ اور اس نمبر کو حدیث ہی کے حوالہ کروں۔

صحیح مسلم۔ باب النہی عن الحدیث۔ باب النہی عن الروایت۔ اور باب ان الاسناد من الدین میں لکھا ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ عبد الرحمن بن حمزہ رضی اللہ عنہ ایاس بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف سنکریہ تحقیق کئے ہوئے حدیث بیان کرنا منع کیا، ضرور منع کیا ہو گا کیونکہ خود خدا نے بھی منع کیا ہو۔ ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا۔ جسکا تم کو علم نہیں اسکو سچھے نہ ہو لو کیونکہ کان آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔ (نبی اسرائیل علیہ السلام) جن بات کا یقینی علم نہ ہو نہ بولو، نہ سنی سنائی باتوں پر نہ جایا کرو۔ تو کیا ایسا نہیں ہو گا کہ راوی نے سنا اور عقیدہ تائمان کر کے تحقیق کئے ہوئے بے دھڑک روایت کر دی۔ اگر ایسا ہوتا نہ تھا تو بلا تحقیق روایت سے لوگ منع کیوں کئے گئے تھے۔ اور اگر ایسا ہوتا تھا تو یہ قرآن و حدیث دونوں کے خلاف تھا۔ پھر جہانناک تحقیق ہوئی، اور تحقیق نے جن حدیثوں کا سلسلہ رسول تک نہ پہونچایا اور جن پر ضعیف اور کمزور ہونیکے حتم نکائی یا جن میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش رہی، وہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کیوں کی گئیں۔ کیا حدیث ہی کے رو سے یہ سخت ترجمہ نہیں ہو۔ کیوں نہیں ایسی حدیثیں چھانٹ دی گئیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خلاف عقل حدیثیں بیان کرنا منع کیا کہ اس سے فتنے اٹھیں گے، اس سے ثابت ہوتا ہو کہ صحابہ روایت حدیث میں مصلحت بینی بھی کرتے تھے۔ اب ہر مصلحت بینی ممکن ہو یا غلط اور اسوجہ سے ممکن ہو کہ بہتری حدیثیں نہ بیان کی گئی ہوں جو موجودہ حدیثوں میں سے بہتری حدیثوں کی نائج ہوں، جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ نے بہتری حدیثیں چھانٹ کر موجودہ ذخیرہ جمع کیا ہو۔ اس کے سوا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے منع کرنے کو قوم نے نہ مانا، مانتی تو آج خلاف عقل حدیثیں نہ پائی جاتیں کہ تبلیغ میں باج ہوں، یا وجودیکہ صحت حدیث کی حاجت کیلئے یہ شرط بھی ہو جو ہر کہ حدیث خلاف عقل نہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے حدیث بیان کرنی اس سبب پھوڑ دی کہ لوگ غلط و صحیح سب طرح کی حدیثیں نقل کرنے لگ گئے تھے بلکہ انہوں نے تو حدیث کا سنا بھی ترک کر دیا تھا، ایہ تھی روش صحابہ کی اور حضرت ابن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برگزیدہ اصحاب کی نسبت قرآن مجید کے ساتھ کیا تھی اور حدیث کے ساتھ کیا تھی۔ اگر وہ حدیث کو داخل فی الدین سمجھتے تو حدیث کا کہنا سنا ترک نہ کرتے بلکہ کہہ سکتا حدیث کی تصحیح کئے ہوتے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کتنی غلط روایتیں منسوب ہوئیں اور حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ لوگ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے جو روایت کرتے تھے تو جب تک عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھی اور اسکی تصدیق نہ کرتے وہ مانی نہ جاتی، ایہ ہر عقیدت کی ریشہ دوانی

شہاب بن خراش اور حجاج دونوں ثقہ مانے جاتے ہیں مگر حجاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت کی ہے اسکی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ "حجاج سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اتنے بڑے بڑے جنگل میں کروانوٹے کر نیکیلئے اونٹوں کی گردنیں تھک جائیں، اسپر بھی یہ تو ثقہ مانے جائیں اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے جو روایت بیان کی جائے اسکی تصدیق کیلئے عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھی ڈھونڈھے جائیں۔ یہ جو بیٹے لکھا صحیح مسلم سے لکھا ہے جیسا کہ ابتدائیں ظاہر کر دیا ہے۔ قول رسول صوم نہیں ہے صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے اصل عربی عبارت نہیں لکھی، اور محض چند سطر بن لکھ دین اسکی نسبت مجھے لکھنی میں نہیں تو وہ ذیل میں ہیں۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بالمرا کذباً ان یحدث بالکل ما سمع کافی ہر آدمی کے جوٹے ہونے کیلئے کہ جو سنے وہ بیان کر دے۔ یہ حدیث صحیح مسلم کی بالکل صحیح ہے چاہے سلسلہ

روایت کچھ ہی ہو۔ اسلئے کہ اس حدیث کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بات کو جب تک تحقیق نہ کر لیا کرو بیان نہ کیا کرو۔ بے تحقیق بیان کرنے سے کبھی سچے ہونے پر بھی بھوٹے سمجھے جاو گے۔ یہ حقیقت میں اپنے اس آیت قرآنی کو سمجھایا ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ جو آیت اوپر بیان ہوئی ہے یعنی (حسنات کا تم کو علم نہ ہوا وہ اس کے سچے نہ ہو۔ بنی اسرائیل علیہ السلام) بے تحقیق بات زبان سے نہ نکالو یہی اقتضائے عقل بھی ہے کیونکہ بات اگر جھوٹی ہوئی تو تم سے سننے والے تم ہی کو جھوٹا سمجھیں گے۔ اب یہ کھانا یہ ہے کہ اس حدیث پر کہاں تک عمل درآمد ہوا۔ تو حضرت امام بخاری نے چالیس ہزار عورت و مرد سے روایت کی ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی مصنفہ تاریخ میں لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو کیا اتنے راویوں کی تحقیق دس میں لسان سے بھی ناممکن نہیں ہے۔ پھر ان حدیثوں میں اگر دو چار حدیثیں بھی موضوعی اور غلط ہوں تو کسی خطرناک نقشہ قائم ہوگا۔

محمد بن علی بن سعید قطان نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم نے صلی علیہ وسلم کی روایت میں تینوں کو اتنا جھوٹا کسی چیز میں نہیں دیکھا جتنا جھوٹا حدیث کی روایت کرنے میں۔ امام مسلم نے اس میں تاویل کی ہے کہ جھوٹ اوٹلی زبان سے نکل جاتا ہے وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے۔ مانا کہ وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے مگر جھوٹ اوٹلی زبان سے نکل تو آتا ہے۔ ایسی صورت میں قطعیت پیدا کر نیکیلئے روایت کی منزلت ہی کیا رہی۔ اس پر خدشات تو دین کا ستون ہی ہلا دیتے ہیں جن میں کاستون روایت ہو۔ کیونکہ حضرت امام مسلم اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم کیا صلی علیہ وسلم تھے، اور کیا انہوں نے حدیثیں صحاح سے روایت نہیں کیں۔ اور کیا صحت حدیث کیلئے صحابی قید نہیں رکھی گئی ہے جنکو حضرت امام مسلم مانتے ہیں کہ جھوٹ اوٹلی زبان سے بے ساختہ نکل آتا ہے۔

علاوہ ازیں ترغیب، ترہیب، فضائل، قصص، زہد، اور اخلاق کی حدیثیں ضعیف شخصوں سے روایت کر نیکی اور اس قسم کی ضعیف روایتوں کو اصل حدیث نے جائز رکھا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی حدیثیں بھی چونکہ صحاح میں موجود ہیں انھیں صحابہ، ائمہ علیہ السلام کی قطعاً ذمہ دہ تسلیم ہو گئے۔ اور انہوں نے دوسرے

بنا قائم کی گئی جس سے قوم حد سے تجاوز کر گئی۔ تخریب نے جب قرآن سے تجاوز کیا تو اس نے مذہب اور
 آخرت کو عجز و مثال بنا دیا۔ ترمذی نے حد سے تجاوز ہو کر ضلک و گمراہی بنا دیا۔ ترمذی حد سے تجاوز ہو کر
 ربانیت کے سانچے میں ڈھلا۔ فضائل نے مذہب میں پولیٹیکل جھگڑوں کی بنیاد رکھی اور شیعہ و سنی کا
 پولیٹیکل مذہب بنا دیا۔ مدت ہوئی کہ خلافت تو گئی کذری ہوئی مگر وٹ آج پاس ہو رہا ہو۔ قوم متحسب بنی
 اور فضائل کی حیثیتوں نے خلفاء کو نمبر دیا اور اس خیال نے کہ حدیث کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہیں لہذا
 لکھی و دملک دمی سے یہ طباب نکالا کہ رسول کا گوشت اور خون اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گوشت
 اور خون ایک تھا اور بلا فرق دونوں ایک تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت بنی بنی کا نکاح حضرت علی کرم اللہ
 وجہہ سے نہ ہوتا۔ اگر کہنے یہ جملہ فرمایا بھی ہو تو اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ہم انکو عزیز رکھتے ہیں۔ ہر زبان میں
 ایسے محبت کے الفاظ بولے جاتے ہیں کہ ہم دونوں تو ایک جان دو قالب ہیں۔ یہ اصطلاحی جملے ہیں، لوگ
 لفظ کے پیر ہیں پڑے ہیں۔ اسی طرح جان نثاران اسلام کے ساتھ محبت کے جملے فرمائے گئے ہیں۔ بعض
 لوگوں نے بنی عباس اور بنی امیہ کا مردہ جھگڑا زندہ کیا اور اسکو بنی کے سر بھی تھوپا اور اجنبیوں نے
 ساری دنیا کے اختلافات اور جھگڑوں کو مٹایا۔ مذہب کو ان پولیٹیکل جھگڑوں سے کیا تعلق۔ مگر مسلمان
 ہی نے دین اسلام کو خالص اللہ کے لئے تھا اللہ الدین الخالص مسلمانوں کو انسان کا بندہ بنا کر ٹوٹیوں
 میں تقسیم کر دیا۔ ان باتوں سے سادہ اسلام رنگ برنگ کا منقش اسلام ہو گیا۔ وہ گرجیوں میں
 بٹ گیا۔ اسکے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ اس سے اسکی یکتیت بھی کھو گئیں۔ اور اب ہر شخص اسلام
 پیدا رہی اور خاندان کا اسلام ہو خدا کا اسلام نہیں رہا جسکی حمایت قرآن مجید کرتا ہو۔

موضوعات ملا علی قاری۔ دہرہ جی۔ اور ابہن ماجہ نے قادیان سے روایت کی ہے۔ اور مولانا نے
 کہا کہ عین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا وہ اسی ممبر پر فرما رہے تھے۔ ایا کہ و کثرۃ الحدیث علی
 فمن قال علی فلا یقل الا حقاً و صدقاً و من قال علی ما لم یقل فلیتوا و مقصد من التلم

کیلئے ہدایت اور رحمت ہو۔ کہدو کہ خدا کے فضل و رحمت یعنی قرآن ہی پر چاہئے کہ لوگ خوشیاں منائیں۔ یہ اوس بہتر ہو جو لوگ صحیح کرتے ہیں۔ (یونس علیہ السلام) یہ کہنا کہ لوگ جو مال و خزانہ جمع کرتے ہیں اوس سے قرآن بہتر ہو یہ صحیح نہیں کیونکہ بہتر ہونا ہم جنس میں ہوتا ہو۔ نہ غیر جنس میں۔ معلوم ہوتا ہو کہ لوگ حدیث وغیرہ جمع کرنے لگ گئے تھے۔ اسی کو خدا نے اس آیت میں منع فرمایا، اوباسی کو اوپر کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیونکہ آپ کا فرمانا عین قرآن ہو اگر تا تھا۔

احمد۔ حارث۔ ابن ابی اسامہ۔ بنائے۔ طبرانی۔ اور حاکم نے مدخل بن یحییٰ بن میمون خضر صی سے روایت کی ہو کہ ابو موسیٰ الفافقی نے عقبہ بن عاصم الجھنی سے سنا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ممبر پر بیان کر رہے تھے تو ابو موسیٰ نے کہا کہ تمہارے جو یہ صحابہ ہیں یا حافظ ہیں یا بالکافین کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر بات جب کاہے وعدہ لیا تھا یہ تھی کہ آپ فرمایا علیکم بکتاب اللہ و ستور جعون الی قوم یحبون الحدیث عنی فمن قال علی ما لم اقل فلیتوا مقعدا من النار ومن حفظ شیئا فلیحد ثبہ۔ تم پر قرآن مجید کی اطاعت لازم ہو۔ اور عنقریب تم ایسی قوم کو پاؤ گے جو میری حدیث بیان کرنی پسند کریگی۔ تو جو شخص اس کا کچھ کہے گا جو پہنچے نہیں کہا تو اوس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جس نے کچھ محفوظ کر لیا ہو وہ حدیث بیان کرے۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ خلیفہ دوم نے جو حسبن کتاب اللہ فرمایا تھا وہ تعمیل یا ترجیح تھا علیکم بکتاب اللہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا۔ دوسرے جیسا کہ فطر تھا ہو کیا ہو کہ لوگوں نے کتاب اللہ کو چھوڑا اور ہمیشہ حدیث کی طرف جھکا پڑے، آپ و انائے قوانین فطرت تھے، آپ کی فراست صادقہ نے سمجھا تھا کہ ایسا ہی ہوگا، اور ہماری امت بھی ہم پر نازل شدہ قرآن کو چھوڑ کر حدیث کی طرف جھکا پڑیگی، اس کو آپ پسند نہ فرماتے تھے اور اسی دن ڈرایا تھا کہ ستور جعون الی قوم یحبون الحدیث عنی تیسرے باہمہ احتیاط حدیث بیان کرنا کی جس میں

شائبہ شکستہ نہوا اجازت تھی مگر بیان ہی کرنا ہی کتابت کی اجازت نہیں۔

سبکون فی آخر الزمان اناس من امتی یحدثونکم عیالہ تسمعون انتم ولا یاءکم فیاکم ویاکم
 اخرجه مسلم عن ابی ہریرۃ عن قریبہ آخر زمانہ میں میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تم سے ایسی
 حدیثیں بیان کریں گے کہ تم نے سنی ہوگی نہ تمہارے آباؤ نے تو دیکھو کچھ پہنچے رہنا۔ صدقے اس فراست
 جنوت کے جس نے ان سے اپنے ڈرایا تھا وہ ہم کو اور ہمارے اگلوں کو دیکھنا نصیب ہو چکا۔ مگر فیاکم
 ویاکم کی تعمیل نہوئی۔ اسی کی تعمیل تھی جو حضرت ابن عباس جیسے علیل القدر صحابی نے حدیث کا کہنا
 سنا سب ترک کر دیا تھا۔

تومذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ اور دارقطنی نے اس سے روایت کی ہوا وہون کی کہا کہ ہر کو
 زیادہ حدیث بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایہی من تعد علی کذباً
 فلیتوبوا مقعدا من الناس۔ جو کوئی قصد ہمارے طرف جھوٹ منسوب کر کے روایت کرے وہ جہنمی ہو۔
 اسے لوگوں پر انداز تھا صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کا اور یہ روش تھی خلفاء رضوان اللہ علیہم کی جو
 اوپر بیان ہوئی۔ اور یہی طریقہ تھا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہ یہ محدثین اپنی نفسانیت
 اور احباب پرستی کے سبب انہیں حدیث میں نا بلکہ شمار کریں مگر جو روش ان کی تھی وہ قرآن و حدیث
 کے مطابق خلفاء راشدین اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی طرح روش نہ سنا داکھتی تھی۔ اسی لئے
 جتنی حدیثیں ان سے مروی ہیں ان کی تعداد قوم سے مخفی نہیں۔ وہ بھی اس خدشہ سے محفوظ نہیں کہ جب قوم
 کو غلط حدیث نبوی کی طرف منسوب کرنے میں دیر نہ لگی تو ان بزرگوار کی طرف غلط منسوب کر نہیں کوئی حق
 مانع ہوئی ہوگی۔ وہ بھی اوتار روایت ہوا ان بزرگوں نے نہ کتابت کی نہ کتابت کو جائز رکھا چونکہ
 حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی ایسی نئی تصنیف سے بدعت کثری نہیں کی، اس لئے ان پر پتھر
 پھینکے جاتے ہیں کہ یہ حدیث سے جاہل تھے کیونکہ انہوں نے دین کیسے قرآن کو کافی سمجھا اور حدیث کی

قرآن جو بے نیاز قرآن سے۔ علماء کے یہاں بھی بجائے قرآن کے حدیث کا دور، اور فقرا کے یہاں بھی بجائے قرآن کے حدیث کا درس جاری ہوا۔ قرآن کی تعلیم، قرآن کی ہدایت، اور قرآن کی تبلیغ کا دور، بھٹکیا گیا۔ اور قرآن حوالہ کیا گیا۔ اندھوں، مفلسوں، محتاجوں، یتیموں، بے کسوں، اور گداگروں کے یاد کرنے کے، کہ وہ قرآن یاد کر کے تراویح کے صدقہ میں لکھا یمن، اور قرآن مجید کا مصرف قرار پایا۔ گداگری، چھارم چہلم کی ثواب رسانی، عملیات و وظائف، افسوں، چھاڑ بھونک، توسیع رزق حصول اولاد، وصال محبوبہ، اور مرگ دشمن وغیرہ وغیرہ مقدس ضروریات دین کیلئے۔ اللہ اللہ یہ قرآن، خدا کا کلام، اور رسول کا مایہ رسالت، اوسکے ساتھ مسلمانوں کا یہ برتاؤ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حدیث کی نسبت ارشاد خداوندی اشارۃ النص سے اور ارشاد نبوی صریحاً کیا تھا، اور اوسکے ساتھ خلفا و جلیل القدر صحابہ کا کیا سلوک رہا، محض اختصار اور بہت کچھ فرو گذاشت کیساتھ میں نے بیان کر دیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ہی پر خوشی منانی اور قرآن ہی کو اپنے اوپر لازم کر لینا خدا و رسول کی مرضی بھی تھی، اور خدا و رسول کا محکوم علیہ بھی تھا۔ اپنی حدیثیں بشرط صحت زبانی بیان کرنی ممنوع نہ تھی مگر کتابت اور کثرت روایت ممنوع تھی، چونکہ قرآن کامل تھا، مفصل تھا، محتاج تفصیل تفسیر تھا، دین کی تکمیل ڈیڑھ دو صدیوں تک ملتوی نہ رہی، اور انسانی سعی پر اوٹھا نہ رکھی گئی۔ رسالت اور تبلیغ رسالت رسول پر ختم ہوئی، نہ مصنفین صحاح پر۔

عربی زبان کا باہر قرآن مجید کے رہتے ہوئے دین الہی کیلئے ساری کتابوں سے بے نیاز ہو گا۔ ہاں جو اوس زبان کا ماہر نہیں وہ صرف ونحو، لغات، مصطلحات یعنی ادب کا ضرور محتاج ہو گا۔ پھر جن بزرگوں نے اس حیل کو وضع کیا اون کا وہ ضرور شکر گزار ہو گا، ہٹکوا اون سب کامنتوں احسان ہونا چاہئے جنکی سعی کی بدولت ہم قرآن مجید سمجھنے سمجھنے کے لائق ہو سکے۔ اوسی طرح ہٹکوا تاریخ اسلام یا سوانح

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث لکھنے والوں کا بھی ممنون ہونا چاہئے جسکی پاک نیتوں اور پاک سعی کی بدولت ہم کو تاریخ اسلام سے آگاہی حاصل کر سکا موقع ملا، مسلمانوں کا ابتدائی تمدن اور معاشرت معلوم ہو سکی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مقدس کی مقدار اطلاع حاصل ہو سکی۔ مگر ان سب باتوں کے ایک حزن تک نفع بخش ہوئے کہ باوجود بھی یہ ساری کتابیں دین میں داخل نہ ہو جائیں گی۔ انکو خبر و اخبار ہی کہنا اور سمجھنا صحیح ہو گا۔ ہاں حصول دین کیلئے کہ مصطلحات و اصطلاحات ہو سہولت کا باعث ہو سکتی ہیں خصوصاً ہمارے لئے اور ہم جیسوں کیلئے مگر یہ دین کی حصہ و انہیں ہو سکتیں اور قرآن مجید کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ یہ بھی روانہ نہیں رکھا جاسکتا کہ جل جلالہ یعنی خدائی نسبت تو بڑا کرادھ اور دھ جوڑی جا۔ یہ کبھی روانہ نہیں رکھا جاسکتا کہ استاد یا ہادی یا مرشد سرتاج سہی مگر خدا کا شریک و ہمیم ہو۔ گرچہ انہیں کی تعلیم و ہدایت سے خدا تک رسائی بھی ہو۔ اے لوگو! اللہ اللہ ہے جل جلالہ، اوسکا کلام اوسکا کلام پر عہ نوالہ، اوسکے دین اوسکا دین اوسکا دین ہر سبحان اللہ و بحمدہ، اوسکے اسماء و صفات میں، اوسکی قدرت و افعال میں، اوسکو احکام و اقوال میں غرض کسی بات میں اسکی طرح کوئی بھی، اوسکا مشیر نہیں، اوسکا شریک نہیں و لا یشرع فی حکمہ احدا۔

فأمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا

والقائم ان کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا اله الا الله

مسئلہ (۱۰)

حدیث کی حقیقت جیسا کہ مقدمہ میں بیان ہوئی اور جو مسلمہ علماء اکرام ہر اوس رو سے بھی اگر دیکھا جائے تو کس کس قسم کی حدیثیں رسول مصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کبھی جاہلی جہلیت رکھتی ہیں۔ اور کس کس قسم کی حدیثیں حدیث ہی نہیں ہیں مگر حدیث سمجھی جاتی ہیں ؟

مسلمانوں دین کی بنیاد اگر قطعیات پر ہوگی تو دین مضبوط ہوگا اور مستحکم۔ اور اگر طعنات اور شکن
شیر پر ہوگی تو وہ مشکوک ہوگا اور قطعاً جانو اللہ الحمد للہ کہ دین اسلام کی بنیاد ایسی نہیں ہے جو کسی
ڈھانچے پر ٹھہر سکے۔ کیونکہ اسکی بنیاد قرآن مجید پر ہے جو قطعی اور ابدی ہے۔ اگر اسکی بنیاد حدیث پر رکھو
تو اسکی حقیقت مفصلہ ذیل ہے۔

حدیث کی حقیقت جو مسلمہ علماء کرام ہیں اسکو میں نے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ تو جس طرح پر حدیثیں
جا چکی ہیں ان کو مجھے پھر چھپا دینا ہے۔

موقوف اور موقوف کے تینوں سلسلے مسند۔ متصل۔ اور منقطع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے منسوب نہیں، وہ کسی طرح بھی رسول کی حدیث نہیں جس کا سلسلہ بھی رسول تک نہ پہنچے
اسکو رسول کی حدیث کہنا اور اس پر بنیاد دین قائم کرنا ظلم ہے۔

حاصل۔ تابعی نے روایت تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کی مگر بیچ میں صحابہ کا ذکر نہ کیا تو
سلسلہ روایت کیونکر درست ہوا اور کسی طرح وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مسلم ہوگی
اس لئے اسکو بھی مع اس کے تینوں سلسلوں مسند متصل۔ اور منقطع کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث تسلیم کر لینا صحیح نہیں بلکہ حدیث ہی کے رو سے خطرناک ہے۔

محلل۔ میں چونکہ پوشیدہ سبب عین پائے جاتے ہیں اس لئے کسی طرح قطعاً وہ آنحضرت
کی حدیث نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح مداح بھی سراسر مخدوش ہے۔

اور۔ روایت تو کسی طرح بھی حدیث تسلیم نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں نہ تو صحت روایت
ہی نہ صحت راوی۔

صرف غی کی قسم منقطع بھی حدیث نہیں کیونکہ اس کا تو سلسلہ ہی منقطع ہے۔

علمائے ایسی حدیثوں کو بے خوف و خطر حدیث میں داخل کر کے قوم سے منوالیا ہو کر یہ عجیب ترین
ہیں اور حدیث کا منکر قول رسول کا منکر کافر ہے۔ اس کفر کے ڈر سے کوئی تحقیق نہیں کرتا اور جو
تحقیق کرتا ہے وہ اپنی تحقیق کو ظاہر نہیں کرتا۔ ایسی حدیثیں خدا کو رسول کی ثابت نہیں ہوتیں،
اسلئے وہ حدیث ہی نہیں ہو سکتیں۔ جن میں شک و شبہ کی کنجائش ہو اور انکو رسول کی حدیث نہ کہو
بلکہ حدیث کی کتاب سے نکال دو۔

ان صرافع مسند متصل بس ہی ایک قسم کی حدیث رہ جاتی ہے جو قطعاً حدیث کلمی
ہا سکتی ہے بشرطیکہ راویوں کی جانچ میں بھی صحیح اور ترکے یعنی وہ بھی صحیح یا حسن یا ضعیف یا غریب
ہو اور پھر یہ بھی یا متواتر یا مشہور ہو۔

یہ مانا کہ چونکہ لاکھوں موضوعی حدیثیں ثم الذین یلو نھم میں ہی بن چکی تھیں اسلئے موضوعی
اور صحیح حدیث کی تمیز کے لئے شرائط مقرر کئے گئے جو مقدمہ میں حدیث کے زیر سرخی بیان ہوئے مگر
دیکھنا یہ ہے کہ ان پر عملدرآمد کس طرح ہوا۔

صحاح میں اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف ہو اسلئے صحیح بخاری کے ہی راویوں
جاچنجا طالب حق کے لئے کافی ہوگا۔

تقصیب کی آنکھیں پھوٹیں۔ چونکہ حضرت امام اعظمؒ کو فی تھے اسلئے کوفہ والے جوشِ تعصب کے
سبب غیر معتبر ناقابلِ روایت حدیث سمجھے گئے۔ سنن ابی داؤدؒ مطبوعہ مجتبائی جلد ۱ صفحہ ۲۵
ہے کہ کوفہ والوں کی حدیث بے نور ہے۔ کوفہ عراق میں ہو اسلئے عراق والے بھی اسی مدین
ور آئے کہ ان کی سو حدیثوں میں ۹۹ چوڑو اور جو ایک کو بھی تو اس سے مشتبہ ہی سمجھو تعصب کی
بد بین آنکھوں نے حضرت امام اعظمؒ کو (جو مسلمانوں کے سر تاج تھے۔ اتباع قرآن مجید کے نمونہ
تھے۔ اور تفسیرِ مامور خداوندی تھا انہوں نے اوسکی راہ کوئی۔ اور یہ کہ کمر کے بغیر سند و تحقیق

میری باتوں کو نہ مانو اپنے تعلقہ کو بھی دین میں داخل نہ کیا) صرف اسوجہ سے کہ اونہوں نے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی طرح کسی تصنیف سے نہ کوئی بدعت کھڑی کی، نہ کسی تصنیف کو دین میں داخل کیسے اضافہ علی القرآن کیا، ان متعصبین نے انکو بری آنکھوں دیکھا کہ اونکا حافظہ ضعیف شمار ہوا۔ وہ حدیث سے جاہل گئے گئے۔ وہ مرجیہ، جہمیہ اور زندیق قرار دے گئے۔ خود حضرت امام بخاری بھی حضرت امام اعظمؒ پر چوٹ آئے ہیں اور شمیشین دھری ہیں۔ انکو ضعیف حافظہ شمار کر کے بھی ان کے تعلقہ کو ناکارہ کیا ہو۔ اور خود حضرت امام بخاریؒ کا تعلقہ تھا کہ چار پایہ کے دورہ سے بھی حرمت راضع ثابت ہو جاتی ہو۔ حضرت امام بخاریؒ کی نسبت بھی دو حلیل القدر اماموں یعنی امام ابو ذرؓ اور امام ابو حاتمؒ نے بہ سبب لفظ قرآن حکم کیا ہو یہاں تک کہ ان سے روایت ترک کر دی ہو جیسر شیخ الاسلام تاج سبکی نے فریاد کی ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معینؒ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں پھر صحیح بخاریؒ کی کتنی حدیثیں یحییٰ بن معینؒ جانتے تھے (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال مطبوعہ مصر ص ۱۱۱) ایسے حال میں امام بن حنبلؒ کے نزدیک صحیح بخاریؒ کا کیا درجہ قرار پاتا ہو۔ امام مسلمؒ نے اپنے صحیح کے دیباچہ میں امام بخاریؒ کو منتحل الحدیث یعنی جھوٹ موٹ حدیث بنائو والا لکھا ہے۔

امام یوشی اور علامہ دیبائی نے جواب فتویٰ میں امام بخاریؒ کو امام الدنیا لکھا ہو۔ تعصب کی جنگ آزمائیان ملاحظہ کرو۔

روایت حدیث میں حافظہ کی شرط ہو اور اسکا اعتراف بلا کسی ثبوت کے حضرت امام اعظمؒ پر کیا جاتا ہو، مگر امام بخاریؒ کے حافظہ کو ملاحظہ کرو، کہ صحیح بخاریؒ میں بابوں کی تقیم صحت حافظہ کو باطل کرتی ہو، دیکھو الجرح علی البخاری۔ اسکے سوا ان کے اوہام بھی مشہور ہیں جو بدیسی غلط ہیں۔ دیکھو التفتق

والمفترق من تصنيف خطيب بغدادی۔

بہر حال جو جن صاحبوں سے کاموں نے اور خود حضرت امام بخاریؒ نے روایت کرنی ناجائز قرار دیا ہے، اور انہوں نے روایت اوں کو مردود کیا ہے، ان سب بخاری میں روایتیں موجود ہیں جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے، اور جس پر ایمان و عمل کا دار و مدار ہے، اور جو عملاً نسخ قرآن بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

مشکوٰۃ

مسلک امام بخاری اور امام مسلم کے صدر بار اوای عراق کے رہنے والے ہیں۔ بہت سے راوی ایسے ہیں جن کا ضعیف ہونا خود حضرت امام بخاریؒ نے تسلیم کیا ہے۔ پھر بھی اوں کے اپنی صحیح میں روایت کی ہے مثلاً چند نام سن لو۔

ابراہیم بن اسمعیل بن مجہم۔ اسمعیل بن ابان ابو اسحق۔ یوب بن عائد الطائی۔

حارث بن شبلی۔ زہید بن محمد الیتمی الغبری۔ سعید بن ابو عمروید۔ عبد اللہ بن ابی ولید۔ عبد الملک بن اعین۔ عبد الوارث بن سعید۔ عطاء بن السائب بن زید۔ عطاء بن ابی میمونۃ البصری۔ عکرمہ بن خالد الخضری۔ کھمس بن منہال۔ انضعفا میں سے اسمعیل بن ابان کو متروک الحدیث، اور عکرمہ بن خالد کو منکر الحدیث خود امام بخاریؒ نے لکھا ہے، اور ان سے روایت بھی کی ہے (علامہ ذہبی۔ میزان الاعتدال۔ مجلد اول صفحہ

اور طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جز ثلث ص ۱۱۱) اور تدریب الہاوی مطبوعہ مصر ص ۱۱۱۔

باوجودیکہ خود فرماتے ہیں کہ جس راوی کی نسبت میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت جائز نہیں۔ نقل ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحسن الہ روایۃ عنہ۔

مسلک مرجعہ کی نسبت حدیث بیان کی جاتی ہے۔ صفان من امتی لیس لہما فی الاصل

نصیب۔ احدثا مارجی والاخر قدسہی۔ کمار والا التومذی۔ یعنی میری امت میں مرجیہ
وقدر یہ مسلمان نہیں۔ اور ان سے روایت کرنی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس پر بھی امام بخاریؒ کے
مرجی راوی بھرے ہوئے ہیں۔

امام بخاریؒ نے مرجیوں سے روایت کی ہے۔ ان کی اس روش پر علامہ ذہبیؒ نے بھی تعجب ہر
کیا ہے (دیکھو میزان الاعتدال مجلد اول۔ ص ۱۸۱) امام بخاریؒ نے کہا کہ ایوب مرجیہ میں سے
تھا۔ اور راجعہ کے سبب اس کو ضعیفین داخل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایوب پر لعن بھی کرتے ہیں۔ اور
اس سے روایت و احتجاج بھی کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ذہبیؒ نے قسم کی نسبت لکھا ہے کہ اگ امام بخاریؒ نے روایت بھی کی ہے اور ان کو
ضعیفین بھی شمار کیا ہے۔ (میزان الاعتدال۔ مجلد ثالث۔ ص ۱۵۹)

امام بخاریؒ نے کہا کہ امام ابو یوسف ضعیف ہیں۔ اور ابو داؤد۔ اور نسائی نے لکھا کہ امام محمد
ضعیف ہیں۔ علامہ ذہبیؒ نے صحیح بخاری کے ایک راوی محارب بن دثارؒ کی نسبت لکھا ہے۔ وقال
ابن سعد لا یجتہون بہ انہ کان منہن یرجوا علیا وحقان ولا یشہد علیہما بإیمان
ولا بالکفر (میزان الاعتدال مجلد ثالث ص ۱۶۹) یعنی ابن سعد نے کہا کہ لوگ محارب بن دثار
کے ساتھ احتجاج نہیں کرتے جو مضمحلہ اون کے تھا جو حضرت علیؒ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو مرجیہ
کہتے تھے۔ اور نہ اون کے ایمان و کفر کی شہادت دیتے تھے۔ ایسوں سے روایت لی گئی اس کتاب میں
جو اضح الکتب بعد کتاب اللہ ہے تو ایسی حدیثوں کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھو تو سمجھو
اور داخل فی الدین کر دو کرو۔

مزید تفصیل سے بیان کرنا بغیر ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ تہذیب الکمال اور کتاب الجمع
بین سہال الصحیحین لابن القیو فی الشیبا فی ملاحظہ کرو۔

صحیح بخاری کے خواجہ راوی عکرمہ مولیٰ ابن عباس - ولید بن کثیر - عمار بن خطاب
(وکیو تہذیب التہذیب جزء سابع ص ۱۱۱ و جزء واحد عشر ص ۱۱۱ و جزء ثامن ص ۱۱۱)
صحیح بخاری کے چھپو راوی - علی بن ہاشم (تہذیب التہذیب جزء سابع ص ۱۱۱)
مثلاً مختصر سے نام دے گئے، فہرست کہاں تک دی جائے۔

صحیح بخاری کے راویوں میں سے ایک جماعت ضعیف اور بھول راویوں کی بھی ہر ایک کو غیر
الاعتدال جلد ثالث ص ۱۱۱ جسے تفصیل دیکھنی ہو وہ الجہم علی البخاری کا مطالعہ کرے جس
حقیقت کا چشمہ اوتار کر حقیقت کھول دی ہے۔

اساتے بیان سے اتنا تو ضرور واضح ہوتا ہے کہ انسانی تصنیف کتاب اللہ کی جگہ نہیں لے سکتی
اور نہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں اساس دین ہو سکتی ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی ازلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

احقاق حق

لوگ میری اس کتاب کے جتنی جیتہ مقامات سے بالخصوص ان آخر کے دو نمبروں سے بدگمانی
اور اعتراض کو اوٹھ کھڑے ہوں گے کہ قرآن مجید کو لغو، بیکار، مجمل، اور نا کمل سمجھنے میں اگر
کوئی سمجھے تو مشائخہ نہیں، مگر حدیث کا معترض تو منکر حدیث ہوا، اس طرح وہ کافر اور خلو فی النار کا
مستوجب نہ ہو گا۔ مگر ان کو معلوم رہے کہ کسی کے کافر کہہ دینے سے کوئی کافر نہیں ہوتا، اور حجت
و جہنم کے اختیارات کوئی خدا سے چھین سکتا ہے۔ میرا مقصد احقاق حق ہے۔ میں صحیح حدیثوں کا
منکر نہیں اور نا دوسرے منکر کو مستوجب سزا سمجھتا ہوں لیکن موضوعی اور غلط حدیثوں کا میں حامی

بھی نہیں اور اسکے حامی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتمام رکھنے والا سمجھتا ہوں۔

اگلے بزرگوں نے جائز یا ناجائز حدیث کے متعلق جو کوششیں کیں اوں کا مطلب کیا تھا صحیح حدیث غلط حدیثوں سے چھٹنا اسی غرض سے اوتھوں نے شرائط مقرر کئے۔ میں اوں بزرگوں کی عظمت کرتا ہوں لیکن اوں کو رسول موردوحی نہیں مانتا۔ نہ اوں کے شرائط کو مایہی اور ما اتزل اللہ مانتا ہوں۔ اسلئے حقیقت میں میرا اختلاف اوں شرائط سے ہے جن شرائط پر حدیثیں پرکھی گئی ہیں جسکو میں بیان کروں گا۔ کیونکہ اوں شرائط میں کوئی قطعیت نہیں۔

اگر حدیثیں اس طرح پر جانچی جائیں جس طرح پر وہ جانچی گئی ہیں تو میں ابھی اوپر کے نمبر میں دکھایا ہے کہ صرف ایک ہی قسم کی حدیث یعنی مرفوع مسند متصل جو راویوں کے جانچ پڑھی صحیح اوترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی جاسکتی ہے۔ اگر اس میں بھی تو اثر کی قید لگاؤ تو سوائے قرآن مجید کے اور کیا رہیگا یا چارہ پانچ حدیثیں۔ کیونکہ متواتر حدیثیں یا تو میں نہیں یا تین اور پانچ سے متجاوز نہیں۔ تو رہی مشہور کی قید۔ اس طرح پہ تو حدیث کا ذخیرہ ہی غائب ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی یہ حدیثیں قاعدہ ظن ہی کرتی ہیں اور قطعیت سے نہیں نکلتیں۔ اور خدا نے فرمایا۔ ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً ظن و گمان حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔ (یوسف علیہ السلام) اس لئے حدیثوں کو اس طرح جانچو جس میں قطعیت پیدا ہو۔

میں نے مقدمہ میں فیصلہ کی زیر سرخی قرآن مجید کی آیتوں سے دکھایا ہے کہ قرآن مجید حق و باطل کی ترازو ہے اور خدا کی ترازو۔ تو حدیثوں کو قرآن مجید پر ہی کیوں نہ لو۔ جو حدیث قرآن مجید کے مخالف ہو تو وہ رسول کی حدیث ہو نہیں سکتی۔ جو حدیث اضافہ علی القرآن اور قرآن مجید کی حدود و کرنیوالی کم و بیش کرنے والی، اور اس طرح حدود اللہ کی توڑنے والی ہو، وہ بھی حکم خداوندی لا تعبدوا کے اصول پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہو نہیں سکتی۔ تو ایسی حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہو نہیں سکتیں اونکو حدیث کی کتابوں سے نکال دو اور اونکو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منسوب بھی نہ کرو، اور قرآن مجید کے باطل ہی مطابق ہونے کی صورت میں چاہے وہ موجودہ شرائط کے رو سے روایت اور راوی کے سلسلہ پر صحیح نہ بھی ہو ترین، لیکن وہ عبارت دیگر قرآن ہیں۔ قرآن قول رسول ہے مگر منزل، اور حدیث قول رسول ہے مگر غیر منزل۔ دونوں اقوال میں اتفاق تام کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔

خلاف عقل حدیثین تو قرآن مجید کی مطابقت میں او ترین کی نہیں اور کو بھی حدیث سے اور قول رسول سے خارج کر دو۔

انہذا کی نسبت بھی حکم تھا والذین انہ قرآن مجید سے انداز کر نکلا۔ اسلئے اس سے فاضل جو انداز کی حدیث پالی جائے وہ بھی رسول کی حدیث نہیں۔

اسی طرح ترغیب، تنہیب، فضائل، از دیا و علی الدین، از دیا و حلال و حرام، رسومات ملکی انتظام شاہی وغیرہ جو قرآن مجید سے فاضل ہیں، وہ رسول کی حدیث نہیں، خدا فرمایا ہے الیوم اکملت لکم دینکم۔ دین کامل ہو چکا، نعمت قرآن مجید دیکر خدا نے تمام کوئی افسوس کہ قوم نے ادھر توجہ نہ کی، اور حدیث کو قرآن مجید یعنی خدا کی دی ہوئی ترازو پر نہ تولد۔ اگر ادھر توجہ کرتی تو بہتری حدیثیں قرآن مجید کے احاطہ میں ملتیں۔ اور وہ علامہ اس کے کہ متواتر کے درجہ سے کم نہ ہوتیں، روایت اور راوی کے جانچ سے بھی بے نیاز نہ درستیں مثلاً کس قدر اصولی حدیث ہے۔ انما الاعمال بالنیات و انما الاہر ع ما توی انہ اس کے اسماء رجال کو کیوں دیکھو راویوں کے ادھیڑ بن میں کیوں پڑو، اسکو قرآن مجید میں کیوں نہ دیکھو۔ خدا فرماتا ہے من یرد ثواب الدنیا نزلہ منها ومن یرد ثواب الاخرۃ نزلہ منها۔ جو ارادہ یا نیت کرتا ہے ثواب دنیا کا اس سے وہ ملتا ہے۔ اور جو ارادہ یا نیت کرتا ہے ثواب آخری کا اس سے وہ ملتا ہے۔

(ال عمران ۱۵۷) یعنی جیسی نیت ویسا پھل۔ قرآن و حدیث دونوں کا ایک ہی مطلب ہے
 اسی کو خدا نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے ولکن یؤخذ کہ عبا کہ سبت قلوبکم۔ اعمال کا موازنہ
 خدا تمہاری نیت کے مطابق کرنا۔ جیسی نیت ویسا نتیجہ۔
 اعمال کی ایک صورت اور بھی ہو۔ اعمال جاریہ جسے جتنی کہو کہو ایک اور حاصل کرو سو۔
 یعنی غیر جاریہ اور شر جاریہ۔ تو اس کے نسبت خدا فرماتا ہے۔ من کان یرید حرث الاخرۃ فلیؤدہ
 فی حرثہ و من کان یرید حرث الدنیا فلیؤدہ منها و مالہ فی الاخرۃ من نصیبہ۔ جسکی نیت
 آخرت کی کھیتی کی ہوگی تو ہم اوسکی کھیتی میں بڑھتی دین گے یعنی دین کیساتھ دنیا بھی۔ اور جس کی
 نیت دنیا کی کھیتی کی ہوگی تو ہم اوسے دنیا تو دین گے مگر آخرت میں اوسکا کوئی حصہ نہ ہوگا (مشورہ ۱)
 غیر جاریہ کچھ لوگوں نے بدعت حسنہ بھی کہا ہے۔ جیسے قرآن چھاپنا۔ مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔ قرآن
 سمجھنے کے ذریعے سب کو بتلینے دین بکتابت کرنی۔ مدرسہ قائم کرنا۔ یتیم خانہ کھولنا۔ تراویح جاری کرنی
 پاس انفاس اور پاس حواس کے طریقے نکالنا۔ اور کل وہ کام جو مسلمانوں کی راحت رسانی، اوعی
 ظاہری اور باطنی فلاح و بہبود کیلئے نہایت رضائے مافی کے جائیں، اور اوس میں قیام ہو، اوسکے
 فوائد متعدد جاریہ ہوں، وہ غیر جاریہ اور حرث الاخرۃ میں داخل ہیں، ان کے ساتھ بدعت کا لفظ
 استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح تعزیر بنانا، علم و تابوت نکالنا، امر شیعہ خوانی کی شاعرانہ غلط دانتی
 مجلسیں قائم کرنی، حسین اہل بیت کی تضحیک ہو، یا رسومات پیر پرستی، غزالی پرستی، یا خدا طلبی ہی کے لئے
 سہی، اسوہ پرستی، یا ایسے کل وہ کام جو خدا کے ساتھ کی نسبت توڑ کر اسوا کی نسبت کے ساتھ قائم ہو کر
 داخل فی الدین ہوں، وہ شر جاریہ یا حرث الدنیا میں داخل ہیں۔ ماذبح لغیر اللہ کی طرح حرام
 قرآن مجید کی مطابقت کی حدیث میں اس کتاب میں بھی کہیں کہیں دی گئی ہیں، اور بہت سی دی
 جاسکتی ہیں، مگر اس پر ضرورت ہے کہ الگ الگ کتاب لکھنے کی اگر قرآن مجید کے مطابق حدیثیں

الگ کر دی جائیں تاکہ اون میں قطعیت پیدا ہو، اور اون حدیثوں میں راوی یا روایت کی جانچ کی ضرورت نہ رہے۔

اسنے لوگوں کو امتداد زمانہ کی یہ تاثیر دیکھا کہ مسلمان برس حال کو پہنچ گئے ہیں، کیونکہ انکی نسبت خدا ٹوٹ گئی ہے، اور اسلئے اسلام کی ودیعتیں ان سے چھین گئی ہیں۔ ان میں ایک جماعت جو اپنے کو پابند شریعت کہتی ہے، اوس نے قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینکا ہے، اور احباب پرست ہو گئی ہے۔ اور دوسری جماعت جو اپنے کو فنی زمانہ صوفی کا لقب دے ہوئے ہے، اوس نے بھی قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینکا ہے، اور رہبان پرست ہو گئی ہے۔ خدا سے سب کی نسبت ٹوٹ گئی ہے۔ دل چھین ہو گیا اور چھین ہے۔ قرآن مجید ہرگز اوس سلوک کا مستحق نہیں جو اوسکے ساتھ مسلمان کر رہے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن ہی کی تعمیل خدا و رسول کی اطاعت ہے۔ جب قرآن کی اطاعت نہیں تو خدا و رسول کی اطاعت نہیں۔ اسی دکھانے جو ہو گیا کہ میں خدا و رسول کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو کچھ سے جوڑوں۔ اور خدا کی رضا اور اوسکے حکم و اشارہ کی تعمیل کروں۔ ایک دن یہ ہونا پڑا اور ہو کر رہ گیا۔ ایک دن قوم میری باتوں کو حق سمجھ کر گردن جھکا لی مگر میرے بعد کیونکہ یہی خدا کا باندھا ہوا قانون فطرت ہے۔

مجھے کسی کے برا بھلا کہنے کی پرواہ نہیں کیونکہ میں خدا کے حضور میں خدا کی ہدایت سے اپنے رسول اپنے مولیٰ رسول اپنے مرشد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مطابق اور رضا پا کر لکھ رہا ہوں اسلئے مجھے کسی کی کچھ پرواہ نہیں۔ میرا نصب العین خدا کے سوا کوئی بھی نہیں۔ میرا لکھنا اوس کی رضا کی تعمیل ہے اور کوئی مقصد نہیں۔ مانو نہ مانو۔ حق کہو نا حق کہو۔ ۱۔ تمہاریون منما اعل و انابری منما تعلوت ۵

فامنوا بالله ورسوله والنور الذي انزلنا

والقرآن كلام الله

محمد رسول الله

لا اله الا الله

مسئلہ (۱۱)

جو اقوال و افعال حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت ہو جائیں وہ حدیث ہی۔ یا جو
مشتبہ رہیں وہ بھی۔ یا جو صحابہ تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی۔ جو تابعین تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں
وہ بھی جو تبع تابعین تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی۔ یا جنکو علمائے حدیث تسلیم کر لیا ہو وہ بھی
یا حدیث کے معنی کتاب حدیث کے ہیں؟

حدیث کا لکھنا اور کتابت جمع کرنا تو ممنوع ہوا تھا۔ خدا و رسول دونوں نے منع کیا تھا۔ قرآن میں بھی
حدیث نہیں۔ میں نے اوپر قرآن کی آیت بھی دیدی ہے اور حدیث بھی۔ قوم نے خلاف کیا تو اس پر قانع نہ ہوئی
کہ جو اقوال و افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعاً اپنے مفروضہ شریعاتی کے ساتھ ثابت ہو جائیں اور ان
حدیث تسلیم کرے، بلکہ اندھیر یہ کہ جو مشتبہ رہے وہ بھی حدیث ہے۔ جسکا سلسلہ خود نبی تک نہ بھی پہنچتا ہو وہ
بھی حدیث ہے جسکا سلسلہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین تک ہی پہنچتا ہو وہ بھی حدیث ہے۔ یا جسکو علمائے
حدیث تسلیم کر لیا ہو وہ بھی حدیث ہے۔ یا جسکے راوی بھی مجهول ہوں وہ بھی حدیث ہے یعنی اتنا حدیث کے
معنی کتاب حدیث کے ہیں۔ افسوس ما قدس والہما رسول حق قدس کا۔ رسول کی جو قدر کرنی چاہئے
تھی وہ قوم نے نہ کی۔ اوپر عقیدت نے اوسے اور چمکایا تو بلا مینہ رب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ حدیث مفسر
قرآن بھی ہے بلکہ ناخ قرآن بھی۔ افسوس ما قدس والہ اللہ حق قدس کا۔ خدا کی جو قدر کرنی چاہئے
تھی وہ لوگوں نے نہ کی۔ (انعام لامل)

ایسی حدیث کی کتابت کتاب اللہ کی شریک نہ سیم ہی ہو کر نہ رہیں بلکہ بتو دین کا دہری حدیث
کی کتابوں پر ہو گیا ہے۔ اگر خدا قرآن مجید کو اٹھائے، جیسے اُس نے توریت و انجیل کو اٹھایا، تو
قوم کچھ فریادی نہ ہو، کیونکہ جس طرح متی و یوحنا کی انجیل موجود ہیں ہمارے پاس بھی حدیث کے تیسویں
پارے موجود ہیں بلکہ قرآن کا نعم الیدیل، اگر یہ محفل ہو اور وہ مفصل۔ یہ بیکار ہے اور وہ کام کے

اور اگر خدا حدیث کو اوٹھائے تو بڑی مشکل آپڑے کہ فرقوں کا اختلاف اسی پر۔ عالموں کی ڈھال
تلاوار بھی۔ صوفیوں کی تلاوت اور درس کی پونجی بھی۔ وہ بھی اون کی جو مشرعوں۔ اور کفر کے قہور
آگ بھی۔ مسلمانوں کا میدان زندگیاں بھی۔ اور حافظان قرآن حاملان وحی سہی، محاطان کتابا لہی
سہی، مگر یہ رکڑے بھگڑے کے کام کے نہیں تو ہین کس گنتی میں کس عظمت کے مستحق۔ افسوس خدا کے
کلام کی حمایت کرنیوالا خدا جسے حلیم و رحیم کے سوا کوئی نہ رہا۔ اسی لئے دین و ایمان جاتا رہا۔ اور مسلمان
نام کے مسلمان رہ گئے۔ اگر دین حنیف کی پیروی جماعت ہوتی تو ان چند نالہم الغلیوں ۵ بیشک ہمارا ہی
گروہ غالب ہوتا (الصفۃ ۷) وہی غالب ہوتے، کیونکہ خدا جو مانہین۔ اگر مسلمانوں میں ایمان ہوتا تو ان
الاعلون ان کلمۃ مومنین ۵ تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو۔ (ال عمران ۸۱) تم ہی غالب ہوتے کیونکہ خدا
جو مانہین۔ خدا کا تو یہ وعدہ تھا۔ لن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً ۵ خدا کافروں کو مومنین پر
غلبہ نہ دینگا (النساء ۷۸) مسلمان مغلوب نہ ہوتے۔ مگر یہ بیہمیات میں داخل ہو کر تمام دنیا کے مسلمان افسوس
حالت کے ساتھ مغلوب ہیں۔ مسلمانوں کی تباہی کا راز اصل میں یہ ہے کہ خدا کو بھول بیٹھے۔ قرآن کو چھوڑ بیٹھے۔
نسوا اللہ فالنسیہم انفسہم خدا کو کیا بھولے کہ خدا نے خود انہیں کو اون سے بھلا دیا (حشر ۱) وہ اپنے
ایسے بے خبر ہوئے کہ کتنے ہوش دلائیوں کے مر گئے مگر انکو ہوش نہ آتا تھا نہ آیا۔ جب خدا سے نسبت ٹوٹ گئی تو وہ
عبادات میں، معاملات میں، اخلاق میں، ادائے حقوق میں کیونکر صحیح اور ترین۔ نہ انکا ایاک نعبد صحیح
نہ ایاک نستعین ٹھیک۔ نہ یہ لا الہ الا اللہ سمجھتے نہ محمد رسول اللہ پر دہیان دیتے جب کلمہ ایمان
نہ باقی جمع خرچ ہو گیا جس سے دھیان بے حس، اور دل بے خبر، کہ یقولون با فواہہم ما لیس فی قلوبہم
وہ منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں (ال عمران ۷۰) تو ایسے حال میں ان کے اعمال کا کیا پوچھنا۔
چونکہ انیوالے واعظین و رشتہ انبیا کے تحت نشین لہ تقولون ما لا تفعلون ۵ کیوں وہ کہو جو خود نہ کرو
(صف ۷۱) کے مصداق ہیں۔ غرض سارے کے سارے خدا کو چھوڑ بیٹھے۔ اوس کے کلام سے منہ موڑ بیٹھے۔

فاین تذہبوت تو اسے لوگوں کو ایمان جارہے ہو سنو ستوا الیس اللہ بکافی عبد کہ کیا خدا اس کے بندے کو کافی نہیں۔

طاعت مانیت غیر از ورزش پندار ما ۱۰ ہست استغفار ما محتاج استغفار ما
ہاں تو میری غرض یہ ہے کہ حدیث کی کتاب تو حدیث نہیں ہو سکتی۔ حدیث تو اقوال و افعال رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بلا شائبہ شک شبہ ہم تک پہنچیں، اور ہم جانچ بھی لیں کہ آپ کے قول منزل اور
قول غیر منزل میں اختلاف تو نہیں، یا حدود اللہ تو نہیں ٹوٹتے۔ بس یہ حدیث ہیں۔ اور وہی اقوال
و افعال حدیث نہیں سمجھے جاسکتے کہ یہ شرک فی الثوت ہو گا۔ کیونکہ نہ تو صحابہ ایمان میں داخل اور نہ
سب صحابہ ایک درجہ کے تھے۔ صحابہ میں مومنین بھی تھے، منافقین بھی تھے، برگزیدہ بھی تھے، خطاکار
بھی تھے۔ ایسے بھی تھے جنکی اقتدار کی گئی، ایسے بھی تھے جنہوں نے خلفاء اور صحابہ کو شہید کیا۔ ایسے بھی
تھے جو ناصح تھے، ایسے بھی تھے جن پر حدود اللہ جاری ہوئے۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے حفظ کر کے
قرآن مجید کی حفاظت کی، اور ایسے بھی تھے جو موضوعی حدیثوں کی ایجاد سے دین میں وہ رخنہ ڈالا جو
آج تک نہ بند ہو سکا۔ طالبین بھی تھے طالبین بھی۔ پھر صحابہ کی معصومیت، راویان احادیث کی
معصومیت، قرآن سے ثابت نہیں، داخل دین نہیں، داخل ایمان نہیں۔ معصوم رسول اللہ کے سوا
کوئی نہیں، پھر صحابہ پر کوئی ایمان نہ لائے تو کافر نہیں۔ ایسے حال میں اقوال و افعال صحابہ تابعین
بتبع تابعین کس اصول سے حدیث کہ جائیکا استحقاق رکھتے ہیں۔ اور اسماء رجال کی کتابیں کچھ وحی کی
کتاب نہیں، منزل من اللہ نہیں، وہ کس اصول سے دین میں جگہ پانیکا استحقاق رکھتی ہیں۔ یوں
بلا بنیہ ربح محض عقیدت کی بنا پر اتنا کچھ ملنے ہو تو تثلیث لسنے والے عیسائیوں سے کیوں جھگڑتے
ہو۔ اور غلام امام شہید کی میلا دپر کیوں منہ آتے ہو۔ عقیدت کے آگے تو نہ ثبوت کی ضرورت اندر لیں
کی حاجت۔ آخر مجنون تو خلافت کا مستحق لیلا ہی کو سمجھے ہوئے تھا۔

اگر عقیدت نہیں اور تحقیق آنکھوں دیکھو تو کذا الوصول فی معرفۃ حدیث الرسول ملاحظہ
 کرو یہ کتاب قلمی بانگی پور لائبریری میں موجود ہے۔ لائبریری کا نمبر ۲۲ ہے۔ اس کے صفحہ ۶۵ میں
 لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے ایک کتاب تاریخ کی لکھی ہے جس میں انہوں نے سنہ ۸۰
 تک کے اون راویوں کے نام لکھے ہیں جن سے روایت کی گئی ہے۔ اون راویوں کی تعداد دمعہ عورت
 و مرد چالیس ہزار ہے۔ کیا اسماء رجال کی کتابیں اتنے راویوں کے حالات کے چھان بنان کی ذمہ دار
 ہو سکتی ہیں خصوصاً عورتوں کے حالات کی۔ اسماء رجال نے خود حدیث کی حیثیت اختیار و
 تاریخ سے پیش نہیں کی۔

کیا دین اسلام کی بنیاد ایسی ہی روایتوں پر ہے اگر قرآن مجید ہی دین اسلام کی بنیاد تسلیم ہو تو
 دین کی بنیاد ہی ہل جاتی ہے۔ اور ایک خطرناک دلدل پر قائم ہوتی ہے۔ گوگوٹ ایسا ہی کیا، تو
 عمارت کمزور پڑے گی۔ بہترے کنگرے اگر بھی پڑے، اور بہتری جگہ دیواریں بنتی بھی ہو گئیں، جن سے قیم کو
 راہ مل گئی اور سوت چھوٹا عمارت واسے آرام میں پڑے سوتے تھے۔ اللہ اللہ کل یوم ہر وقت شان
 فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی اتزلنا۔

کالاہ الا للہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ

مسلمہ (۱۲)

قرآن مجید مجمل ہے یا مفصل۔ کامل ہے یا ناقص۔ محتاج تفسیر ہے یا نہیں۔ اگر محتاج تفسیر ہے
 تو رسول مصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا خلفائے، یا صحابہ نے کوئی تفسیر لکھی، یا لکھوائی، یا نہیں۔
 نہیں لکھی تو قرآن مجید کو مجمل ناقابل عمل رکھ دیا کیونچہ پڑا۔ یہ تبلیغ دین کی تکمیل کی خدمت جو سب
 کاموں سے، خلافت کے جگر طون، اور فتح شام و مصر سے بھی مقدم تھی ترک کیوں کی گئی۔
 دوران حالیکہ ختم رسالت کے بعد کوئی نبی انیوالا ہی نہیں جو قرآن مجید کے اجمال کو کھولے۔ اور

اگر قرآن مجید مجمل اور محتاج تفسیر نہیں ہو تو مجمل اور محتاج تفسیر بالاتفاق کیوں تسلیم کیا جاتا ہے، ایسا کسی آیت کے رو سے، یا کسی حدیث مرفوعہ متصل کے رو سے، یا کسی عالم کے کہہ دینے سے ہے۔ یہ سوال علماء کے شاخسانوں سے پیدا ہوا ہے جو قرآن مجید کو مجمل کہہ دینے میں بے باک ہیں حقیقت میں وہ مفصل ہے اور کامل ہے۔ نہ مجمل ہے نہ ناقص ہے۔ نہ معمر اور چھینتا ہے نہ محتاج تشریح و تفسیر ہے۔ ایسا ہوتا تو خدام اسلام جنہوں نے اپنی آباؤی ایمان اور اپنی عزیز جان تک اسلام کو نشانہ کیا وہ نبی کی حضوری میں اس خدمت سے چشم پوشی نہ کرتے، اور تفسیر لکھنے کی کوئی کوشش اور خطا نہ رکھتے، جس پر اپنی ہر بھی ہو جاتی۔ بلکہ وہ بے تفسیر کے قرآن کو سمجھتے تھے اور اوس پر عمل رہے۔

قرآن مجید مجمل کیوں ہونے لگا جب خود خدا کا دعویٰ ہے کہ ہم نے مفصل کتاب اتاری ہے وهو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلاً۔ وہ خدا ہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری (انعام ۱۱۵) لفظ مفصل کی تاویل کرتے رہو، اور اس تاویل سے جو مکتوبوں کی بنیاد قائم کرتے رہو، مگر اس صریح آیت کے بعد قرآن کو مجمل کہنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اگر مکتوب قرآن مفصل معلوم نہ ہوا تو یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے، سمجھ کی صحت کے درپے رہو جب تک سمجھ میں آئے۔ غرض قرآن مجید کو یا تو اس طرح مفصل مانو جس طرح میں نے مفصل دکھایا ہے یا جس طرح تمہاری تشفی ہو سکے، مگر مفصل ہی مانو اور نہ قرآن مجید کا انکار ہو گا۔

قرآن مجید اس دعویٰ کی تکرار پر تکرار سے بھرا ہوا ہے۔ خدا جلے گنتی بجگے خدائے فرمایا ہے مفصل الایت اور قد فصلنا الایت اور کل شیء فصلناه تفصیلاً۔ ہم آیتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں۔ اور بیشک آیتوں کو ہم نے مفصل بیان کیا ہے + اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو تفصیل کا حق ہے (توبہ ۱۱ + انعام ۱۱۵ + بنی اسرائیل ۱۰۷) ایسی آیتوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے مگر قوم کو صریح آیتیں پا کر بھی اپنی ذہانت نہ مانا ویل میں ذریعہ ہجرت پیدا نہیں

ہوتی، اور قرآن مجید کو مجمل کہنے میں لگنت بھی نہیں آتی۔ سنو سنو قرآن مجید کو کیا اوسک کسی حکم و ہدایت کو مجمل کہنے سے تفصیل کی ساری آیتوں کا انکار ہوتا ہے تو اس سے بچو اور خدا سے ڈرو۔ واللہ
 احق ان تفسوہ ان کنتہ مومنین ۵

خدا نے فرمایا و نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء و ہدی و رحمۃ و نبشیر
 للمسلمین ۵ اے رسول! ہم نے تم پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے، اور وہ ہدایت
 اور رحمت اور بشارت ہے۔ مسلمانوں کے لئے (نفل ۱۲) ہر چیز کا ایسا بیان جو پردہ نکھالیں ہو، یا
 مجمل ہو، یا نا کامل ہو، یا جیسے بغیر انسانی رائے کی تفسیر اور اضافہ کے عمل درآمد نہ ہو سکے، وہ ہدایت
 اور رحمت کیونکر ہے۔ مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ کا امر اور سود کی تنہی، موجود اگر صرف لفظی احکام تو ہیں، اور
 کس طرح تعمیل کئے جائیں مجمل قرآن میں موجود نہیں، اور ان کے نافرمانوں کیلئے ہم تیار کیا عدل
 خداوندی اس کا مقتضی ہے۔ کیا یہ مقتضائے انصاف ہوگا کہ حکم تو ایسا مجمل دے کہ تعمیل نہ ہو سکے، اور
 ان کی تعمیل کیلئے انسان مرکب خطا و نسیان کی تصنیفوں اور طبع آزمائیوں کی طرف رجوع کرنا پڑے،
 تو ایسا حکم حجت پر یا رحمت۔ قرآن کا مجمل دکھائی دینا قدیم کے آباؤ اجداد کی عقیدوں اور علما و متقدمین کی سطوت
 سے پیدا ہوا ہے، ورنہ میرے نزدیک تو بلاشبہ جیسا خدا نے فرمایا ہے قرآن مجید میں ہر دینی باتوں کی
 چھوٹی ہون یا بڑی مفصل ہدایت موجود ہے، اور بلاشبہ قرآن مجید عین ہدایت و رحمت ہے۔ اوسکے عمل
 کو خدا کی بشارت میں پہنچیں۔

و لقد جعلناہم بکتاب فصلانہ علی علم ہدی و رحمۃ لقوم یؤمنون ۵ یعنی ان کو کتاب
 پہنچادی جس کو ہم نے علم نہایت مفصل بیان کیا ہے اور یہ مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت
 ہے۔ (اعراف ۱۷۸) امانا و صدقنا۔ حیرت در حیرت کہ خدا مفصل کہے تو وہ غلط، اور علما
 مجمل کہیں تو وہ صحیح۔۔

خدا نے فرمایا کتب فصلت الیہ قرآن انا عمر بیا القوم یعلمون بشیء او نذیرا و افلا یرض
اکثرهم فہم لا یسمعون یہ ایک کتاب ہے یعنی قرآن عربی زبان کا کہ اس کی آیتیں مفصل بیان کی گئی
ہیں۔ یہ سمجھ والوں کیلئے کثیر و نذیر ہے، تو ان میں سے بہتروں نے اعراض کیا اور وہ سنتے ہی نہیں (مجموعہ)
بے شک قرآن کی آیتیں مفصل بیان کی گئی ہیں، اصدق اللہ تعالیٰ۔ مگر لوگوں کا حال یہی تھا
اور یہی اب ہے پہلے کفار اعراض کرتے تھے کس کس کی وجہ سے، اور اب سلمان اعراض کرتے ہیں مجمل کلمہ
علماء پرستی کی وجہ سے۔ اور تفصیل و تفسیر کے معنی سمجھا کے ہیں حاشیہ چھانے اور رنگا میزری کر نیکی
قل انما اتبع ما وحي ابي من سبی هذا ابصار من سبکہ۔ کہد و اے رسول! کہ خبر این
نیست کہ ہم قرآن مجید کی اتباع کرتے ہیں، یہ تمہارے خدا کی طرف بصیرت ہے۔ (اعراف ۱۷۷) معلوم
نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مجمل قرآن کی اتباع کیسے فرماتے تھے۔ اگر آپ کی اتباع کسی دوسرے
وحی غیر متلو یا حضرت جبریل کے مشہور روئے پر تھی، تو یہ قرآن مجید کی اتباع کیونکر ہوئی۔ اور اگر قرآن
مجید کو مجمل محتاج تفسیر تو یہ بصیرت کامل ہوگی یا ناقص۔ نجات دلائی والی ہوگی، باوجود ہلکے میں گرا نہوا
حاشا قرآن مجید کی تجلی دھندھی نہیں، وہ تو خدا کی تجلی ہے، ان جسے دکھائی دے۔ اسی کی تجلی ہیں رسول
معصوم صلی اللہ علیہ وسلم دھکے ہوئے تھے، اور اسی کی روشنی صحابہ اور ہر منزل مراد پر پہنچنے والوں کی
مشعل راہ رہی ہے۔

تفصیل و اجمال کا فیصلہ قرآن مجید طرح طرح سے کر رہا ہے اب اس کے فیصلہ کو بھی مجمل کہد تو پھر
مفصل کسے کہو گے۔ قرآن مجید دیکر خدا نے دین کامل کر دیا، یہ کسی کتاب کا محتاج نہیں۔ (ایوم الکلمات
لکم دینکم۔ اور اپنی کتاب دیکر اسنے نعمت تمام کر دی کچھ آئندہ زمانہ پر اوٹھانر کھی۔ اتممت علیکم
نعمتی۔ خدا کی باتیں ادھوری نہ رہیں تمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلماتہ
تیسرے پروردگار کا کلام سچائی اور انصاف میں پورا ہے۔ اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں (انعام ۱۷۵)

جہاں یہ دعویٰ ہو کہ لاسرطب و لایابس اللہ فی کتاب مبین - دین کی کوئی چوٹی بڑی بات چوٹی نہیں ہے جو خدا نے قرآن میں بیان کر دیا ہو - تو اب ہر مسلمان کا فرض ہو کہ وہ دکھاوے کہ جو باتیں دین کی ہیں چوٹی ہوں یا بڑی قرآن میں موجود ہیں، اور جو قرآن میں نہیں وہ دین کی بات نہیں، پھر ساری باتیں تمام ہیں، کامل ہیں، مفصل ہیں، بصیرت حاصل کرنے والوں کیلئے بصیرت تامہ ہیں، ماسر اسر ہدایت و رحمت ہیں - تو بشارت ہو مومنوں کیلئے جو ایسا سمجھتے ہیں -

اگر قرآن مجید کو مجمل کو محتاج تفسیر تو اسکی دلیل قطعی کیا ہو، کو کسی آیت اسکی حامی ہو، اگر کوئی آیت اسکی حمایت نہیں کرتی تو یہ عقیدہ علی بنیہ رب نہیں ہو، بلکہ تفصیل کی آیتوں کے سہرے خلاف ہے، یا فرض ایسا سمجھو تو اسکی تفسیر کرو گے ظنیات سے، اور ظنیات سے تفسیر کرنے میں قطعاً غلطی ہو جائیگا۔ اور قرآن مجید کی قطعیت ہی کھو جائیگی، پھر جب قرآن مجید کی قطعیت ہی نہ رہی، تو چاہے تفسیر کرو کر دو دوسرے ظنیات کی نسبت خدا نے حکم دیا ہو - ان الظن لا یغنی عن الحق شئاً - ظن لگان حق دنیا و دہکسنا خدا نے فرمایا - قل یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اعتدی فانما یتعدی لنفسہ و مضیل فانما یضل علیہا و ما انا علیکم بواکیل - کہہ دے لو کہ خدا کی طرف سے تمہارا پاس قرآن آچکا تو جس نے ہدایت حاصل کی وہ اپنے لئے اور جو گمراہ ہوا تو اسکو وبال بھی اسی پر ہم تم پر کچھ سلام تو میں نہیں (یونس علیہ السلام) اپنے قرآن مجید لاکر دیدیا ہو چاہو ہدایت حاصل کرو و نگرو، اب رسول کی ذمہ داری نہیں - تو قرآن مجید کو مجمل کہہ کر اسکی تفصیل تفسیر کا ایک ذمہ وار ٹھراتی ہو تو اس آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، کیونکہ قرآن مجمل ہی نہیں، جیسا کہ خدا کا دعویٰ ہو - اگر مجمل ہو کہ احکام صاف نہیں کہتے تو منہ ہدایت کیونکر صحیح ہو سکتا ہو، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذمہ وار ٹھراؤ کہ ان اجمال کو کھولنے کے آپ ذمہ وار ہیں تو ما انا علیکم بواکیل اور ایسی برأت ذمہ داری کی جتنی آیتیں ہیں وہ کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں - اسلئے قرآن مجید کو مفصل اور تمام اور کامل تسلیم کرنا گزیرے، کہ وہ کسی طرح تفصیل و تفسیر کا

محتاج نہیں۔ تفسیر تو غیر عرب کیلئے ہے کہ وہ صرف و نحو اور لغات و محاورات کے دقائق کو کھولے تاکہ زبان نہ جاننے والوں کیلئے باعث سہولت ہو۔ اس سے قرآن محتاج تفسیر و تفصیل نہ ہو جائیگا۔ یہ کہنا کہ قرآن مجید نہایت متعلق، اور دنیا کے سارے علوم و فنون کی آمیزش سے نہایت ادق بنا رہا تو تارا گیا ہو کہ ہر کوئی اسکے مطالعے پانے سکے، بلکہ برہمنوں اور پندتوں کی طرح مدرسہ کے مستد یافتہ علما ہی جو شان نزول کے اسرار قصص اور ناسخ و منسوخ کے رموز سے واقف ہوں اسکو سمجھیں تو سمجھیں۔ یا اسکے سمجھنے کیلئے ایام جاہلیت کے اشعار اور وہ بھی لاکھ دو لاکھ یاد ہونے لازمی ہیں۔ یا اسکے سمجھنے کیلئے منطق، فلسفہ، طبیعیات، علم مجادلہ وغیرہ وغیرہ اسلسلہ نظامیہ کے سارے نصاب اسکا ہی ہونی بلکہ ان میں کمال ہونا ضروری ہو، اسلئے ہمکو قرآن سے کیا فائدہ اور کیا تعلق، ہمکو اوس سے کیا کام اور کیا واسطہ، ہمکو علم سے کام ہو جو ان صفات کے ہوں، یا اگر علم اس جو علم کی رايوں اور ان کے اختلافات کو کتاب چھکریان کر سکیں۔ اور ان باتوں کا ذخیرہ چونکہ تفسیر میں ہی ہے اسلئے ایسے علما جو تفسیر پر محکم ترجمہ کر سکتے اور اختلافات بیان کر سکتے ہوں درکار ہیں تو قرآن سمجھا سکیں نہ سمجھا سکیں۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہو، کیونکہ قرآن جن پر اتراتا تھا یا جنکو تبلیغ کیا گیا تھا کوئی بھی ان صفات کا نہ تھا بنی آدمی تھے خدا ہی نے فرمایا بنی آدمی الذی یومن باللہ وکلماتہ۔ اور وہ بھیجے بھی گئے تھے امیون ہی میں ہو الذی بعث فی الصیغین رسولاً۔ خدا نے امیون میں رسول بھیجا، اور اسی علمائے امیون میں نہیں بھیجا، اسی لئے فرمایا ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر، یعنی قرآن نصیحت حاصل کر نیکیلئے آسان بنایا، تو ہر کوئی نصیحت حاصل کر نیوالا۔ (القمر ۱۷) خداوند عالم نے قرآن مجید ہر کس ناکس، عالم و جاہل، سب کی ہدایت کیلئے اترایا، اسلئے ویسا ہی آسان بھی کر دیا ہو کہ ایک عربی سمجھ لے، مگر لوگ سمجھنا چاہتے نہیں وان کثیرا من الناس عن آیتنا العفلون، ہر تیرے میری آیتوں سے غافل ہیں۔ (یونس ۱۰) سمجھتے ہی سمجھتے غفلت ہو۔ اہل عرب قرآنی زبان کو مٹھیے اور ہم بھی ایسی

ہو کہ ایسے اجنبی ہو گئے کہ اپنی عربی زبان سے بالکل غیر انوس ہی نہیں بلکہ اوسکے حصول سے بھی غافل ہوئے کہ ادب عربی کی تعلیم مفقود ہو گئی، اسلئے قرآن سمجھو سمجھائی کی صلاحیت ہی جاتی رہی، پھر قرآن کی تفصیل متکشف ہو تو کیونکر یہ کام تھا ادب ہلکا کا کرنا پڑا مجھ جیسے جاہل کو کیا کیا سبب آخر کی مرضی۔ قرآن مجمل ہو اور حدیث مفسر قرآن قطعی ہو، اس دعویٰ کی مدعی کو نسی آیت یا کو نسی حدیث صحیحہ پر ام کہ سلطان صلیہ فأتوبلکنا کہ ان کلمتہ صلا قین اگر تمہارے پاس کوئی واضح دلیل یعنی کوئی آیت ثبوت کی ہو تو یہی کتاب پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ ہرگز پیش نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن مجمل ہو اور محتاج افسوس قرآن مجید اس برتاؤ کا مستحق تو ہرگز نہیں کہ اوسکے ساتھ عقیدتا اور عملایہ سلوک کیا جائے کہ وہ مجمل سیکلے پس پشت ڈالا جائے اور اس میں تدبر و تفکر سے ہر شخص روکا جائے۔ الم یأین للذین امنوا ان تحشم قلوبہم لذلکرا اللہ وہ انزل من الحق کیا ایمان والوں کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا اور تلاوت قرآن کے وقت عاجزی کریں (حدیدہ) وہ وقت آیا بھی اور گیا بھی۔ ایسے تلاوت کرنے والے خدا تک پہنچے۔ اتو اسی کار و نامہ کہ کاش قرآن کی خشوع تلاوت ہر گھر میں جاری ہو، اور تبلیغ کی خدمت پھر سے زندہ ہو کہ قرآن کی مہر نما رہنمائی پھر اپنا جلوہ دکھائے کہ اسرار اللہ کے نعرون سے سارا عالم گونج اٹھے، اور لا للہ الدین الخالص کا پریرا پھر سے اہلنے لگے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسوا اللہ

لا الہ الا اللہ

مسلم (سورہ)

تفاسیر جو موجود ہیں انکی حقیقت کیا ہو۔ اور اگر کوئی ان تفاسیر وں کے خلاف کوئی تفسیر بیان کرے تو چونکہ وہ تفاسیر وں کے خلاف ہو گرنچہ عربی زبان کے مطابق ہی کیوں نہ ہو کیا وہ تفسیر

بالرے ہوگی۔ اور تفسیر بالرائے کے آریکے روئے منہج ہی اور منہج ہے تو تفسیر میں اختلافات
کیوں پائے جاتے ہیں؟

تو اسکی حقیقت یوں ہے کہ قرآن مجید جس طرح خدا نے نازل فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے تبلیغ فرمادی۔ نہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو محتاج تفسیر سمجھا، خلفائے اہل بیت صحابہ
نے، اسلئے مدت مدید تک کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ جو تفسیر کی طرف مائل کرے۔ اللہ والے
قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، اوس میں تدبر و تفکر کرتے تھے، خدا کی راہ پاتے تھے، مکیں اختلاف
اراموا اور اوس موقع پر کسی نے کوئی آیت پڑھ دی، مومنوں کے سر جھک گئے۔ لیکن زمانہ نے پلٹا
کھایا، اور نفسانیت نے اپنی جوا بادی اٹھی، تو متعارض حیثیوں اور مرد و فلسفہ کے حملوں اور ملت و مشرک
کی پاسداریوں نے مرادی احسنوں کی اینٹیں اور تاویلیوں کے مصالحے سے تفسیر کی بنیاد قیام کی، اور
اوس پر اپنے تجربہ کا قلعہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ تفسیر کا سیکورہ رگڑے جگڑے اور طبع آزمائیوں کی رز نگاہ
ہو گئی۔

اتل ما وھی الیک قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو۔ (عنکبوت ۴۵) پر قرون اولی کا عمل الخلیف
نما۔ اور افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقصا الہا کیا لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے
کیا اون کے دلوں پر تالے لگے ہیں (محمد ۲۶) کی تدبر یہ ہر وقت اون کے نصب العین تھی۔ قرآن مجید
ہی ہادی سمجھا جاتا تھا، اور ایمان والے اسی کی روشنی میں اپنی رفتار قیام کئے ہوئے تھے۔
تاویست قرآن مجید ہی اون کا دستور العمل رہا۔ اولئک ہم الفائزون ۵ بیشہ ہم
سہم بر حصہ منہ۔

جب حدیث کی کتابیں لکھی گئیں تو قرآن مجید قرار پایا، اور توجہ حدیث کی طرف جھکی، تو جو
دوسرے اور ضروری کتابیں لکھی گئیں، ان کی حدیث تفسیر قرآن ہی پر قرآن سے بے نیاز نہی

کر دیا، حالانکہ کوئی آیت یا کوئی حدیث صحیح اسکی حمایت کو نہیں کھڑی ہو سکتی۔ ایسے حال میں
 قرآن کا مصروف تلاوت الفاظ، جہاز بھونک، عملیات، تسخیر جہات، توسیع رزق، وصال محبوب،
 ہلاکت دشمن، حصول اولاد، فحشاء، مقدمات، رد بلا، وغیرہ وغیرہ کے سوا اور کیا تجویز ہو سکتا
 تھا۔ قرآن پر قناعت نہ ہوئی تو حدیث پر قناعت کس طرح ہو سکتی تھی، اسلئے فقہ اور قانون ملکی
 بھی دین الہی کی جگہ کی۔ یوں زبانیت اور تعسف نے اپنی گھوڑ دوڑ شروع کی۔ جب فلسفہ کا زور
 ہوا تو ضرورت ہوئی کہ قرآن اویسکے مطابق کیا جائے، اسلئے تاویل کا دروازہ کھولا، اوسپر
 کمزور حدیثوں نے اعانت پر اعانت کی۔ اور مختلف حدیثوں نے اختلاف آرائی کی کھڑی پکائی، یوں
 تفسیروں کا انبار لگا، اور مذہب کو جاننے کیلئے کئی اونٹ کتابین درکار ہو گئیں۔ اسکا لازمی
 نتیجہ تھا اختلاف کا ہونا، اور اختلاف کے سبب آپس میں جھگڑے ہونے، وہ ہو کر رہے۔ یہ
 تفسیر ہوئی۔ پھر جو کوئی ان جھگڑوں کو بیان کر سکے وہ قرآن سمجھنے کا مستحق قرار دیا گیا۔ اب جب مانہ
 بدلا، فلسفہ بدلا، اعتراضوں کا کینڈا بدلا، تو مشکل پڑی کہ پہلا فلسفہ تو تفسیر میں داخل ہو کر
 دین ہو چکا تھا وہ چوڑا جائے تو کیونکر، اسلئے کفر کے فتوؤں کے سوا اور چارہ کار ہی کیا رہا جب
 کفر کی گرم بازی بھی سرد ہوئی، اور دنیا داروں نے اسے لیڈری کا تمغہ بنا لیا، تو اب آنکھیں کھلیں
 اوسپر بھی کیا کھلیں، یہ سوچ نہیں پڑتا کہ دین غریف کی حمایت کیلئے انسانی ہمتی کا کام نہیں دینے کے
 خدائی ہتھیار یعنی قرآن اور صرف قرآن ہی لیکر میدان میں آجاؤ تو پھر میدان ہمارا ہی ہے اور کامیابی ہمارا
 حدیث کے روئے کہ حد ثوا عنی وحد ثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج بنی اسرائیل سے روایت
 کرنی جائز قرار پایا تھا کتابت نہیں، مگر لوگوں نے لکھا بھی۔ اور اخلاق و حکمت کی باتوں اور رسول
 کی تحقیق و اسناد کو غیر ضروری سمجھا، فضائل، ترغیب اور ترہیب کی حدیثوں کی تحقیق بھی غیر ضروری
 سمجھی گئی۔ یہ روایتیں حدیث و تفسیر کی منازل طے کرتی ہوئی بڑے قرآن اور جزو عقائد قرار پائیں۔

اور اس طرح دین اک کتب خانہ ہو گیا، اور اس سے فرقے بن بن کر جو جھگڑے اٹھے تو دین الہی کتابوں کا انبار خانہ ہو گیا۔ پہلے دین کے لئے مسلمانوں کو اک قرآن کافی تھا، اور اب دین کی کما حقہ واقفیت کیلئے عمر نوح اور اونٹوں کتابین درکار ہو گئیں۔ جائز ہو کہ مسلمان اس کا رونار و مین، اور قرآن مجید سے اپنے عقائد کی اصلاح کریں۔

مفسرون کا اس کا ضرور شک گذار ہونا چاہیے جو اونہوں نے تحقیق لغات، اصل محاورات، اور تسمیل زبان میں مصیبتیں جمیلین اور ہم سے جاہل کیلئے قرآن سمجھنے کے ذرائع سہل کر دیئے۔ خدا اونہیں اس کا اجر عظیم دے۔ اور چونکہ ان میں اکثر ان کے کارنامے بنی بر حسن نیت تھے اس لئے محنت اولیٰ سرفیقا میں الکی قرار گاہ بنا لے۔ اور جو غلطیاں اس کا ذرا نیکی مٹی سرزد ہوئیں اونہیں معاف کرے۔ اونہیں میں اپنا محسن اور سر تلج سمجھتا ہوں، لیکن ساتھ اسکے انسان سمجھتا ہوں جس سے غلطیاں ہو سکتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں، پیغمبر اور پور دوحی نہیں سمجھتا۔ میں اون کی رائے کو شخصی رائے سمجھتا ہوں، اور شخصی رائے ضرور نہیں کہ لغزشوں سے پاک ہو، اس لئے میں اون کی لغزشوں سے متفق نہیں۔ اور یہی خیال مفسرون کا بھی تھا جو کورانہ تقلید سے نکلے تھے اور یہی باعث ہوا اختلاف آرا کا۔ اور اختلاف آرا کا ہونا اقتضائے فطرت ہے۔

قرآن مجید کی آیتیں شان نزول کی پابند کی جاتی ہیں اگرچہ اس پر بھی اتفاق ہو کہ ہر چند شان نزول خاص ہوتا ہے مگر حکم و ہدایت عام سمجھی جائیگی۔ تو پھر شان نزول کی ضرورت کیا رہی۔ کہا جاتا ہو کہ بغیر شان نزول کے مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے نزدیک یہ غلط ہے۔ سارا قرآن پڑھ جاؤ۔ ہر شان نزول کے سمجھ میں آئے گا۔ قرآن ہرگز شان نزول کا محتاج نہیں۔ شان نزول تو قصے کہانیوں کی دل چسپی کیلئے ہے، کیونکہ شان نزول میں اتفاق تو شاذ ہی ہے ہر جگہ تو اختلاف کا تماشایہ کوئی شان نزول کا ایک قصہ بیان کرتا ہو کوئی دوسرا پھر حق کسکو سمجھا جائے بوجہ اختلاف دونوں شستہ

جو یا سیکھ لے گا وہ اذین قرآن مجید تو قطعی ہے اور قیسی نہیں کہ قذان واقعہ جو ہوا تھا یا فلان فلان جھگڑا جو ہوا تھا وہی باعث ہوا نزول آیت کلیہ واقعہ نہوتا تو ام الکتاب کی یہ آیت نازل نہ ہوتی اور اسکی عام ہدایت سے دنیا محروم رہ جاتی اور زمین ناتمام رہ جاتا یہ کہنا کہ نزول آیت کا فلان واقعہ سبب ہوا، شخصی رائے ہے، جس کی قطعیت کی کوئی دلیل اور سند نہیں۔ شخصی رائے کا غلط ہونا بھی ممکن ہے اور صحیح ہونا بھی۔ تو قرآن کو شخصی رائے، قیاس، اور ہم و گمان کا پابن کیوں کرو دیا تبم اکثرهم الا فلان طان (الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔ ان میں اکثر لوگمان پر چلتے ہیں اور گمان حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔) (یونس ۱۳۱)

تفسیر وں میں قصص کے تماشے تو اور نزلے ہیں حالانکہ قصے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں وہ ہدایت کیلئے کافی ہیں، پھر اون قصوں میں رنگ آمیزیاں کیوں کرو۔ خدا نے تو فرمایا ان تلبسوا الحق بالباطل حق کو باطل کے ساتھ ملاؤ (بقبر ۱۷۵) مگر کوئی قصہ آمیزش سے مخفی نہیں۔ مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے اور نہواں گھبر کیا۔ اس میں تعلیم ہو صبر کی دی گئی ہے کہ بادیہ و پھر جی کے اون پر مصیبتیں آئیں، ان میں صبر کی تعلیم بھی ہے کہ صبر کرو یہ کافی ہے کہ اگر لگے تم آپ صبر کرو گویا بھی بڑا ہے، اور شیطان کی مقررہ بازی خدا پر چلانے لگا جانا ہے کہ خدا نے شیطان سے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی تعریف کی اور داد چاہی شیطان خدا سے بھی شیطانت شروع کی کہ فلان فلان مصیبت بھی بھیج اور وہ صبر کریں تو جانیں۔ رفتہ رفتہ گھر کے گھر کا صفایا ہوا، مویشیاں، زمین، اولاد مرے ایسے بیان کریں، اور ہر دفعہ شیطان اپنا فقرہ چانا لگے اور بات تک کہ وہ خود بچو کہ بڑھی ہوئے۔ یہ اتنا کچھ ہوا شیطان کے قائل کر دیکو۔ اسے اندر تیری پناہ۔ قرآن ان کہانیوں کا ذخیرہ وارہیں۔ قرآن کی تفسیر اور اس قسم کی روایتیں اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام پر لکھی تھیں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام تفسیر تھی

خدا کے مخلصین بندہ بنیں، الّا عباد اللہ المخلصین شیطان کی دست رسی سے خدا کے مخلصین
 بندے بنتے ہیں۔ زلیخا کی ہزارہا کوششوں پر بھی آپ پاکدامن نکلے۔ جس کی مصیبت گوارا
 کیں اور آلودہ نہ ہوئے۔ اس قصہ میں اور بہتری نصیحتیں ہیں۔ مگر خدا نے نہ کہیں زلیخا کا محل اچھا
 نہ یوسف زلیخا تصنیف کی۔ کیا یہ کافی نہ ہوا کہ تم ایک پیغمبر کا ازاد بندہ کھلو، اور سچے واقعہ
 کو افسانہ بنائے۔ اگر ایک پیغمبر کا بری نیت سے انداز بندہ لیا جائے، تو عوام کا تو زنا بھی
 جائز ہو جائیگا۔ خود حضرت یوسف علیہ السلام کی امت میں بہتر ہے، مقدس لوگ بری نیت سے ازاد بندہ
 کھولنے کے قریب نہ ہوتے ہوں گے، اور وہ تو سچے پیغمبر و عباد المخلصین ہیں۔ قرآن مجید کے ساتھ
 قصوں کا ضخیم بھی منسلک کر دیا گیا ہے اور اس کا نام رکھا گیا اور تفسیر۔
 یہ قصے اور ایسے ہی قصے تو وہ ہیں جو قانونِ فطرت کے اندر ہیں۔ مگر ان نافرمان قوموں کے قصوں پر
 جہنم عذاب نازل ہوتا ہے، عذابِ خداوندی کو خلافِ قانونِ فطرت سمجھ کر بعض کے دلوں میں شکوک
 پیدا ہوتے ہیں، اور مفسرین کی طبع آزمائیاں، یا اہل کتاب کی کہانیوں کی آمیزشیں اور شکوک کا مضمون
 دیتی ہیں، ان کی تشفی کیلئے میں اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خدا کا قانونِ فطرت ہی نہیں قانونِ
 قدرت بھی ہے۔ قانونِ فطرت اور قانونِ قدرت کی الگ سرخی قائم کر کے میں اسکو مقدمہ میں بیان
 کر دیا ہے۔ عذابِ خداوندی قانونِ فطرت کے اندر نہیں قانونِ قدرت کے اندر آیا کرتے ہیں۔ واقعات
 عالم ہوتے تو وہ ہیں قانونِ فطرت کے مطابق، مگر جب قانونِ قدرت کسی دفعہ کے اندر آجاتے
 ہیں تو وہ اک دوسری پیدائش اور دوسرا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ ایجادِ عالم۔ پیدائشِ مخلوقات
 انقلاباتِ عالم۔ اور محاطیتِ مخلوقات قانونِ قدرت کے اندر ہے۔ اور نظمِ عالم۔ قیامِ مخلوقات۔
 ثباتِ عالم۔ اور تغیراتِ مخلوقات۔ قانونِ فطرت کے اندر۔ تم اک کبھی پیدا کر نیکی بھی قدرت نہیں
 رکھتے تم قانونِ قدرت کو کیا سمجھو یہ سمجھ سکتے ہو۔

پھر جو واقعات قانون قدرت کے اندر ہوتے ہیں انہیں قانون فطرت پر کیوں تو لو۔ کوئی ملک
 ڈوبا، کوئی شہر تباہ ہوا، کوئی قوم غارت ہوئی، تو یہ واقعات قانون قدرت کے اندر ہوتے رہتے ہیں۔ سمجھو
 یا نہ سمجھو مگر بالبداہت تو ماننا ہی پڑیگا۔ کیا ملک قوم کو غارت ہونے لگے نہیں دیکھا، لگنے نہیں سنا۔
 ہاں دیکھا بھی اور سنا بھی، مگر تمہیں یقین نہیں آتا۔ زمین کے کارخانے جو کھودے جا رہے ہیں تو زمین کے
 پیچھے سے بڑے بڑے شہر، بڑے بڑے مکانات۔ اور لائبریریاں نکلی ہیں۔ اور عمارتوں اور طوفان فوج
 وغیرہ وغیرہ واقعات کی تصدیق کرتی ہیں۔ یفعلی اللہ ما لیشاء ویحکم ما یرید۔ میری غرض یہ ہے کہ
 قصص قرآنی جتنا کہ قرآن میں بین مقطعی اور سچے واقعے ہیں، غلطی کا وجود کسی طرح بھی کسی عنوان سے
 سہی، اس میں مطلق نہیں ہو۔ ومن اصدق من اللہ حدیثاً۔ قصہ کیا ہو، اک ہدایت نامہ ہو
 میری مراد قرآنی قصوں سے ہونا اس اضافہ سے جو بطور شاخصانہ مفسرون نے بنی اسرائیل
 کے لئے کراضافہ کیا ہے۔

خدا نے فرمایا۔ ان یا جوج وما جوج مفسدون فی الارض۔ یا جوج وما جوج دنیا میں مفسد
 ہیں (کھف ۱۸) اسکی تفسیر میں اتنا کافی نہ سمجھا گیا کہ یا جوج وما جوج دو مفسد قومیں تھیں کیونکہ
 یہ تو بالکل مجمل ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ ضرورت ہے تفصیل کی، تو تفسیر میں روایتوں اور کہانیوں سے
 ذالقبہ دیکر اس اجمال کو یوں کھولا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قتل منی سے یہ دونوں
 قومیں پیدا ہوئیں۔ کوئی تفسیر بالحدیث کرتا ہے کہ ایک قسم اونکی اوس درخت کے مثال ہے جو ولایت
 شام میں ہے کہ طول اوسکا ایک سو بیس گز ہو۔ بعض قسم اونکی طول و عرض میں مساوی ہو۔ بعض
 قسم اون کی ایسی ہے کہ ایک کان اونکا بچھونا ہے اور ایک کان اوڑھنا۔ یہ حدیث بیان کیجاتی ہے جو مفسر
 قرآن ہے کہ قرآن پہلے سمجھ میں نہ آیا تھا اب آگیا۔ معلوم نہیں یہ تفسیر کہاں پر سے ہے۔ حاشا
 از روئے روایت یہ حدیث رسول کی نہیں ہو سکتی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی پر کیا ہے تفسیر تو تا شا گاہ بہت ہے جو ہاں پر ادٹھا کر دیکھو۔ تفسیر طبری جلد دوم از دم۔ قبل
یا امر من بلعی ماء لک ویاسما عاقلی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی حکم دیا گیا
کہ از زمین اپنا پانی نکل جا۔ اور اسے آسمان تھم جا۔ پانی سوکھا دیا گیا۔ اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جو دی
پہاڑ پر جا ٹھہری۔ (ہود) معلوم نہیں کہ اس میں جبل کو کسی بات تھی جسکی تفسیر کی ضرورت پڑی۔ تو اسکی تفسیر
یا محدث کی گئی ہے کہ وہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے، تو اسے حدیث ہی کیوں کہو، اور رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کے ساتھ منسوب کر کے اسکی تفسیر کیوں کر دے۔ طبری بواسط ابن حریج راوی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام
کی کشتی کا بالائی طبقہ پر ندون کیلئے تھا۔ اور زیرین درندون کیلئے۔ اور طبقہ وسطے حضرت انسان کیلئے۔
اور دسے کشتی کا طول ۳۰ گز تھا کشتی کعبہ اللہ کے پاس لئی کعبہ تو ڈوبنا تھا خدا نے اسے بلند کر کے بچا لیا
تھا (اگر وہ بھی ڈوبتا تو کعبہ کی کوئسی بے حرمتی تھی مگر بچایا ہو گا۔) ابن خیال کہ کعبہ تو بیت اللہ تو
اور اپنے گھر کی حفاظت کون نہیں کرتا) تو اس نے کعبہ کا سات بار طواف کیا اگر کعبہ بنایا
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، اور طبعاً ہی ہے کہ بہت بعد ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ طرف روانہ ہوئی اور وہاں
سے پلٹ کر کوہ جودی پر دسویں رجب کو آکر ٹھہری جو جوہر کا دن تھا تا آخر حدیث کیا تفصیل و
تفسیر کے بھی معنی ہیں۔

لہ معقیات من دین یدیدہ ومن خلقہ یحفظونہ من امر اللہ۔ انسان کیلئے اس کے آگے
پچھے پرہ دار قرار میں جو حکم خدا اسکی حفاظت کرتے رہتے ہیں (راہ اللہ) اسکی تفسیر یا محدث کتابۃ
العدد کی روایت سے یوں کی گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول معصوم صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ مجھ کو آپ اس سے مطلع فرمائیے کہ ہر ایک بندہ کی کشتی
کتنے فرشتے ہوتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دائیں ہاتھ پر ایک فرشتہ تکیو کی نگرانی کیلئے بائیں ہاتھ پر
ایک فرشتہ بدیوں کی دیکھ بھال کیلئے، اور فرشتے آگے پیچھے، چنانچہ خدا فرماتا ہے لہ معقیات من دین

یدیدہ ومن خلقہ یحفظونہ من امر اللہ، اور ایک پیشانی پر رہتا ہے کہ عاجزی اور جبرہ سانی کرنی والو سر بلند کرے، اور تنگہ کو ذلیل، دو فرشتے لبون پر درود و سلام کا شمار کرتے رہتے ہیں، ایک فرشتہ منہ کے اندر سانپ کو نہیں جانے دیتا، اور دو فرشتے آنکھوں پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح دس فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں، رات دن اون کا پہرہ بدلا کرتا ہے۔ ابلیس خود انسان کیساتھ دن کو رہتا ہے اور رات کو اوسکی اولاد۔ یہ فرشتوں کے جھنڈ میں ابلیس کدھر سے کودتا ہے۔ اور یہ تفسیر کرمان پر سے ہوئی۔ اگر تفسیر بالحدیث کر دو تو اسکو تحقیق تو کر لو کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے۔ یقیناً رسول کی حدیث ہے یا رسول کے ساتھ منسوب ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

تنزل الملائکۃ والروح فیہا۔ اوس رات میں روح اور فرشتے اترتے ہیں (قدس) اسکی تفسیر کی گئی ہے کہ ایک فرشتہ ہے جو ساتون آسمان کو ایک لقمہ بنا سکتا ہے جسکا سر عرش کے نیچے ہے تو پاؤں ساتویں طبقہ زمین کے نیچے۔ اوسکے ایک ہزار سر ہیں اور ہر ایک سر اس دنیا سے بہت بڑا ہے۔ اور ہر چہرہ میں اوسکے ہزار منہ ہیں، دوزخ تک پہنچا گیا ہے۔ قرآن میں خدا نے فرشتہ کہا تھا وہ مجمل تھا سمجھ میں نہ آیا تھا اوسکی تفسیر ہوئی جس سے سمجھ میں آگیا، اور عقل کو شکنجہ ہو گئی۔ بحیرہ اللہ مایشتاع و یثبت وعندہ ام الکتاب۔ خدا مجھ کو دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے جسکو چاہتا ہے، اوس کے پاس تو ام الکتاب موجود ہے۔ (مرعد علیہ السلام) اسکی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ خوش قسمتی اور بد قسمتی کے سوا کہ یہ تو بدلتی نہیں، باقی دیگر باتوں کو جسے خدا چاہے اول بدل کیا کرتا ہے بعض نے خوش قسمتی اور بد قسمتی کیساتھ حیات و موت کو بھی بڑھایا ہے، یہاں تک تو خیر سے کیسے قدر اتفاق ہوا۔ مگر تعین وقت میں اختلاف پڑ گیا۔ بعضوں کے نزدیک یہ اول بدل کر کی رات میں کرتا ہے، بعضوں کے نزدیک شعب برات میں، بعضوں کے نزدیک یہ کارروائی روزمرہ ہوا کرتی ہے۔ یہ سب بڑی ٹبروں کے اقوال ہیں جن سے اختلاف کرنا قرآن سے اختلاف کرنا ہے جو کفر ہے۔ ان اختلافوں کے ساتھ حدیث

کی طرف رجوع کیا گیا ہو، جو حدیث رسول کیساتھ منسوب کی گئی ہو، تاکہ حدیث مفسر قرآن ثابت ہو، اور یہ ہو کہ حق تعالیٰ رات کی پچھلی تین ساعتوں میں نزول فرماتا ہو، پہلی ساعت میں اس کتاب کا افتتاح کرتا ہے جسے خدا کے سوا کسی نے دیکھا ہی نہیں، پھر اس میں جیسا کہ چاہتا ہو، مٹاتا ہو، ہٹاتا ہو، یا پچھلی ساعت میں یہ کارروائی ہوتی ہو، معلوم نہیں کہ حدیث کے ہوتے پھر اختلافات کس بنا پر ہوئے۔

اس آیت میں نہ خوش قسمتی ہو، نہ بد قسمتی، نہ حیات و موت سے بحث ہو، نہ دیگر معاملات سے۔ نہ قدر کی رات کا ذکر ہے، نہ شب برات کا۔ نہ خدادن کا پابند ہے، نہ رات کا۔ نہ رات کی پہلی یا پچھلی ساعتوں کا۔ نہ اس کو عروج ہو، نہ نزول۔ نہ وہ غیر سے محاط ہو، نہ کتب نبی کا محتاج۔ نہ اس کی رضامین غلطی ہو، نہ اس کو روز بنانے کا ٹٹنے کی ضرورت۔ نہ اس میں تلون ہو، کہ روز بنائے، اور رات بنائے، خود بنائے، خود مٹائے۔ نہ اس سے غلطی ممکن ہے کہ روز روز یا سال یا سال وہ اپنی غلطیوں سے متنبہ ہو، اور اس کی اصلاح کرے۔ معلوم نہیں کہ یہ سب قرآن مجید کے کن لفظوں کی تفسیر ہے۔

اور بات اتنی ہو چو پوری آیت پڑھنے سے خود ظاہر ہو جاتی ہو۔ ماکان الہیوں ان یافئ
 بایۃ الابدان اللہ کل احسن کتاب طیحر اللہ مایشاہ ویشبت وعندہ ام الکتاب۔ رسول کی
 یہ شان نہیں کہ وہ بغیر حکم خدا کے کوئی آیت لاسکے۔ ہر زمانہ کیلئے ایک کتاب ہو۔ خدا جس کتاب کو چاہتا
 ہو کر دیتا ہو اور جس کو چاہتا ہو قائم رکھتا ہو۔ خدا کے پاس تو ام الکتاب موجود ہو (مرعد) اس کے بعد
 احکام تبلیغ ہیں۔ اس آیت کا صاف مطلب یہ ہو کہ خدا نے جتنے رسول ان کو بھیجا اور وہ کتاب اللہ کے
 لیے وہ بے حکم خدا اپنے جی سے گزرتے گئے، کیونکہ یہ رسول کی شان سے بعید ہے۔ خدا نے ہر زمانہ میں کتاب
 بھیجی، مگر قرآن مجید کے سوا اب کوئی کتاب برسی نہیں، کیونکہ خدا جس کو چاہتا ہے دنیا سے محو کر دیتا
 ہے جیسا کہ اس نے اگلی کتابوں کو محو کر دیا، اور جس کو چاہتا ہو قائم رکھتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کو
 قائم رکھا۔ یہ تو ایک امر واقعہ ہو، بدیہیہ سے میں داخل۔ یہ اتنی صاف اور صریح بات کا تفسیر ہیں

طوبار باندھا گیا ہے اور اسی کا نام رکھا گیا ہے تفسیر۔

الم ترکیف فعل سہلک بعد اسرہ ذات العباد القی لم یخلق مثلاً فی البلادہ کیا تھے تو ہوجا
نہ کی کہ قوم عاد کیا تھا جو آدم کے رہنے والے بڑے بڑے ستون والے تھے کہ اس جیسی آبادی کسی
شہر میں پیدا نہ کی گئی خدا نے کیا کیا (الفجر) اسکی تفسیر میں مفسرین نے باعث تباہی زلزلہ کو بتایا ہے
اور زلزلہ کی علت یہ فرمائی ہے کہ زمین کو کائے سیننگ پر اوٹھائے ہوئے ہو واجب وہ سیننگ
بدلتی ہے تو زلزلہ آتا ہے۔ یہ قرآن مجید کی تفسیر ہوئی داخل فی الدین کیا رطب یا بس کی پٹری پکا دو
تو وہ تفسیر ہو جائیگی۔ مگر زلزلہ کی اس علت سے اتنا پتہ تو چلتا ہے کہ اسی زلزلہ کے ڈر سے ہندو
میں گوپرستی آئی ہے تاکہ وہ گائے پوجے کی قوت سے قوی اور راضی رہے اور سیننگ نہ بدلے یہ
بھی پتہ چلتا ہے کہ چونکہ زلزلہ جاپان میں بہت آتا ہے۔ اس لئے گوپرستی کی رسم جاپان سے چین تھی
ہوئی ہندوستان پہنچی ہوگی۔

یا جوج ماجوج کی تفسیر جہان پر کی ہے وہ ان قرآن کے اجمال کو یوں کھولا ہے کہ وہ خدا کے مقابلہ میں
جنگ کر چکے اور آسمان پر تیر چلائیں گے، پھر خدا آسمان سے اون پر خون برسائے گا حکم دے گا یہ تفسیر
ہو نہ ہو مگر خدا اور بندوں کے وارد کھینے کے لائق ہوں گے، اگرچہ جو برابر کا نہیں مگر آسمان سے جو
خون برسیگا اس سے اونکو اپنی کامیابی کا یقین تو ہو جائیگا کہ دشمن کو مار لیا اور آسمانی بادشاہت
جیسا کہ انجیل میں کہا گیا ہے لی۔ اور اب دنیا کی شاہی بادشاہت نہیں بلکہ ری پبلک ہوگی۔ اور
خوشامدیوں کے ایڈریس اور اخباری دنیا کے غلقہ سے دسا کا پھل پھل دیکھنے کے لائق ہوگا۔ تمام
بے تار کی تار برقیان و ویرینگی کہ اب خدا کا راج نہیں رہا۔ یا پبلک ہی پبلک کی کیا اون کے وارث اور
اون کے اکلوتے بیٹے کا راج ہوگا۔ تفسیر میں دلچسپی کی کمی دیکھ کر میں نے او سکوپور اور دیباگرہ وارث
خدا کے راج کا حال تو کچھ لکھا ہی نہیں اور دلچسپی اسی میں زیادہ ہوگی۔ اخذ باللہ من الشیطان الرجیم

لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم۔

غرض تفسیر و ن کا حال کما شاک دکھایا جائے۔ میں تو تفسیر اسے سمجھتا ہوں جو قرآن مجید کے قواعد نحوی، لغات، اصطلاحات کو حل کرے اور مطلب کی پھر چھادے کہ خدا نے کیا فرمایا جیسے تفسیر جلالین وغیرہ اور جو اختلاف علماء کا بازار لگائے، اچھے تفسیروں کا طوطا مارنا نہ ہو وہ تفسیر نہیں علماء کے شاخسانی ہیں اور تبحر کا ثبوت تفسیر و ن کے اختلافات کو دیکھو تو کونسی تفسیر ہے جو بالرائے نہیں۔ میں انہیں دیکھوں تو گھبراتا ہوں جس میں قرآن کا مطلب کھوجا تا رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دینی حیثیت سے اسی زمانہ میں پہنچو جو ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا تا کہ تم اوں برکتوں کے وارث بنو جو صحابہ پر نازل ہوئی تھیں

فأمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا

لا إله الا الله محمد رسول الله والقرآن كلام الله

مسئلہ (۱۴)

قرآن وحدیث وفقہ تینوں کی کیا کیا منزلیں ہیں اور خدا و رسول کے ساتھ تینوں کی کیا کیا نسبتیں ہیں۔ اور فقہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا منزلت ہے ؟

قرآن مجید کی نسبت میں نے اوپر بیان کیا ہے اور نقلاً اور عقلاً ثابت بھی کیا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے، تو ریت کی بشارت ہے، خدا نے اسے نازل فرمایا، رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ کتابت ابداً و بصر حفظاً اور سنا سنا کر اسکی تبلیغ فرمائی، جو متواتر اہم تک پہنچا اور ساری دنیا میں شائع ہوا، اور چونکہ کاتون شائع ہے۔ پھر کلام ربانی کی منزلت کا کیا پوچھنا۔ اسکی ثنا و صفت خود وہی کرے تو کرے انسانی زبان کی کیا بساط۔ ہزار قرب کوئی حاصل کرے مگر کلام تو مستحکم میں ہے، مستحکم سے ہے، کلام ربانی کی روحانیت اک خدائی نور ہے جو خدا ہی کی طرف بادی ہے۔ یہ کلام ہفتہ قصود و ہفتاد قالب طے کر کے نہیں آیا بلکہ چونکہ اسکی کوئی صفت بھی اس سے مستتر نہیں ہو سکتی، محضاً صفت تھکی کہ مستحکم سے مستتر ہو ہی نہیں سکتی

اسلئے اسپر بھی کہ وہ کلام ہم تک پہونچا، اور یوں اسکی صفت تکلمی کا ظہور ہوا، وہ کلام تکلم ہی میں اور
 متکلم ہی سے ہے۔ پھر اسکے ذریعہ سے منازل قربطے کرنے میں دوری کو گنجائش نہیں، اور اسلئے اس
 میں ٹھہراؤ کا مقام بھی نہیں۔ اسکے مسافر کو چونکہ ٹھہراؤ نہیں۔ رہنوں اور قزاقوں کا کوئی کھٹکا بھی نہیں
 قتل اور جمل پہاڑی جو کلام بے کیفی میں ڈوبا اور اسکی کچھ تباہ پائی وہ متکلم حقیقی تک پہونچا۔ اور صرٹو با
 اور صرٹو پنچا۔ یہودی اللہ لنور کا من یثشاء۔ خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے۔ (نور ش)
 کلام ربانی کے ظاہر متکلم ہمارے رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم میں جیسے صفت خلاق کے ظاہر امظہر
 والدین ہیں۔ نہ خلاق حقیقی والدین ہیں، نہ کلام ربانی کے حقیقی متکلم ہمارے رسول معصوم ہیں صلعم۔ اسلئے
 اس کلام پاک کی تلاوت کا حق اگر ادا کر سکو، اور اس میں ریاض قلبی صحیح نسبت اور کیسو توجہ کے ساتھ اگر
 کر سکو، تو رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے برنج۔ قدس کی زیارت سے فیضیاب بھی ہو سکے گا، کیونکہ کلام پاک
 کے منظر آپ ہی ہیں۔ یہ تو کر سکی بات ہے، اگر کے دیکھو، اگر کر سکتے ہو۔ غرض خدا و رسول سے ملانوالی چیز ہر
 پاس قرآن مجید ہی ہے، اور واعظہموا بحجج اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ خدا کی رسی کو مضبوط دھرو اور اس
 میں پھوٹ نہ ڈالو۔ (آل عمران ۱۰۴)

یہی حدیث کی کتابیں۔ تو وہ مصنفہ رسول نہیں، مصدر قدس رسول نہیں، محکوم بہ اطاعت نہیں، سارا
 حدیثیں منسوب بہ رسول بھی نہیں، سلسلہ روایت اور راوی کی جانچ غیر قطعی، غیر محفوظ اور معتبر نہیں
 باہمہ انتخاب جو رہتی بھی ہیں انکی قطعیت باہمہ تحقیق شائبہ ظن سے خالی نہیں، اسلئے حدیثیں ظنیات
 میں ہیں، خبر و تاریخ میں داخل، متواترات تو ہیں یا پانچ ہیں، تو ظنیات کے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 ذمہ وار نہیں، پھر جس کے آپ ذمہ وار نہیں اس سے آپکی نسبت کو قائم کرنا، اور اس سے آپکے
 دینی اقوال و افعال کی نسبت جوڑنی آپکی منزلت کو گھٹانا ہے، اور آپکے ساتھ ظنیات کی نسبت کرنی
 سوا ادب ہے۔ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور منزلت تو قرآن کے ساتھ ہے۔ قرآن کریم قوی قرآن

اور رسول کریم علی قرآن ہین، قول بے کیف نے قرآن کا جامہ پہنا، اور فعل بے کیف یعنی حقیقت جامعہ نے رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ خدا کا قول فعل ایک ہے۔ احوال کو دو نظر ایک کا اور حقیقت ہین کو ایک۔ وحدت کی جلوہ آرائیان دیکھو کہ اراد کو پونچو۔

پھر حدیث کی کتابوں کی منزلت موجودہ توہیت و انجیل کی منزلت ہی یا خبر و اخبار اور تاریخ و سوانح کی منزلت ہی بلکہ لحاظ اسناد و روایت ان سب سے بالاتر۔ لیکن تحقیق و قطعیت کے رو سے قرآن کریم سے کہین فروتر ہے، اور کسی سند سے داخل فی الدین نہیں۔

مگر فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون حسنه۔ ہمارے ایسے بندوں کو بشارت جو بات سن لیتے ہین پھر ابھی باتوں کی پیروی کرتے ہین (مرضی ص ۱۷۷) کے اصول پر حدیث سے، اقوال و بشارتوں سے، اقوال حکماء سے، تاریخ سے، انما صحون یا واعظون سے، یا ہم سے، اؤن سے کسی سے، جو اچھی بات سن پاؤ تو اؤس کے معمل بنو۔ یہ تمہارے لئے کامیابی اور بشارت خداوندی کا موجب ہو گا یہ اکل اصول خداوندی ہو جو نبی ہو حکمت اور عقل پر۔ انسانی کلام نے ایسے کو یوں اراد کیا ہو خذ ما صفا و ع ما کذرا ان جو چیزیں یوں جانچی گئیں کہ جنکی تحقیق کا حقہ نہیں ہوئی اونکو الگ کرو جو خلاف عقل ہوں علی ان کو بھی۔ جو محقق ہوں یعنی مرفوع سند متصل حسن صحیح مشہور وغیرہ اونکو قرآن مجید کے آگے پیش کرو اگر قرآن مجید کے مخالف نہوں، اگر احکام و ہدایات ربانی اور حدود و انذار کو کم و بیش کر کے توڑنیوالی نہوں تو اونکو حدیث نہیں بلکہ الفاظ رسول قرآن کہو یا قول رسول غیر منزل۔ جیسا کہ بالانصریح اوپر بیان کیا گیا۔

ہر ہی فقہ۔ تو خدا فرماتا ہو۔ فلا تفرق من کل فرقۃ منهم طائفة لیتفقہوا فی الدین ولینذرہا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون۔ پھر انکی ہر جماعت میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلو کہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب قوم کی طرف رجوع کریں تو اونکو ڈرائیں شاید وہ بچتے رہیں۔ (توبہ ص ۱۷۷) فقہ کے معنی قضایا کے نہیں بلکہ دین میں سمجھ پیدا کر نیکی ہین، کہ دین میں سمجھ پیدا کر لو تو غلط و نصیحت سے

قوم کو ڈر اور جو خدمت تبلیغ ہو۔ اسکی بہتری جگہ ہدایت ہو۔ لعلم تفقہون ایک جگہ کیا بہتری جگہ ہے۔ صحابہ جو مسلمان حنیف اور خدا کی طرف یکسو تھے، وہ فقیہ تھے، جنہوں نے اس تبلیغ کی خدمت کو ادا کیا، جو بار آور ہوئی، اور وہ فائز المرام ہوئے۔ اب تو قوم نے فقہ کو دو ٹکڑے کر ڈالا اور بیخرفون الکلم کے مصداق بنکر اس کے معنی بدل دئے۔ عملاً فقہ کی تقسیم کی گئی، فقہ شریعت اور فقہ طریقت، فقہ شریعت کے معنی اسلام کی ظاہری شریعت کے فتوؤں اور احکام سلطنتی کے ہوئے، اور فقیہ شریعت کو لقب دیا گیا امام کا۔ اسی طرح فقہ طریقت کے معنی باطنی اسلام کے ہدایات کے ہوئے، اور فقیہ طریقت کو لقب دیا گیا صوفی کا۔ رفتہ رفتہ فقہ کے معنی بیع و مسلم و اجارہ و کفالت وغیرہ کے متعلق فتوؤں کے لئے گئے ہیں حالانکہ ایسے فتوے تو متعلق سیاسیات ہیں، ان سے دین کو کیا تعلق، تعلق ہو تو بے سیقتہ رکہ قرآن مجید کے اصول سے، اسکی ہدایات و احکام سے، اس کے اشارات اور دلائل سے، کوئی معاملہ خلاف نہ ہونے پائے۔ اسی طرح فقہ طریقت کے معنی طریقہ پیری و مریدی، رسومات خانقاہ، اور مجالس سماع کے لئے گئے ہیں، حالانکہ یہ تو متعلق رسومات تصوف ہیں، فقہ طریقت یا صراط اللہ کو ان باتوں سے کیا تعلق۔ اسکو منہاج الحق میں دیکھو

فقہ کا پتہ جو قرآن مجید سے ملتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ جی یا تفصیلاً کروا اور وہ قضایا نئے دین کی بنیاد ڈالے، قوم میں تفرقہ پیدا کرے، اور بیت اللہ میں چار مصلے قائم کئے جائیں جنکو نبی یا صحابہ نے قائم نہ کیا۔ اگر خود بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے یا تشریف لاتے تو وہ بالضرور چاروں مصلے کا ایک مصلے مسلمانوں کا قائم کرتے چنانچہ کسی فقیہ یا امام نے نیا دین قائم نہیں کیا، اور ان کے ماتر وادانے نے اونکی طرف بہت کچھ منسوب کر کے، اور ان کے برگزیدہ صفات میں غلو پیدا کر کے، تفرقہ پیدا کیا ہے، اور اونکی رایوں اور قضایا کو دین سمجھ کر کھا ہے، مگر وہ اس سے بری ہیں۔ کسی فقیہ نے یہ نہ کہا کہ میری رائے وحی منزل من السماء ہے، یہ بھی نہیں کہ میرا تفصیلاً الامام یا القائے زبانی ہے، اور کسی طرح بھی داخل

فی الدین ہے بلکہ سب سے پہلے کہا کہ میری باتوں کو اور سوقت تک نہ مانو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ سب سے کون سا کہا، اور اسکی اصلیت کیا ہے اور اسکی سند کیا ہے۔ قضا یا کو چاہو وہ مصر و قسطنطنیہ یا مکہ و مدینہ یا کسی سلطنت اسلامی کے کیون نہوں دین میں داخل کرنا، انسانہ فی الدین، تجاوز عن الحد، خدا کی دی ہوئی آزادی کی بندش، مملوکات عقلی پر قبضہ ناجائز ہے۔ ہاں قرآن مجید میں سمجھیں اگرنا فقہ ہے۔ اور اسکو سمجھانا اور پھیلانا فقیر امام کا کام ہے علماء کیلئے تو یہ فقہ عبادت اور خدا رسی کا ذریعہ ہے اور جہلا کیلئے خدا کی رحمت۔ جاہل نے سمجھ سے کام نہ لیا اور نہ لے سکا پھر بھی راہ پر ہو گیا تو منزل کو پہنچ گیا اور مراد کو پالیا کیا کیا کوئی اندھا لکڑی یا دوسرے کی اچھ کے سہارے منزل تک نہیں پہنچتا، اسی لئے تو ضرورت فقہ اور انداز کی ہوئی کہ بے سمجھ سمجھد اسکے سہارا تقلید چلیں، اور قرآن کے جاہل قرآن کی ہدایت پاسکیں۔ تو جس فقہ نے احکام کیلئے قرآنی دفعات کی طرف رجوع کیا اور صریح آیتوں سے جواب دیا تو وہ قطعی خدائی حکم ہے۔ اگر اشارہ النص اور دلالت النص سے جواب دیا تو اسکی حقانیت میں بھی کیا کلام۔ استدلال مختلف ہوں گے تو باہم اختلاف سبب ہی حق ہوں گے چونکہ برزائے قانون الہی ہوں گے، اور اسی لئے یہ اختلاف ہی رہیں گے، فرقے اور پارٹیاں و بنائیں گے، حیثیت اختلافات صحابہ۔ اور جس فقہ نے اپنی رائے کی طرف رجوع کیا یا غیر قطعی اسناد کی طرف تو وہ ملکی قانون ہو سکتا ہے دینی قانون نہیں ہو سکتا۔ اسلامی قانون کو محمد بن کو کہا جاتا ہے اور اسکی نسبت قرآن مجید سے نہیں ہے اور یہ اسلامی قانون فقہ کی نسبت جو قرآن مجید کی آیت اوپر دی گئی ہے تو او میں خدا نے فقہ کو کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا کہ مخصوص زمانہ ہی کے اندر جتنے فقہ ہو جائیں ہو جائیں پھر نہیں ہو سکتے۔ تو جب خدا نے مخصوص نہ کیا تو ہم کیوں مخصوص کرو۔ طائفہ فقہاء ہر زمانہ میں ہونا چاہئے کہ جاہلوں کی راہ بند نہ ہو اور عالموں کی رفتار کھوٹی نہ ہو اور انداز و تبلیغ کی خدمت ہر زمانہ میں انجام پاتی رہے۔

فقہ طریقت یہ منہج الحقی کا حصہ ہے اسلئے اسکو یہاں بیان کرنا غیر ضروری ہے۔

قرآن و حدیث و فقہ تینوں کی نسبت میں نے بیان کیا۔ اس سے ظاہر ہوا ہو گا کہ کسی نسبت خدا و رسول

کے ساتھ کس قسم کی اور کس درجہ کی ہو

مگر اللہ اللہ یہ کیسا اندھیر ہو گیا کہ خدا کے بند و خدا کو بند ہو کر اوسکے بند و کج بند و بنے، رشتہ عجم و بیت
توڑ دیا گیا، اور احکام دینی کیلئے اہل حدیث حدیث کی طرف رجوع کرنے لگے، اور مصنفین صحاح کے مومن ہو کر
اور اہل فقہ فقہ کی طرف رجوع کرنے لگے، اور فقہاء کے مومن ہوئے، اور مسائل روحانی کیلئے اللہ و اسے
طالب حق اپنے اپنے پیر و طریقوں کے پیر و مرشد کی تصنیف مکتوبات و ملفوظات، مقولے، شاعری، اور افسانہ
کی طرف رجوع کرنے لگے، اور صوفیوں کے مومن ہوئے۔ خدا کا کلام کسی کام کا نہ سمجھا گیا، نہ کوہی سلسلہ کا ماخذ،
نہ اوس سے تمسک پکڑنا ہی جائزہ غرض مسلمانوں کا دین منزل عملاً سمجھا گیا صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف
نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابنن ابی داؤد، یعنی صحاح۔ اور ہدایہ، شرح وقایہ، قدوری، اکبر، نقادی، عالمگیری،
نقادی، قاضی خان، اور روحانیت کے لئے مکتوبات و ملفوظات، اور ترکہ کیلئے سراجیہ کوئی قرآن تفسیر کرے،
قرآن کی طرف بلائے تو اوس سے زیادہ مجرم فاسق اور کافر کون، کیونکہ وہ حدیث کا منکر، فقہ کا منکر، حدیث و فقہ کی
کتابوں کا منکر، اور کس مصنف کی منکر سمجھا جائیگا، اور علما کا مرتد، اور دین پر گرد تسلیم ہو کر خود فی النار کا
مستوجب قرار پائیگا۔ اسے غریزہ ناسخ و فساد قرآن حامی نہ حدیث حامی، نہ اس چال سے خدا راضی نہ رسول
خوش، نہ یہ خدائی دین نہ رسول کا مذہب قاین تذبذبوں، و مالی لا اعبد الذی خطر فی والیہ ترجو
تدبر و تفکر رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں اضافہ نہیں ہو، بلکہ آپ کے تفقہ نے ہم کو تعلیم دی ہو کہ
تفقہ فی الدین جو امور خداوندی ہو وہ ہو کیا چیز۔

عمل متواتر اور خبر و تاریخ سے بھی پایا جاتا ہو کہ اپنے تفقہ کی راہ کھو لکر بھی ہماری تعلیم فرمائی ہو۔ مثلاً جہاں
پر خداوند عالم نے مجاز کیا ہو وہاں آپ نے کئی طرح پر عمل کئے دکھا دیا ہو کہ اس میں انسان مجاز کیا گیا ہو۔ خدا نے
قیام کو فرمایا یا فرمایا کہ کیونکر کرو، تو یہ مجاز کی صورت ہوئی کہ قیام تو کرو اور جیسے کرو۔ آپ نے قیام کیا تو ہاتھ
باندھ لی، نہ بھی باندھا، سینہ پر بھی باندھا، ازیر ناف بھی باندھا۔ علی ہذا آئین زور سے بھی کی، اور آہستہ بھی

رفع یدین کیا بھی، اور نہ بھی کیا۔ نماز ازیں میں دعا چاہئے تھی اپنے قنوت بھی پڑھی اور دعا بھی۔ تحیت و ثنا کرنی چاہئے تھی، اپنے اور تحیت بھی پڑھی اور التحیات بھی، خدا نے فرمایا فبسم باسم ربک العظیم اور سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ اپنے رکوع و سجود میں سبحان للہ العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ بھی پڑھی، اور دوسری دوسری تسبیحیں بھی، تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ محاذ کی صورتیں ہیں، انکو مجاز سمجھنا، اور اوسط طبع بصورت مجاز عمل کرنا، فقہ رسول اللہ علیہ وسلم کی غفلت کرنی ہے، نہ انکو فرض کی طرح ادا کر کے فرائض پر اضافہ کرنا جس مختلف طرح ہوتا ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے کیا، اسی مختلف طرح فرقے ہو کر قوم بھی کرتی چلی آئی ہے۔ یہی عمل متواتر ہے۔ جسکی شہادت تاریخ اسلام یعنی حدیث بھی دے رہی ہے۔ ہاں مختلف طرح عمل کرنے والے بجائے اسکے کہ سب طرح عمل کو مجاز سمجھ کر جائز سمجھتے فرقے ہو ہو گئے، یہ ظلم کیا، دین میں پھوٹ ڈالا جس کو خدا نے منع کیا تھا۔

اپنے مختلف اعمال دین، مجاز من اللہ کی مختلف صورتیں ہیں، مختلف ادیان نہیں ہیں، کوئی اوسط جگہ نہ کر اور دوسری جگہ کرے تو اسکی نماز یا عبادت باطل نہ ہو جائیگی، مگر یہ تدبر و تفقہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اور آپ مودودی تھے، شیطان کا گزند آپ تک نہ تھا، آپ کا تدبر و تفقہ اگر قطعاً ثابت ہو جائے کہ آپ کا تدبر و تفقہ ہے تو اسکو مچھل کودہ گناہ کے کسی خیال سے بہتر سمجھنا تو کسے شران رسالت ہے، ساری اولیاء و صلحا ساری پیغمبر اور اماموں کے تدبر و تفقہ سے بلند تر، یہ رفع تر، مطابق رضائے مولا، کہنا زیادہ ہے۔ آپ کے تفقہ کے آگے کسی کے تفقہ کا نام لینا غلط۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کا تدبر و تفقہ قطعاً ثابت ہو جائے، یا عمل متواتر کی شہادت سے، یا اون حدیثوں کی شہادت سے جسکی شرائط صحت کو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ جانچنے کے بعد جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آپ کا تدبر و تفقہ ہے تو ہر چند وہ علما و صلحا کیلئے موجب ہدایت و رحمت ہو مگر وہ آپ کی وحی منزل کے درجہ میں نہیں ہے۔ دین قرآن مجید میں کامل ہو چکا جسکی منکر کافر ہو، اور تفقہ ہے مجاز میں، مجاز کو کسی ایک صورت میں منحصر کرنا چاہئے وہ اعلیٰ و ارفع ہی صورت کیون نہ ہو، خدا کے مجاز گئے ہوئے کو مانڈہ دینا اور محکوم علیہ بنادینا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تفقہ کے یہ معنی نہیں کہ اپنے خدا کے مجاز کو

محکوم علیہ بنادیا ہوا بلکہ آپ نے اس وقت تک تفقہ تعلیم دی ہرگز کہ یہ مجاہد کی صورت ہو اور ایسی صورتوں میں تفقہ
 کرتی چاہئے نہ قطعی اور میری احکام میں۔ تفقہ مجاہدین ہر چاہے تفقہ شریعت ہو یا تفقہ طریقت۔ اسکا
 غیر محمل نہ کافر نہ مسیحی نہ ہنرمند۔ اسلئے تفقہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چند ہم سوطح کے قواعد سے فیض
 بھی ہوں مگر وہ دین منزل نہ ہو جائیگا۔ اسے قوم فرق مراتب ضرور ہو۔ اللہ اللہ جو رسول رسول۔ پیرو شریعت
 کو رسول بناؤ نہ رسول کو خدا نہ مقولات صوفیہ کو حدیث نہ حدیث کو کلام اللہ۔ دین کو ساری امیر شریعت
 پاک اور خالص کرو۔ **اللا للہ الدین الخالص** (ہوشیار۔ کہ خدا کے لئے دین خالص ہو) اسلئے الیس
 اللہ بکافی عبد کا کیا خدا کے بندے کو خدا کافی نہیں۔ (نہیں بلکہ) منقوش دل رکھو۔ اور۔ اولہ دیکھو
 انا انزلنا علیک الکتاب یتلى علیہم کیا کو کون کو یہ کافی نہیں کہ مجھے تم پر اسے رسول قرآن مجید نازل
 کیا جو اونکو پڑھکر ستا یا جاتا ہو۔ (عنکبوت ۱۸) کو نصب العین رکھو۔ واقعی تعجب اور اسوے کا مقام کیونکر ہو گا
 اگر بندے کو خدا اور بندگی کو خدا کا کلام کافی نہ ہو، جو بدولت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عنایت ہوا۔
 تفقہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صورت الہام ربانی ہو۔ مگر الہام کوئی نیا دین نہیں قائم
 کرتا نہ کلام ربانی کے مخالف ہو سکتا نہ حدود اللہ کو کم و بیش کر سکتا ہو۔ الہام اوس اٹھائے ربانی کا نام
 جو پس پردہ ہو، جو روحانیت قرآن کریم اور اسرار فطرت کو منکشف کرے اور بوقت ضرورت ایسی راہ کی
 رہنمائی کرے جو خطرات سے محفوظ ہو، اسلئے آپ کا کلام منزل تو قرآن مجید ہے جو آپ کی زبان مبارک سے
 بولا گیا مگر ہے منزل۔ اور آپ کے کلام غیر منزل میں کئی قسمیں ہیں کچھ تو آپ کا تفقہ ہر جسکی حقیقت بیان ہوئی۔
 اور کچھ الہام ہے جو وقتی مصلحت کے لحاظ کے ساتھ حسب اقتضائے ضرورت وقت ہو۔ اور کچھ روزمرہ کی باتیں اور
 انسانی اقوال ہیں کہ وہ بھی انسان کامل ہونے کے سبب کامل تر اور فلسفہ کی جان ہیں۔ مگر چونکہ کلام غیر منزل
 منزل من اللہ نہیں اسلئے یہ داخل فی الدین نہیں۔ اسی لئے یہ کلام نہ جمع کئے گئے نہ لکھے گئے۔ اور اسی لئے
 آپ نے ان کی کتابت کو منع فرمایا تھا۔ جس کی تشبیہ بہت کچھ اور پر کی جا چکی ہے۔

فَأْمُنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا

وَالْقُرْآنِ كَلَامِ اللَّهِ

مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

مسئلہ (۱۵)

قرآن مجید عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے یا اپنی کوئی مخصوص اصطلاح میں، یا فرشتوں کی اصطلاح میں، یا کوئی خاص خدائی اصطلاح میں، اگر عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے تو اسکی اصطلاح کے کھولنے اور واضح کر دینا کوئی فرشتہ مجاز و مستحق ہے یا مصطلحات عرب۔؟

قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اسلئے اسکے الفاظ و مصطلحات کو اہل زبان واضح کر دینا مجاز و مستحق ہیں نہ فرشتہ عربی زبان میں جو قرآن کریم خدا نے نازل فرمایا حضرت جبریل لاسے اور لایا وہ اسے تھے کسی اصطلاح کو کھولنے کے وہ مجاز و مستحق نہ تھے۔ اسکو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ قرآن مجید سمجھنے کے لئے یہ اک ضروری اصول ہے۔

خدا نے فرمایا اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ ہنئے قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔ (یوسف ۱) پھر یہ کیسا ظلم ہو کہ تم سمجھا کر بھی نہ سمجھو، اور نہ یہی مصطلح الفاظ کو تحمل کرکے اور سکا بتائیے والا حضرت جبریل کو قرار دو باوجودیکہ وہ اہل زبان نہیں۔

وَأَنذَرْتُكَ نَارَ الْهَلِيمِ ۚ تَزَلُّ بِهِ الرِّجَالُ عَلَى قُلُوبِهِمْ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْمُنْذَرِينَ
بلسان عربی مبین ۵ بے شک یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا ہے سلیس عربی زبان میں، اسکو جبریل تمہارے قلب پر لیکر اتراتا ہے تاکہ تم ڈر سنائیے والوں میں ہو، (الشعرا ۶۱) اس آیت میں خدا نے حضرت جبریل کی خدمت بیان فرمادی، وہ تھے فرشتے، اور فرشتوں کی شان ہے یفعلون یا یفعلون جو حکم دیا گیا پس اویسی کے بحال لایا وہ، پھر وہ قرآن کو، یا اس کے احکام و ہدایات کو، یا اس کے الفاظ و اصطلاحات کو، اسکے حکم سے بیان کرنے اور بتانے کے اہل ہو سکتے تھے۔ اور اسکی ضرورت بھی نہ تھی۔

کیونکہ قرآن سلیس عربی زبان میں نازل ہوا ہے بلسان عربی صبیحہ خود آنحضرت کی زبان میں۔ اسلئے
 اسکے مصطلحات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل زبان ہونے کی حیثیت سے حضرت جبریل سے زیادہ
 واقف اور بتائیکے زیادہ مجاز اور مستحق تھے۔ اگر کسی خاص زبان میں عربی زبان کے سوا نازل ہوتا تو یہی
 کہا جاتا۔ ولو جعلہ قرآناً عجمیاً لقلوا لولا فصلت آیتہ طعنا عجی وعربی اگر ہم اسکو قرآن عجمی بان
 بناتے تو یہ ضرور کہتے کہ اسکی آیتیں کیوں نہ کھولکے بیان کی گئیں کیا قرآن تو عجمی زبان کا اور عربی (فصلت)
 یہ کھلا کھلا ہو کہ قرآن مجید کے لغات و مصطلحات کوئی فرشتوں کے خاص لغات و مصطلحات نہیں ہیں۔ نہ کوئی
 خاص خداوی لغات و مصطلحات ہیں جنکو واضح کر نیکیے بغیر حکم خداوندی حضرت جبریل علیہ السلام کو تکلیف
 کرنی پڑے، اور ایسا کوئی حکم قرآن مجید میں نہیں پایا جاتا۔ قرآن مجید ایسی سلیس عربی میں نازل ہوا ہے
 کہ ایک اعرابی تک سمجھتا تھا۔ اہل عرب کو جب قرآن مجید سنایا جاتا تو وہ بے تکلف سمجھتے، اور اسکی فصاحت
 و بلاغت کے معترف ہوتے، اور اسکی خوبی اور لائانی ہونے پر قربان ہوتے تھے ایہ کسی نے بھی نہ پوچھا
 کہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، مسرقہ، زنا، اربوا، صدقہ، تفقہ، مطلق، طلاق، خلع، ایلا، ظہار وغیرہ
 وغیرہ کون سے الفاظ بے معنی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن مجید بلا کسی فرہنگ یا ہینڈ بوک یا ضمیمہ کے
 تبلیغ اور شائع کیا گیا۔ اگر اسکے اصطلاحی الفاظ خداوی یا فرشتوں کے ہوتے، تو قوم دل کھول کے معترض
 ہوتی، کہ یہ کونسی زبان بولتے ہیں، کیونکہ وہ نکتہ چینیوں کیلئے دل کھول کے غلط بیٹھی تھی بجائے اس کے
 قوم نے اسکو ایسی قدر کی نگاہوں دیکھا جسکی دنیا میں مثال نہیں ملتی، باوجود اسکے ساتھ مذہبی ختلا
 ہونیکے وہ بھی گہرے تعصب کے ساتھ اسکی ایسی قدر کی گئی کہ اسکے آگے سب سے معاملہ کے ساتوں جہنم سے
 سرنگون کر دئے گئے۔ اگر ایسا ہوتا کہ قرآن مجید کوئی خاص اصطلاح میں نازل ہوتا جس سے قوم نا آشنا
 ہوتی تو اسکی تبلیغ کفzul ہوتا شان رسالت سے بعید۔ اور احکام الحاکمین کا ایسی اصطلاح میں حکم
 دینا جس سے محکوم علیہ محض نا آشنا ہوا کہ فعل ہوتا شان خداوندی سے بعید تر۔ اسلئے قرآن مجید ضرور

اور انھیں لغات واصطلاحات میں نازل ہو رہے ہیں جن سے قوم واقف تھی۔ کوئی نئی اصطلاح کا منتر
 لیکر نازل نہیں ہوا۔ پھر یہ کیسا ظلم ہے کہ اصطلاحی الفاظ کو مجمل کہہ کر قرآن کو مجمل کہو نا قابل تعمیل۔
 اوپر یہ آیت بیان ہوئی ہونا انزلہ قرآن اعلم بالعلم تعقلون ہنقرآن مجید زبان عربی اوتارنا کہ تم
 سمجھو۔ (یوسف علیہ السلام) اس واضح کردیا کہ قرآن مجید ایسی ہی بی زبان میں اوترا ہو جسکو ہم سمجھتے ہیں، ہمارے ہی سمجھنے
 کے لئے تو اوترا ہے۔ مگر افسوس کہ قوم قرآن مجید سے وصلوۃ سمجھتی ہے نہ صوم، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ ربوۃ، نہ حلال و
 حرام ہی، نہ کوئی ایک حکم ہی۔ سارا ہی کچھ مصطلح خاص مجمل ہے لیکن ایسا سمجھنا قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ
 خدا نے فرمادیا۔ وکذالک انزلہ حکماً عربیاً۔ اسی طرح ہم نے حکم عربی زبان میں اوتارا۔ (سعد علیہ السلام)
 اے لوگو! یہ ظلم ہے کہ تم احکام کو خاص اصطلاحی الفاظ میں مانو جنکو فرشتے آکر بتائیں۔ میں ہر ایک حکم کو
 قرآن کریم کی ہی آیتوں سے واضح کرتا ہوں گا کہ ہر حکم مصطلح الفاظ میں ہے جس سے قوم واقف تھی۔
 ایسی آیتوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے کہ ان تک لکھی جائیں۔ یاد نہ رہیں گی، اسلئے یہ چند
 آیتیں جو اوپر میں نے دی ہیں انھیں بھولنا نہ چاہئے، اور اس پر ایمان لانا چاہئے کہ خدا نے قرآن
 مجید عربی زبان میں ہمارے سمجھنے اور ہماری ہدایت کیلئے اوتارا ہے، اور اسلئے سارے احکام عربی
 زبان میں اوتارے دیے ہیں۔ اگر ہم عربی زبان کی لاعلمی سے کسی لغت واصطلاح کی تحقیق سے بچو رہو
 تو اس سے قرآن چستان، معمر، اور اپنی خاص اصطلاح کا نہ ہو جائیگا۔ معلومات کے ذرائع بند ہو جائیں
 تو اس سے قرآن پر کیا الزام۔
 اگر ہم لغات ومحاورات عمل متواتر سے، قول متواتر سے، تاریخ و اخبار یعنی حدیث سے، اور لغات
 ومحاورات کی کتابوں سے، یا تفسیر کی کتابوں سے، تحقیق کریں تو جو محقق ہوگا اور اس سے جو قرآن کا مطلب
 سمجھا جائیگا وہ صحیح ہوگا۔ مگر وہ کتابیں قرآن یا قرآن کا فرد مقابل یا داخل فی الدین نہ ہو جائیں گی۔ ہاں
 قرآن سمجھنے کا ذریعہ ہونگی جیسے استاد۔

فَامْتُوا بِاللّٰهِ وَسُوْلِهِ وَالتَّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا

وَالْقُرْآنَ کَلِمَ اللّٰهِ

مُحَمَّدٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

تنبیہ

ان پندرہ سوالوں کے حل کرنے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن مجید ہی دین اللہ ہے جو مکمل ہے محتاج تکمیل نہیں، مفصل ہے محتاج تفصیل نہیں، تو احکام خداوندی قرآن مجید سے کس طرح ثابت ہو سکتے ہیں؟ یہ کیا اندھیر ہے کہ احکام تو بھیجے احکام الحاکمین اور وہ خود فرماے کہ ہم نے قرآن مجید مفصل نازل فرمایا ہے۔ تفصیل کی بہتری کہتے ہیں اوپر دی گئی ہیں، اور اسکا تو ایک نمبر ہی الگ دیا گیا ہے۔ مفصل اسلئے نازل کیا کہ خلوق و محکوم کو عدم تفصیل کی نسبت عذر نہ رہے۔ مگر قوم باوجود دعویٰ اسلام کے اسخلافی دعویٰ سے اپنے کو بری الذمہ سمجھ کر کچھ مدعی قرار دیتی ہے اور مجھ سے ہی جواب بھی طلب کرتی ہے کہ اگر قرآن مجید کی کہتے ہیں تفصیل ہیں تو احکام قرآنی مفصل بتاؤ۔

حقیقت میں نہ میں مدعی نہ مدعا علیہ نہ میرا خود کوئی دعویٰ نہ میں کچھ نہ میرا دعویٰ کچھ۔ مگر ان خداوندی قانون یاد کر کے میں نے خدائی مکانات کا امتحان پاس کیا ہے۔ اسلئے وہاں تک مجھے جواب دینا پڑا ہے اور میں جواب دون کا اور ثابت کر دوں گا کہ خدائی دعویٰ جو ٹانہ میں بلکہ یہی ہے کہ اٹھنے والے دیکھیں اور خدا کی آیتوں پر ایمان لائیں۔ ہاں اتنی فرمائش کرنی ضرور ہے کہ دیکھنے والے محبت ماسوا اور محبت احبا و رہبان کی عینک اوتار ڈالیں، اور طلب حق کی آنکھوں دیکھیں۔

خدا نے فرمایا کہ ہم نے قرآن مفصل اوتارا، تو اسپر ایمان لاؤ، اور اسکے آگے سر جھکا دو اور نہ وقفہ کا زمانہ کہہ کا زمانہ ہو گا۔ اگر یہ تمہاری سمجھ میں بھی آجائے تو فہم سلیم کا شکر ادا کرو۔ نہ اُنے تو سمجھنے کیلئے تلاش و تجسس میں لگے رہو، یعنی ایمان کیلئے نہیں بلکہ اطمینان کیلئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا و لکن لیطمئن قلبی (بقراءۃ ۳) یعنی اسے خدا ایمان تو ہے اطمینان قلبی درکار ہے۔

جو احکام خداوند عالم نے قرآن مجید میں فرما دیے ہیں وہ قطعی فرض ہیں۔ اگر شار تائید کرنا یا قصور
میں فرمایا ہو یا بطور غلطی و نصیحت کے فرمایا ہو تو یہ بھی فرض ہی ہے۔ طرز بیان کے بدلنے سے اصطلاح
بدل سکتی ہے اور اسکو واجب لازم کہنا موزون ہو سکتا ہے مگر اس تبدل اصلاح سے فرضیت نہیں
جائے گی۔ ان سب کا منکر یا نفی و کافر اور ان کا فرمان گنہگار و فاسق سمجھا جائیگا۔ خدا کے احکام و
ہدایات چاہے کسی طرز بیان سے ہوں اور انکی تعمیل سے چھٹکارہ نہیں ان احکام و ہدایات کے سوا تو اقل
ہیں یعنی فاضل عبادات اور نیکیاں تقریباً الی اللہ، خدا کی محبت اور اسکی عظمت و جلالت، اور اسکی
خوف اور اسکی رضا کے جوش میں کرنی، جیسا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، صلحا و اقیانے
کیا، نیزہ اجر کا باعث ہیں اور کل درجات مضاعف ہوں۔ ہر ایک کیلئے اپنے اعمال کے حساب درجے
ہیں (الغلام ملے) تو اعمال نوافل جتنا کرے اور جیسا کرے، اور تپاؤ اور ویسا پاؤ۔ وہ نوافل ہی ہیں۔
جو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ فرض کے کئے، جنہیں قوم نے سنن و واجبات لقب لیکر
فرائض کے ہم پلہ بنا دیا ہے، بلکہ فرائض کے دائرہ میں تو رسم و رواج ملکی اور عادات و خصائل قومی کو
بھی داخل کر لیا ہے۔ حالانکہ نوافل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوافل ہی سمجھنا اتباع رسول تھانہ جواب
و سنت موکدہ و غیر موکدہ قرار دیکر اضافہ علی القرآن کرنا۔ اپنے قرآن مجید پر ایک نقطہ کا اضافہ نہ کیا،
اور نہ اسکو پسند فرماتے تھے کیونکہ آپ تو شان عبودیت کے کامل تر نمونہ تھے۔

احکام خداوندی جو مختلف الفاظ اور مختلف طرز بیان میں آئے اس میں ہم درجہ دیتے دے
کون کریم حکم بڑا ہے، یہ منجھلا ہے، یہ چوٹا ہے، مالک کا حکم تو حکم ہی ہے، گریہ وہ مختلف الفاظ میں آئے
مثلاً فرض علیکم کتب علیکم، حرہم علیکم، فاجتنبوا، فاحذروا، وغیرہ وغیرہ مختلف الفاظ
مختلف طرز بیان ہیں جیسے تم کو کہ یہ کام کرنا تمکو لازم ہے، ضروری ہے، الایدی ہو یا ناجائز ہو، ناروا
ہے، منع ہے، اسکی پاس نہ پھٹکو، اس سے کنارہ کش رہو یا ایسا کرنا ہماری خوشنودی کا باعث ہے،

اور ایسا نہ کرنا ہماری عقلی کاباحت، سب کے معنی یہ ہیں کہ امر یا نہی جو مولانا کا حکم ہو، اسکی تعمیل فرض اور ضروری ہو، چاہے وہ حکم جن الفاظ میں آئے۔

حاکم تو خدا ہی اور حکم بھی اوسی کا الہ الحکم اور سب واجب تعمیل۔ پھر اس میں علمی شائستگی ملانے، اس میں مروج قائم کرنے، اور دین اللہ میں واجبات، مستحبات، مکروہ، مکروہ تحریمی، اور مستحبہ وغیرہ وغیرہ الفاظ اضافہ کرنے سے تو اسکی قطعیت ہی کھوجائیگی، کیونکہ یہ اصطلاحات علمی مبنیہ سب نہیں ہیں۔

میں نص قرآن مجید کو سمجھتا ہوں جو دین اللہ ہے اور جس کا منکر بے دین ہو۔ صریح حکم صریح فرض ہے ولاتکلف النفس اور اشارۃ النص ہدایات ربانی ہیں، یہ بھی فرض ہیں، انو اقل عبادات فاضلہ غیر فرض ہیں موجب از دیار اجر۔

ہر ظاہر کا باطن ہر جیسے انسان میں روحیہ الفاظ میں معنی۔ اگر لفظ بے معنی ہے تو محل ہو۔ یا انسان بے جان ہو تو مردہ ہے مٹی میں ملانے کے قابل۔ اس طرح شریعت اسلام ہو کہ ظاہر و باطن ملا کے شریعت ہو۔ مگر قومی اصطلاح کی مجبوری سے سمجھنے اور سمجھانیکلے میں بھی ظاہر شریعت کو شریعت کہوں گا، اور باطن شریعت کو طریقت۔ طریقت یار و حانیت اسلام کو تو میں متعجب الحق میں بیان کروں گا، اس کتاب میں شریعت اسلام کو بیان کرنا ہو کہ قرآن مجید نے کونسی شریعت سکھائی ہے جسکی آنحضرت نے تبلیغ فرمائی تاکہ اسلام کے سارے فرقے اسی شریعت حق پر اپنی اپنی شہ میتوں کو تو لیں، اور فیصلہ کا حق جسکو قرآن مجید سے غضب کر کے اور ورنہ کو دیا ہے اوس حق کو پھر قرآن مجید کو واپس کر دیں۔

فأصوباً لله ورسوله والنور الذي أنزلنا

والقرآن كلام الله

محمد رسوله الله

لا اله الا الله

عبادت

اس سرخی میں مجھے قرآن مجید کے سارے احکام و ہدایات کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اسکے لئے تو خود قرآن مجید ہی موجود ہے۔ بلکہ صرف چند احکام و ہدایات کو بیان کرنا ہے جنکی نسبت قدم قدم پر سوال ہوتا ہے کہ اگر قرآن مجید اپنے مفصل ہونیکے دعوے میں سچا ہو تو ان احکام کو مفصل بتاؤ اور ان احکام کو اسلئے بھی مفصل دکھانا ہے تاکہ ہر فرقے اپنی اپنی غلطیوں کی قرآن مجید سے اصلاح کریں، اور فرقہ بندی سے تائب ہو کر داعی صومعہ و اجمل اللہ جمیعاً سب کے سب خدا کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں۔

یہ کتاب تبارک و تعالیٰ علامہ اور اماموں کے کر نیکا۔ مگر خدا کی قدرت کا تاثر دیکھو کہ اوس نے یہ خدمت یعنی چاہی مجھ جیسے امی اور جاہل سے۔ یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید

طہارت

طہارت کوئی غیر مانوس لفظ نہیں۔ قوم طہارت کو جانتی تھی، ضرورت بتانی کی نہ تھی۔ قرآن مجید کچھ محاورات و مصطلحات کی کتاب تھوڑی سی، اوسکا کام مصطلحات کو بیان کرنا نہیں ہے۔ خدا نے فرمایا۔ ینزل علیکم من السماء ماء لیتھیرکم بہ و یتھب عنکم ریجز الشیطن۔ خدا ہی تم پر پانی برساتا ہے تاکہ تمھیں پاک کرے، اور تم سے شیطان کی تپاکی کو دور کرے۔ (انفال ۱۱) تو جب ناپاک ہو کر و تو ناپاک کو دھو ڈالو، اور نہادھو کہ طہارت حاصل کرو۔ پانی کا مشہور پیتے کے سوا پاک کرنا بھی ہے۔ و انزلنا من السماء ماءً اطھوراً۔ ہم نے آسمان سے پانی برسایا جو پاک صاف کر نیکی چیز ہے۔ (فرقان ۴۸)

جنابت بھی پاکی پر اسلئے خدا نے فرمایا۔ وان کنتم جنباً فاطھروا۔ اگر ناپاک ہو کر و تو طہارت کر لیا کہ یعنی نہایا کر دو (۱۱۱) ناپاک ہونا بھی لوگ جانتے تھے اور طہارت بھی، اسلئے جنابت بتایا نہ طہارت کہہ لیتے کہ فرستوان کی

زبان کے الفاظ نہیں ہیں۔

رہا یہ کہ طہارت کیلئے پانی کیسا چاہئے، اسکے اوپر طبع آزمائی کرتے، اور بال کی کھال پھینچنے کے ضرورت نہیں، کیونکہ وہ شکوک ہوں گے، اور شک کرنا والوں کا شک تو یہ ہدایات سے بھی نہیں جاتا۔ اتنا یاد رکھنا کافی ہو کہ قرآن مجید میں حکم خداوند لا یرال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طیب اور ستھری چیز کو حلال کیا ہو، اور گندہ اور نجس چیز کو حرام محل لکھ الطیبات و نجس علیہم السلام (اعراف ۱۹۱) ستھری اور گندی چیز کو کون سا ذی تمیز تمیز نہیں کرتا۔ تمیز کرتے ہو تو اسکی تعمیل کرو، اور اسکو مجمل ناقابل تعمیل نہ سمجھو۔ اس میں ماکول و مشروب سب داخل ہیں۔ محرمات جنکو خدا نے حرام کر دیا ہے، اور گندی چیزیں بھی کہ انکو بھی خدا نے حرام کر دیا ہو، باقی تمام ستھری چیزیں طیب اور طاہر ہیں۔ انکو کھا پو اور استعمال میں لاؤ۔ بس جیسا پانی پی سکتے ہو کہ یہ طاہر ہے، اوسی سے نہا بھی سکتے ہو کہ تمکو طہارت حاصل ہو یعنی جس پانی کو پاک اور صاف سمجھو، اور تمکو اطمینان قلبی حاصل ہو، وہ طیب اور حلال ہے، مشروب بھی اور استعمال بھی۔ طیب کوئی فرشتوں کا لغت نہیں ہو۔ ہر کوئی سمجھتا ہے کہ طیب، پاک اور ستھری چیز کہہ سکتے ہیں اوسی کو خدا نے حلال کیا الیوم احل لکم الطیبات (نوح ۳۱) ستھری چیزیں حلال کی گئیں۔ (مانڈ کاٹل) اگلا بھی، شراب بھی، استعمال بھی۔ خدا کی اس تعظیم کو تخصیص کا حق کہہ سکتے ہیں

طہارت ہی کیا، سارے ہی احکام میں ہر ریانت ہیں۔ ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم خدا موانعہ اعمال قلوب اور نیات پر کرے گا۔

کپڑوں کی طہارت کی نسبت حکم ہوا اثبات فطہ و التہن فاجہا۔ اپنے کپڑے پاک کھو اور پلیدی سے دور ہو۔ (مذا ثلہ) یعنی اپنے کپڑے کو بھی پاک رکھو اور اپنے کپڑوں کو بھی، جسکی ضرورت عبادت کیلئے بھی ہے، حفظان صحت کیلئے بھی، اور خوش زریست کیلئے بھی۔

حیض و نفاس کی نسبت فرمایا۔ لا تقربوا الصلۃ حتی یطهرن۔ حیض میں عورتوں کے نزدیک نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہوں (تقریباً) وہ پاک نہیں ہیں تو جنبہ کی طرح نماز بھی نہیں پڑھ سکتیں۔ اور پاک ہوتا ہوا آدمی ہذا کر جیسا کہ بیان ہوا۔

مسجد حرام کی طہارت کی نسبت فرمایا طہر بیتی للطائفین والقائمین والراکع السجود۔ مسجد حرام کو طواف کرنے والوں، اور نماز پڑھنے والوں کیلئے پاک رکھو (حج ۱۴) مسجد میں بھی نماز ہی کیلئے بنائی جاتی ہیں، تو انکو بھی پاک رکھنا لازم ہے۔ اغما المشرکون نجس فلا تقربوا المسجد الحرام (مشرکین نجس ہیں تو یہ مسجد حرام کے نزدیک نہ جانے پائیں) نجاست شرک چوڑے سے نہیں لگ جاتی مگر حرمت میں دھبہ ڈالتی ہے۔ اسلئے سجدوں میں مشرکوں کو نہ جانا چاہئے کیونکہ اسکی عظمت و حرمت میں دھبہ آئیگا۔ کیونکہ مسجد میں جو عبادت کیلئے بنائی جاتی ہیں وہ شعائر اللہ اور حرمت اللہ میں داخل ہیں۔ ذلک ومن یعظم شعائر اللہ فانہامن تقوی القلوب اور ذلک ومن یعظم حرمت اللہ فهو خیر لہ عند ربہ۔ (حج) اسی اصول پر کل اون چیزوں کی حرمت ہے جو خدا کے ساتھ منسوب ہوں جیسے ہدی اور قلائد وغیرہ۔ حج کے قربانی کے جانور۔

یاد رکھو ان اللہ محب التوابین و محب المتطہرین (خدا توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے) ظاہر و باطن دونوں پاک کی مطلوب ہے۔ باطنی پاکی توبہ سے حاصل ہوتی ہے اور جسمانی پاکی طہارت سے۔ اسی لئے توبہ اور طہارت دونوں کو فرمایا طلب یہ بھی ہے کہ خدا و اطہار لاثم و باطنہ (ظاہر اور باطن دونوں گناہوں سے بچو) تو گناہوں سے بھی پاک رہو، اپنے جسم کو بھی پاک رکھو اور کپڑوں کو بھی، اور عبادت کیلئے مسجد یا عبادت کی جگہ کو بھی۔ اور پاک کی حالت میں عبادت کیا کرو۔

فأصوباً للہ ورسولہ والنور الذی اتزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

غسل

غسل کوئی انوکھی اصطلاح نہیں ہے۔ نہ یہ کوئی فرشتوں کی زبان کا لفظ ہے۔ اس سے عرب کی ساری قومیں واقف تھیں۔ بلکہ گویا یہ دنیا کی ساری قوموں میں تھا اور ہر کہ جب ناپاک ہو تو نہالو۔ یہاں تک کہ بطحون کو بھی تنہے دیکھا ہو گا کہ جفتی کے بعد وہ خوب ہی نہاتی ہیں، پانی نہیں ملتا تو نہالیں کی نقل کرتی ہیں۔ گویا یہ اک اقتضائے فطرت ہے جب غسل جنابت سب دینوں میں ہے تو اس سے قوم بالضرور واقف تھی۔ خدا نے حکم دیا، بندوں نے تعمیل کی۔

غسل کی نسبت خدا نے فرمایا۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَالصَّلَاةَ إِنَّكُمْ سَعَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ۚ وَلَا جُنَاكَ إِلَّا غَابِرٌ سَبِيلٌ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِن كُنْتُمْ مَرَضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْمَآئِطِ أَوْ لَمْ تُسْتَمِ الْأُنثَىٰ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا ۚ** مومنو! نماز کے قریب نہ جاؤ ورنہ حالیکہ تم حالت سکون میں ہو یہاں تک کہ تم یہ جان سکو کہ تم بولتے کیا ہو۔ اور نہ جب نماز کے نزدیک جاؤ مگر مسافر۔ اگر تم مریض ہو یا مسافر یا کوئی تم میں سے یا سخاۃ سے آئے یا جماع کر دیا اور پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لو۔ (الانسان ۱۷) لمس کے معنی جماع کے بھی ہیں اور احتلاط کے بھی۔ اور اس آیت کا یہ نکتہ مان کہ نہ صرف وضو کی آیت میں بھی ہے۔ اسلئے غسل کی آیت میں پہنچنے لمس کا ترجمہ جماع کیا ہے اور وضو کی آیت میں احتلاط حسب مقتضائے حال۔ جماعت کو لمس سے تعبیر کرنا تہذیباً ہر جس طرح اسی جماعت کو خدا نے فرمایا من قبل ان یتما سلا اس آیت میں غسل کے احکام ہیں، حتیٰ تغتسلوا اسکا موید ہے یہ وضو کے احکام نہیں کیونکہ وضو کا لفظ یا اسکا اشارہ کبھی کسی لفظ سے نہیں پایا جاتا۔

اس آیت سے بہتیرے احکام معلوم ہوتے ہیں، ہر حکم پر پہنچنے نمبر دیا ہے اس سے پہلے کہ میں کچھ اس آیت سے متعلق لکھوں علماء کی رائیں لکھ دینی چاہتا ہوں تاکہ حقیقت منکشف ہو سکے۔

۱۱۔ لا تقربوا الصلوة میں صلوة سے مراد بعضوں نے مسجد میں ہو۔ یعنی حالت سکون میں مسجد کے قریب نہ جاؤ۔ لیکن اس سے حتی تعلوا و اما تقولون دو نخت اور بے جوڑ ہو جاتا ہے۔ کیا معنی ہوں گے کہ مسجد کے قریب نہ جاؤ جب تک یہ نہ جانو کہ تم بولتے کیا ہو۔ اسلئے صلوة کے معنی نماز ہی کے ہیں اس آیت کا مفہوم نہیں بگڑتا۔ تو پھر مراد کیوں لو۔

۱۲۔ اس حکم کو لوگوں نے حرمت خمر سے منسوخ کیا ہے۔ خدانے تو منسوخ نہیں کیا مگر لوگوں نے منسوخ کر کے خدا کے اس حکم کو اٹھا دیا ہے۔ اس آیت سے خدا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے شراب پی۔ اوس نے نافرمانی تو کی مگر چاہا نماز پڑھنے کہ نماز کے حکم کی نافرمانی کر کے دوسری نافرمانی کیوں کریں۔ تو خدا نے اسے روکا کہ نشہ کی وجہ سے تم اس عبادت کے بھی قابل نہ رہو۔ تم نماز کے قریب نہیں جاسکتے۔ اگر اسی ت کو منسوخ کر دے اور نشہ میں نماز کی بھی اجازت دو گے تو یہ نافرمانی ہوگی۔ نسخ سے خدا کا ایک حکم اٹھ جاتا ہے جس کے اٹھنا کوئی بھی حجاز نہیں۔

۱۳۔ جب بے نہائے نماز کے نزدیک نہ جائے مگر مسافر خدا نے مستثنیٰ کیا مگر لوگوں نے مسافر کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ جس خدا نے مسافر کی رعایت قصر نماز سے نماز میں کی اور روزہ بعد کو رکھ لینے سے روزہ میں کی، اوس نے حالت جنابت میں استنسا کر کے نماز کی اجازت دی مگر تیمم کر کے جیسا کہ اسی آیت میں اعلیٰ مسافر سے واضح کیا ہے۔ مگر لوگوں نے مستثنیٰ نہیں کیا۔ پانی ملنے پر مسافر کو بھی نہانا ہی ہوگا۔ چاہے زن و فرزند ریل پر چوٹ جائیں مگر سٹیشن پر اتر کر اوسکو نہانا ضرور ہے۔

۱۴۔ "مرضی" مسافر یا کوئی پانچ خانہ سے آئے یعنی اوسکو حد یا پانچ خانہ یا پیشاب ہو یا جماع کرے اور پانی نہ پائے تو تیمم کرے، بعضوں نے پانی نہ ملنے کی قید سب کے ساتھ لگائی ہے، اور اپنے جی سے مراد دنیا و ضوا جس کا اشارہ بھی آیت میں نہیں ہے، کیونکہ وضو کی آیت میں خود ان چاروں کی نسبت حکم موجود ہے۔ تو انکے خیال کے مطابق اگر پانی نہ ملنے کی قید سب کے ساتھ لگائی جائے تو مریض کو بھی پانی نہ ملنے پر نہانا ہی ہوگا۔

تو اس غریب کی توجہ نہ کی۔ مسافر کو بھی پانی ملنے پر نہ مانا ہی ہو گا، تو خدا کا استغنا کرنا اور عبادی
سیس بے کار اور لغو ہو جائیگا۔ اور جنب جب پاخانہ سے اُسے اور پانی نہ پائے تو تیمم کر لیا تو یہ
پاخانہ سے آنکلی قید نہ کیا منہ پھیر لیا، یہ تو محض ریا اور لغو ہو جاتا ہے۔ اسلئے پانی نہ ملنے کی قید کے ساتھ نہیں
بعضوں نے پانی نہ ملنے کی قید میں مسافر کیساتھ تو نہیں لگائی اور باقی دو کے ساتھ لگائی۔ مگر اسکی کوئی
وجہ نہیں دی کہ دو کے ساتھ پانی کی قید کیوں لگائی اور دو کو چھوڑا کیوں۔ کس قاعدہ اور کس حق سے۔
بعض نے کہا کہ مریض پانی نہ پائے تو تیمم کرے، اس سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ پانی پائے تو کیا کرے
تو حدیث سے یہ نصبت ملی کہ جب بھی تیمم کرے، تو جب سہلہ بخلا کہ مریض پانی پائے نہ پک تیمم کرے تو پانی کی
قید لگانے سے کیا نتیجہ نکلا۔ اور خدا ایسا ادھر را حکم دینے سے بند و کج میں کیا کیا بھلائی مضمر تھی۔ کچھ تغیر کیں
مختلف را بین تو بیان ہوئیں مگر یہ فیصلہ ہوا کہ بالاخر قرآن کا مطلب کیا قرار پایا۔

میرے نزدیک نہ تو یہ صحیح ہو کہ لہ تعبد و اداء یعنی پانی نہ ملنے کی قید سب کے ساتھ ہو اور نہ یہ
صحیح ہے کہ یہ قید دو کے ساتھ ہے اور دو کے ساتھ نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔

سکھائی جب اصطلاح میں عام ہو تو اسکو نشہ کیساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں۔ اسلئے اسکے معنی یہ
ہیں کہ دماغ ٹھکانے نہ ہو۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایسا مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً مسکرات ابصار نا
تو جب تم حالت سکون میں یعنی دماغ تمہارا کسی نشہ یا غلبہ نہیں یا کسی بیماری کی وجہ سے یا جنون یا اختلال
حواس کی وجہ سے مختل ہوا، تو اسوقت تک تم نہانے کے قریب نہ جاؤ جب تک تم کو یہ علم نہ ہو سکے کہ تم زہرا
سے کہہ کیا رہے ہو۔ نہ جنب بغیر غسل کئے نماز پڑھے، بان مسافر مستثنیٰ ہے یہ نماز پڑھ سکتا ہے مگر کیونکہ
اسکو آگے بتایا ہے، اوعلى سفر من بعضی جنب مریض، جنب مسافر تیمم سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اوجاء احد منکون الغایط میں کہہ کی تیمم جنب مریض اور جنب مسافر کی طرف ہے۔ معنی یہ
ہیں کہ جب جنب مریض یا جنب مسافر پاخانہ سے اُسے تو تیمم کرے، یعنی بہ تجدید تیمم نماز پڑھ سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حدث پانچاں پیشاب جس طرح ناقص وضو ہیں اور ناقص تیمم بھی جو بعض وضو ہو، اوسمی طرح یہ اوس تیمم کے بھی ناقص ہیں جو بعض غسل ہو۔ اسلئے جنب مریض اور جنب مسافر تیمم سے نماز تو پڑھے مگر جب حدث پانچاں اور پیشاب ہو جایا کرے تو تیمم کو کیا کرے۔ اور جماع کرو تو پانی نہ ملنے پر بہ تیمم نماز پڑھ سکتے ہو، اور پانی ملنے پر غسل کر کے۔ یعنی اَلْمُسْتَمِ النَّسَاءُ فَلَمْ تَجِدْ وَامَاءُ اَقِيْمُوا خَدَاكَ فَرَمُوْهُ ہے، اور لہ تجد واماء اَلْمُسْتَمِ النَّسَاءُ کے ساتھ منضم ہو حتیٰ اَنَّهُ اسے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اوپر کی آیت غسل کے متعلق ہے۔ اسلئے فلم تجد واماء کے معنی یہاں پر فلم تجد واماء للغسل ہے۔ یعنی نہاؤ کیلئے پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لو۔

مسئلہ یہ نکلا کہ جس کا دماغ اپنے حال میں نہ ہو، اور وہ یہ سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو کہ وہ عبادت کر رہا ہے یا کفر بچانک رہا ہو، اوس وقت تک وہ نماز نہیں پڑھ سکتا جب تک وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کہ کیا رہا ہو۔ جسکو احتیاج غسل ہو وہ بے غسل نماز نہ پڑھے۔ جنب مریض اور جنب مسافر تیمم نماز پڑھ سکتا ہے چاہے وہ پانی بھی پائے مگر حدث پانچاں اور پیشاب کے بعد اوسکو تجد تیمم کرنا ہوگا کیونکہ تیمم ٹوٹ گیا۔ اور جس نے جماع کی ہو وہ غسل کر کے نماز پڑھے، اور پانی نہ پائے تو تیمم کر کے۔

فَامْنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنَّوْرَ الَّذِيْ اَنْزَلْنَا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

وضو

قوم وضو کو جانتی تھی جیسے غسل کو، اسکی توضیح کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ وضو مصطلح قوم تھا مگر چونکہ وضو شرط صلوٰۃ ہے اسلئے وضو کی تاکید تصریح فرمادی۔ کیونکہ وضو کی آیت سورہ مائدہ میں ہے اور سورہ مائدہ مدنی ہے۔ اور صلوٰۃ فرض ہوئی ہجرت کے پانچ برس قبل، تو آیت وضو کے پیشتر کیا نمازی وضو پڑھی جاتی تھی۔ اور جنب وضو شرط صلوٰۃ ہے تو اگر وضو پہلے نہ تھا تو

کیونکہ نہیں نماز کے ساتھ ساتھ وضو کی آیت بھی نازل ہوئی۔ وضو تو پہلے سے تھا اس میں تو اختلاف نہیں، اختلاف اس میں ہے کہ آیا ہر نماز کے قبل وضو کر لینا لازم ہو یا وضو ٹوٹنے پر۔ وضو پہلے سے کیونکہ نہ ہوتا، کیونکہ اسلام انہی مذہب ہو اور صلوٰۃ بھی ہر مذہب میں تھی جیسا کہ صلوٰۃ کے بیان میں اسکی آیتیں دی جائیں گی۔ توجہ صلوٰۃ بھی انہی ہو تو شرط صلوٰۃ وضو بھی انہی ہو۔ اور اسلئے قوم جانتی تھی کہ صلوٰۃ کے قبل وضو یعنی منہ ہاتھ پاؤں دھو لینا اور سر کا مسح کر لینا الگ الگ حکم ہے خدائے فرمایا۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاعسلوا وجوہکم وایدیکم الی طہرافق وامسحوا برؤوسکم واسرجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطہروا وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فامسحوا باماء فماتیم وارضعوا اطیبا فامسحوا بوجوہکم وایدیکم منہ ما یدید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یمید لیطہرکم۔ (مومنو! جب نماز کیلئے کھڑے ہو اگر کوئی یعنی جب نماز کا ارادہ کرو تو منہ اور ہاتھ کہینوں تک دھو ڈالا کرو، اور سر کا مسح کر لیا کرو، اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر تم ناپاک ہو تو نہالو۔ اور اگر تم مرضی ہو یا مسافر ہو یا کسی کو تم میں سے حدت یا پانچانہ یا پیشاب ہو یا عورت کے ساتھ ملاست کرو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے میم کر لو۔ اس طرح کہ منہ اور ہاتھ پاک مٹی سے مسح کر لو۔ خدائے تعالیٰ اور تنگی ڈالنی نہیں چاہتا وہ تو چاہتا ہو کہ تم پاک کرے۔)

(المائدہ ص ۱۷) اس آیت سے بھی چند مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہو اگر تو وضو کر لیا کرو اسلئے کہ جب جب نماز کیلئے کھڑے ہو اگر تو وضو کر لیا کرو یعنی ہر دفعہ کھڑے ہونے پر یا ہر وقت کی نماز کیلئے وضو کرنا لازم ہو۔ کیونکہ یہ سیکار کی وقت ہو اور خدا اسی آیت میں فرمایا ہو ما جعل اللہ لیجعل علیکم من حرج (یہ وضو تم پر وقت ڈالنے کیلئے نہیں فرض کیا گیا بلکہ مقصود طہارت ہو اسلئے وضو ہر وضو کی ضرورت نہیں) مقصود طہارت ہو اور وہ حال ہو۔ بلکہ اذا قمتم

انی الصلوۃ کے معنی یہ ہیں کہ جب نماز پڑھنی چاہو تو وضو کر لو۔ یعنی نماز حالت وضو میں پڑھنی چاہئے۔ کیونکہ اگر ہر نماز کے قبل وضو کر لینا لازم ہوتا، تو وضو ٹوٹنے کے کوئی معنی نہ تھے اور خدا ناقصات وضو کو فرما دیا ہے۔

ناقصات وضو۔ پانچ خانہ، پیشاب، حدث، اور ملاست عورت ہے۔

۱۔ ایدیکم انی امر افرمایا۔ ہاتھ دھونے میں کنہیاں بھی داخل ہیں، کیونکہ ید کا لفظ پورے ہاتھ پر بولا جاتا ہے، یہ کہانی غیر نہیں ہے۔ وہ الی کے تحت میں داخل ہے۔ دوسرے الی بمعنی مع ہے، اور یہ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ واسر جکمہ کی قرأت بالفتح بھی ہے اور بالکسر بھی۔ کسی نے فاعسلاو پر عطف کیا اور کسی نے واسر سحوا پر۔ اسلے کسی نے پاؤں دھویا اور کسی نے پاؤں کا مسح کیا۔ چونکہ دونوں برینا قانون الہی ہے اسلے دونوں جائز، مگر چونکہ پاؤں کے دھونے میں مسح آگیا اور مسح میں پاؤں کا دھونا نہ آیا اسلے احتیاط کا اقتضا پاؤں کا دھونا ہے اسلے سوا احکام خداوندی مصالح اور فوائد عباد پر مبنی ہیں اور پاؤں گرد و غبار سے آلودہ، اور اجرام ارضی سے زیادہ ملمس ہوتا ہے، خصوصاً طاحون کے زمانہ میں، اسلے یہ نظر حفظان صحت بھی پاؤں کا دھونا نہ یا وہ اولیٰ اور زیادہ قرین عقل ہے۔ اور پاؤں کا دھونا علاوہ صفائی کے مقوی دماغ بھی ہے اسلے خدا کی رضا پاؤں دھونے ہی کی معلوم ہوتی ہے اور اسلے اس جکمہ یا لفتح زیادہ صحیح قرأت ہے۔ جو تواتر ایسا لہ جفا ظاہر ہو چکا ہو اور شایع ہے۔

۳۔ جب ناپاک ہو اگر تو طہارت کر لیا کرو، یعنی نہ لیا کرو۔ اسکو غسل کی اہمیت میں اوپر بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ اگر مریض یا مسافر ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لیا کرو۔ ان دونوں کے ساتھ پانی ملنے نہ ملنے کی

قید نہیں کیونکہ خدانے فرمایا ہر ما جعل اللہ لیجعل علیکم من حرج خدا تمپر وقت ڈالتی انہیں چاہتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ مرہین و مسافر کیلئے پانی میسر آسکنے پر بھی وقتین لاحق ہوتی ہیں اسلئے مرض و سفر نہایت قوی عذر ہے جس کا خدانے ہر حکم میں لحاظ رکھا ہے۔ گویا ما جعل اللہ لیجعل علیکم من حرج انہیں دونوں کی نسبت فرمایا ہر جن کا لحاظ ہر حکم میں اوستے رکھا ہو۔

۱۔ تم میں سے جب کوئی پائخانہ سے آئے (یہ تہذیباً کہا گیا یعنی پائخانہ پیشاب اور حدث ہو جا) جن باتوں کو پائخانہ سے تعلق ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جائیگا۔ ورنہ صرف پائخانہ سے گھومنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہ تہذیب گفتگو ہر زبان میں ہو یا کوئی عورت سے ملاست کرے۔ تو وضو کر لیا کرے۔ اور پانی نہ پائے تو تیمم کرے (جیسے پانی پاک کر نیوانی چیز ہے مٹی بھی ہو۔)

صلوۃ کیلئے وضو کا ہونا شرط ہے اسلئے وضو کا یقین ہونا چاہئے تاکہ شرط فوت نہ ہو نہ مشتبہ رہے۔ تو نیند یا غشی میں چونکہ وضو کا یقین نہیں ہو سکتا اسلئے جاگنے یا ہوش آئیکے بعد پھر وضو کر لینا ضرور ہے تاکہ شرط صلوۃ متیقن ہو جائے۔

فأصوباً للہ ورسولہ والنور الذی اوتلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

تیمم

طہارت کی ایک شان تیمم ہے۔ طہارت پانی سے بھی ہوتی ہو اور مٹی سے بھی۔ استنجاء پانی سے کر دیا کلوح کو طہارت حاصل ہو جائیگی۔ مگر ادلی پانی سے طہارت ہو کہ اس میں طہارت کاملہ ہوتی ہو اسی لئے اصل غسل اور وضو ہو، اور بحالت مجبوری غسل اور وضو کی جگہ تیمم۔

تیمم بھی غسل اور وضو کی طرح ازلی ہے۔ قوم غسل اور وضو کو جانتی تھی تو تیمم کو بھی تیمم بھی عربی ہی زبان کا لفظ ہے۔ تیمم پہلے نہ ہوتا تو یہ لفظ آنا نہیں، اور انوکھا لفظ ہوتا۔ غسل وضو

کی طرح تیمم بھی صلوٰۃ کا مقدم جزو ہے، تا کیداً خدا نے فرمادیا ہے۔

خدا فرماتا ہے قیہموا صعبا طیباً فامسحوا بوجہکم وایدیکم منہ۔ تیمم کیا کرو پاک ٹپھی سے تو مسح کر لیا کرو منہ اور ہاتھوں کا۔ (النساء ۷)

تیمم غسل کے عوض بھی ہے، اور وضو کے عوض بھی۔ تیمم جو غسل کے عوض ہے اور سبکیان غسل کی سرخی میں ہوا۔ اور جو وضو کے عوض ہے اور سبکیان وضو کی سرخی میں ہوا۔

تیمم بحالت مجبوری ہے۔ اور غسل اور وضو دونوں میں مجبوری ہے پانی کا نہ ملنا اور مرض و سفر اور جو ناقضات وضو بیان ہوئے ہیں وہی ناقضات تیمم بھی ہیں۔ کیونکہ تیمم وضو کی جگہ پر ہے۔ پانی کا نہ ملنا تو ایسی مجبوری ہے کہ آدمی غسل یا وضو کر ہی نہیں سکتا۔ اسلئے اسکو بخیر اسکے کہ وہ ٹپھی سے طہارت کرے یعنی تیمم اور کوئی راہ ہے نہیں۔

مریض و مسافر کے ساتھ پانی کی قید نہیں کھی گئی کیونکہ اگر پانی نہ ملنے کی قید لگاؤ تو مریض کی توجان ہی گئی کہ حالت مرض میں اسکو غسل کرنا پڑا باوجودیکہ خدا نے فرمایا ما جعل اللہ لیصل علیکم من حرج۔ خدا تمپر دقت ڈالنی نہیں چاہتا۔ اسی طرح مسافر بھی جسکی رعایت صلوٰۃ قصر اور زمانہ صوم کے بدلنے سے کی گئی ہے آفتوں میں پڑا کہ پانی کے پیچھے ٹرین کھل گئی، اور وہ عورتوں اور بچوں سے معذرت بجا ہو گیا۔ اور علی ہذا سفر کے سیکڑوں مصائب۔ علام الغیوب بندوں کی ساری دقتوں سے واقف ہے، اس نے مریض و مسافر کو بعض غسل اور وضو کے تیمم کی رخصت دی۔ اور اصولاً فرمایا ما جعل اللہ لیصل علیکم من حرج۔ خدا کو تکلیف دہی مقصود نہیں اسکو تو طہارت مقصود ہے۔ پانی سے طہارت کو فرمایا اور بحالت مجبوری و دقت تیمم کی راہ کھول دی۔

قرآن اپنے خدا کے جس نے بندگی میں بھی ہماری ہر طرح کی مجبوریوں اور زحمتوں کا لحاظ رکھا، قرآن اپنے خدا کے جس نے بندگی میں بھی ہماری ہر طرح کی مجبوریوں اور زحمتوں کا لحاظ رکھا اور سہولتوں کی راہیں کشادہ کیں۔ اور بایں لحاظ کہ بندہ مجبور ہو کر کہیں ناخرمانی اور بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائے۔ اقمنا فی فطری کے قانون کو کہیں ٹوٹنے نہ دیا۔

اے خدا! تم کو پاک کر ساری ناپاکیوں سے اظاہری بھی اور باطنی بھی جسم پاک ہو اور دل بھی
وماغ پاک ہو اور روح بھی۔ اے خدا وہ پاکی دے کہ جسم نافرمانیوں کی آلودگیوں سے پاک ہو اور
روح تیرے ماسوائے۔ چلین پھرین مگر تیرے ہو کر۔ کہیں بنیں مگر تیری کمی۔ ملین اوس سے جو کبھی
جدا ہی نہ ہو۔ اور دیکھیں اوس کو جو اوہل ہی نہ ہو۔ انی لا احب الا فین۔

اے خدا! اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے، اور مجھ متولے کو اپنی پاک محبت کی گود میں اوٹھالے
کہ ہماری دید و شنید، ہماری گفتار و کردار سب کچھ تیری محبت میں اتیری یاد میں، تیرے مواجہ کے
ساتھ اور ترے حضور میں ہو۔ دل بیار و درست بھار جیسے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا
اور زندگی کا حق ادا کیا، اے بارش رحمت اوسی رسول کا صدقہ اک چھینٹ ادھر بھی۔ اے فریاد
یہ تیرے عاشق کی فریاد ہے، اور تیرے سوا فریاد سننے والا ہے کون۔ بارش رحمت کی جھڑی لگاؤ
کہ مجھے حقیقی غسل و وضو نصیب ہو قبل اسکے کہ لحد سے تھم کر فی بڑے۔

فَامْنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنَّصِرَ الَّذِیْ اٰزَلَنَا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلہم اللہ

اذان

واذا نادیتہ اذی الصلوٰۃ اتخذواھا من واولھا (اور جب تم نماز کے لئے اعلان
کرتے یعنی اذان دیتے ہو تو لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ المائدہ ۱۰۹) اذان کی مشروعیت کیلئے
یہ ایک آیت کافی ہے۔

دوسری جگہ نماز جمعہ کے متعلق خدا نے فرمایا۔ یا ایہا الذین آمنوا اذ انذی للصلوٰۃ من
یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ ودرس والبیع۔ مومنو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو
بیچنا چھوڑ کر نماز کیلئے فوراً جمل کھڑے ہو کر و (جمعہ) اس سے بھی اذان کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے

اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن کم سے کم نماز جمعہ کے وقت تو دوکان بند کر دینی چاہئے۔ یہ خدا کا فرض کردہ ہے۔

اعلان صلوٰۃ بھی ازنی ہو جیسے صلوٰۃ ازنی۔ قوم نے جس طرح صلوٰۃ کو ضائع کیا کہ خلف من بعد ہم خلف اصناعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشهوات۔ ایسے سلف کے ایسے خلف ہوئے کہ انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور متبع شہوات ہوئے۔ کہ نازنین با جانا بھی جاری کیا مگر جان میں جا کر دیکھ لو۔ اوس طرح اوس نے ناقوس اور گھنٹے وغیرہ بجا کر اعلان صلوٰۃ کو بھی ضائع کیا۔ مسلمانوں نے اذان قلام کی، جس سے غرض اعلان صلوٰۃ تھی، خدا نے پسند فرمایا، اور اسکو نادیتم انی الصلوٰۃ قریا یجب اوس نے پسند فرمایا تو اوسکی مشروعیت قائم ہو گئی۔

اعلان صلوٰۃ ازنی نہیں ہے، مگر کیونکر اعلان ہو یہ مجاز کی صورت ہو جیسے اعلان کرو مسلمانوں کے تفقہ نے اذان کی صورت اختیار کی۔ مگر جب خدا نے اسے پسند فرمایا اور مجاز کر دیا تو اب اسکی صورت فرض کی ہو گئی۔

نَاْمُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا

وَالْقُرْآنَ کَلِمَ اللّٰهِ

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ

کَا لَہٗ اِلَّا اللّٰہُ

صلوٰۃ

خداوند عالم انسان کو ہزاروں طرح کی قوتیں اور نعمتیں عطا کیں، اور ہر ایک سے شکر یعنی عبادت اور خراج کا طالب ہوا تاکہ وہ وسیلہ تقرب ہو۔ روح ہی تو روحانی عبادت، توبہ، ذکر، فکر، مراقبہ محاسبہ، اتقا وغیرہ وغیرہ کا احسن کل بیان منہاج الحق میں کیا گیا ہے حکم دیا۔ جسم دیا تو جسمانی عبادت جہد و جہاد، اطاعت والدین، خدمت خلق، رفاه عام کے کام وغیرہ کا حکم دیا۔ جسم و روح کو منظم کیا اور اس طرح کہ ایک سے دوسرا اثر پذیر ہے، تو عبادات مشتمل صلوٰۃ و صوم اور

حج و زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ کا حکم دیا۔

مجھے صلوٰۃ کو بیان کرنا ہے۔ صلوٰۃ روحانی عبادت یعنی خدا کی یاد اور اوستی۔ رسی اور ساری باطنی قوتوں کی محافظت کے ساتھ ایسے اعمال جسمانی کا بجالانا ہے جو اتقا کا محافظ اور روحانیت کے عروج کا باعث ہے۔ سارا جسم روح کی موافقت اور ساری ظاہری قوتیں ساری باطنی قوتوں کے ساتھ ملکر حضورِ مبین حاضر ہو کر نغمائے انبیاء کا عملی شکر ادا کرتی ہیں، اور متحق انعام و اکرام ہوتی ہیں۔ صلوٰۃ کا حکم تو ایسا متمم بالشان ہے جس کی تاکید سے قرآن مجید بجا ہوا ہے۔ اور تاکید بھی اس عظمت سے کی گئی ہے جسکی حد نہیں مثلاً خدا کا فرمان صادر ہوا اقیموالصلوات ولا تکلوا من الثمرات من الذین فرقا دینہم وکانوا شیعۃ اکل حذب بما لایہم فرحون۔ نماز کو قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ یا جنہوں نے اپنے دین کو پرانگندہ کر لیا اور فرتے فرتے ہو گئے اور ہر فرقہ اپنے حال میں مست ہے۔ (سورہ صافات) لوگوں نے اس آیت کی نافرمانی دل کھول کے کی۔ دین کو پرانگندہ بھی کیا، فرقے فرتے بھی ہو گئے، اور حق مبین کی آنکھیں بند کر لیں کہ ہر فرقہ اپنے حال میں مست ہے اور اپنے اگلوں کی قابلیتوں کا سرشار۔ اسی پر بس نہیں، نماز کیا قائم کرتے کہ کوئی تو لگا اسکو مخوس بتانے کہ نماز مجھے راس نہیں آتی، اور یہ تو خلافت زدوں کا شیوہ ہے، مسجدوں میں جا کر دیکھ لو۔ کوئی لگا اس کی فرضیت ہی پر اعتراض کرنے۔ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ

۱۔ خدا نے صلوٰۃ تو فرض کی مگر یہ بتایا ہی نہیں کہ صلوٰۃ کو نسی چڑھایا ہے۔ اسلئے فرض ہوتا ہے لفظ صلوٰۃ اور طرز صلوٰۃ غیر فرض۔ صلوٰۃ کے معنی دعا کے بھی ہیں تو جب طرز اس نے فرض نہ کیا تو صلوٰۃ کے معنی دعا کے کیوں نہ سمجھے جائیں گے۔ کسی وقت دعا کر لو نماز ادا ہو گئی۔ اگر دعا کے معنی تبیین اور طرز اس نے بتایا ہی نہیں تو فرض کیا ہوا۔ ایسے مجمل فرض کی تعمیل محال ہے۔ ۲۔ حکم قطعی تو سمجھا جائے مجمل، اور اس کا طرز عمل سمجھا جائے ظنیات غیر قطعی سے، تو وہ

حکم قطعی رہے گا یا غیر قطعی اور غلطی ہو جائیگا، اور ان الظن لا یغنی عن الحق شیطان غفیات حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتے۔ صلوٰۃ کہی تو جائے فرض کہ ان الذی فرض علیک القرآن۔ قرآن فرض کیا گیا ہو اور قرآن میں لفظ صلوٰۃ فرض ہوتا ہو اور طرز صلوٰۃ بتایا جاتا ہے حدیث سے، تو سوائے لفظی فرضیت کے اور فرضیت کیا رہتی ہے۔

۱۳۔ اگر کوئی کہے کہ مانا صلوٰۃ فرض ہو مگر اس طرز سے ادسکی فرضیت ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ طرز حدیث سے ہے اور حدیث غفیات میں داخل ہے اور جن مستوجب فرضیت نہیں کیونکہ حدیث کی اجتماع اور حفاظت کا، اور اسکی آمیزشوں سے پاک اور محفوظ رکھنے کا، انہ خدا نے ذمہ لیا، انہ خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، پھر اس کا ذمہ داد کون ہو۔ اور پھر حدیث کی کتاب پر ایمان لانے کیلئے جامعان احادیث اور ہزاروں راویان احادیث پر ایمان لانا شرط ہو اور نہ حدیث خطرہ میں پڑ جائیگی۔ اور ان بزرگوں پر اور اتنے بزرگوں پر ایمان لانا داخل ایمان نہیں تو بتاؤ کونسی نماز خدا کی فرض کردہ ہے۔

۱۴۔ تاکہ تارک صلوٰۃ تو ایک طرح کا مشرک ہو، اور جہنم میں جہنم کا جائے، تو کیا یہ ارحم الراحمین کا عدل ہو گا کہ طرز نماز تو بتائے نہیں اور اس کے مخصوص طرز پر ادا کئے جائیں کا طالب ہو، کیا یہ عدل و رحم کا اقتضا ہو سکتا ہے۔

۱۵۔ اگر طرز صلوٰۃ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر چھوڑا گیا، کہ جس طرح آپ چاہیں نماز پڑھیں، وہی نماز مطلوب ہو، اور اس کے وحی غیر ضروری ہو۔ تو کیا رحمۃ اللعالمین کی شان کے یہ زیبا ہو گا کہ خدا کی مرضی جان کر طرز صلوٰۃ اور علیٰ ہذا سازے مجمل احکام کا ضمیمہ قرآن مجید میں غم فرمائیں، اور تبلیغ قرآن کے ساتھ شامل فرمائیں۔ اور جامعان احادیث پر حتم رہا، متوکل کے مجمل ناقابل عمل درآمد قرآن تبلیغ فرمائیں، جس سے حدیث جمع ہوئے تاکہ قرآن کی

تفصیل صدیوں سخی ہنائی باتوں پر اور لوگوں کی دیکھا رکھی ہو کر اسے جس میں غلطی اور موضوعات کا خطرہ ہو۔ اس خیال سے تو نماز کا ستون ہی ہل جاتا ہے؟

نماز کو منحوس کرنے والے تو جہلا کے گمراہ لوگ ہیں جو شیطان کے بھیٹ میں لگے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کا عروج اور نغین نمازی مسلمانوں سے ہوا تھا جو نماز کو نماز کی حق ادائیگی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آج مسلمان غلط چوڑ کر ایک طرح کی شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں جب فلاکت زدہ اور اس برے حال کو پہنچے ہیں جو ان کے کہہ تو توں کی نرا ہے۔

ہاں ان لوگوں کے اعتراضات ابھی بیان ہوئے چونکہ یہ بتائے قرآن و حدیث میں اسے قابل توجہ نہیں۔

یہ سارے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں صرف اس عقیدے سے کہ قرآن مجید خود قرآن مجید کے دعوے کے خلاف مجمل مانا گیا ہے حالانکہ وہ مجمل نہیں جیسا کہ مسائل حل طلب کے لوہ میں یہی مسئلہ قرآن مجید حل کیا گیا ہے۔ جب قرآن مجید اپنے مفصل ہونیکار میں ہے تو مجھے یہی دکھانا ہے کہ حکم صلوٰۃ مجمل نہیں مفصل ہے۔

اے قوم! قرآن مجید کوئی لغت کی کتاب نہیں اصطلاحات کی کتاب نہیں جس میں لغات اصطلاحات حل کئے جائیں۔ اور لفظ پیچھے ایام جاہلیت کے اشعار سند میں لائے جائیں۔ قرآن مجید تو روحانی اور جسمانی ترقیوں اور تکمیل انسانیت کا قانون ہے جو زبان عرب میں نازل ہوا ہے جسے لوگ بولتے اور سمجھتے تھے۔ تاکہ وہ سمجھیں اور فائز المرام ہوں جیسا کہ مسائل حل طلب کے اہل ایمان بوجہ اور ہدایا لاکر قرآنی ثابت کیا گیا ہے۔ اسلئے صلوٰۃ کیا سارے ہی احکام اسی اصول پر دیئے گئے ہیں۔ جب ہی قوم نے حکم سننا اور اسکی تعمیل کی۔ یہ غلطہ بلند ہی نہ ہوا کہ ما الصلوٰۃ کما لہما الذکوۃ مثلاً۔ خدا نے فرمایا۔ السارق والسارق قطعوا ایدیہما۔ چور و چور ہو یا عورت

اون کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ (مانندہ ۷۱) یہ نفرایا کہ سر قریہ کیا چیز ہے اور سارق کسے کہتے ہیں۔
 اسی طرح اوس نے فرمایا۔ النانیۃ والنانی فاجلدہ واکل واحد منہما مانئہ جلدۃ
 زانی اور زانیہ ہر ایک کو سو کوڑے مالد (نوملد) یہ نفرایا کہ زنا کیا ہے اور زانی کسے کہتے ہیں۔
 اسی طرح اوس نے فرمایا۔ احل اللہ البیج وحرّم اللہ البیضا۔ خدائے تعالیٰ نے بیج کو حلال کیا اور بوا
 کو حرام۔ خدائے رب کو حرام کیا اور اوسکی سزا مخلوق فی النار قرار دی، اگرچہ بتایا ہی نہیں کہ بیج
 کو نسا معاملہ ہے جو حلال کیا گیا، اور رب کو نسا معاملہ ہے جو حرام کیا گیا۔
 چور کے ہاتھ کٹے، زانی اور زانیہ کو کوڑے لگے، سود خوار جہنم میں جوئے خا گیا، اگرچہ چوری کو
 بیان کیا نہ زنا کو نہ رب کو۔ کیون بیان نہ کیا ہوا کیا الکی سے، اہول چوک سے، لاعلمی سے، یا ظلمًا انھو ذباللہ
 منہا۔ یہ تو خدا کی نسبت کفر کے تجملات ہیں۔ بیان اسلئے نہ کیا کہ بیان کر نیکی ضرورت نہ تھی۔ قوم جانتی تھی
 کہ چوری کیا ہے، زنا کیا ہے، رب کیا ہے، یہ اوس کی بول چال کے الفاظ تو ہیں کیا اندھیر کہ ہم تم سے یہ الفاظ
 بولیں تو تمہاری سمجھ میں آجائیں، اور خدا فرمے تو یہ مصطلحات معنی اور حقیقتان ہو جائیں کہ انخل
 ہوں۔ مجمل ہو جائیں، کہ بغیر تفصیل و تفسیر کے سمجھ میں آنے ہی کے نہیں۔ لیون مجمل کئے کو کھڑے ہو
 تو وہ ہر بات ہے، ہر فصل بھی مجمل ہے۔ مثلاً۔ خدا پر ایمان لاؤ۔ اسے مجمل کہہ دو گے کیسے خدا پر ایمان لاؤ
 کیا معنی، ایمان تو ہونیکی چیز ہے، یقین تو آدیا حکم سے نہیں ہوتا۔ تو کیسے خدا پر ایمان مطلوب ہے، یا صحت
 دار خدا پر، جو انسان کی شکل و صورت کا ہو، یا بے صورت خدا پر۔ یا ایسے خدا پر جو ایک جگہ بیٹھا ہو، یا
 یا ایسے خدا پر جو ہر جگہ ہے۔ پھر آدردر کے زبردستی ایمان لایا جائے تو اوسکی ذات پر یا صفات پر
 بھی۔ اوسکے وجود پر یا اوسکے شہود پر بھی۔ قرآن اولیٰ کی طرح قال و حال سے، یا نہ مانہ حال کی طرح رکھا
 سنہ بولا ایمان۔ اگر اجمال کے یہ معنی ہیں تو وہ ہر بات ہے اور ایسا اجمال کبھی حل ہونیکا نہیں اور ایسا
 نہیں ہے قرآن مجید کا کوئی حکم بھی مجمل نہیں ہے۔ خدا کا فرمان ہو و فصلتہ تفصیل ہر حکم کو اپنی

اپنی جگہ پر مین دکھاتا بھی جاؤنگا۔

اسلئے بیان سے میری غرض یہ ہے کہ محاورہ زبان جسے اہل زبان سمجھتے ہیں وہ مجمل نہیں کہا جاتا اور جب محاورہ کے مفہوم سے سامع مطمئن ہوا تو وہ مفصل ہے جیسے خیالئے سرگز کو نہ بیان کیا، زنا کو نہ بیان کیا، ربو اکو نہ بیان کیا، صلوٰۃ و صوم کو نہ بیان کیا، حج و زکوٰۃ کو نہ بیان کیا کیونکہ یہ قوم کے مصطلح الفاظ ہیں، ان اصطلاحوں سے وہ کما حقہ واقف ہیں۔ کوئی فرشتوں کی اصطلاح نہیں۔ عربی زبان میں قرآن اور تراویح عربی زبان کی اصطلاحیں ہیں۔ اسلئے حکم صریح ہے صاف اور واضح۔

منتہی الاسباب میں صلوٰۃ کے معنی دعا، درود، تعظیم، اور نماز کے لکھے ہیں۔ اور قرآن مجید میں صلوٰۃ کا لفظ تقریباً سب معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اسلئے صلوٰۃ کا لفظ جو ”ایقموہ“ کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اسکے معنی قوم نے اگر نماز کے سمجھا تو صحیح سمجھا۔ اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح ہوگا کہ قوم صلوٰۃ کو ہانتی تھی جب صلوٰۃ کے معنی نماز کے ہیں۔ اور وہ ضرور جانتی تھی، کیونکہ لوگ مسلمان ہوتے آتے، اسلام تبلیغ کیا جاتا، اسلام لاتے، اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم سنا دیا جاتا، شکر سر تسلیم خم کرتے، اور فرمان برداری کا قول و قرار کر جاتے، نہ کسی نے کبھی یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلوٰۃ و ما الذکوٰۃ۔ نہ اونکو کوئی رسالہ لکھ کر دیا جاتا کہ وضو اور نماز میں اتنے فرائض ہیں، اتنے واجبات و سنن ہیں اتنے مستحیات و مکروہات ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ و غیرہ احکام کی اصطلاح معلوم القوم تھی۔

صلوٰۃ کا لفظ بھی قرآن مجید میں جہاں جہاں امر کے ساتھ یا صیغہ مضارع کے ساتھ آیا ہے ظاہراً تمام ہی الف لام کے ساتھ آیا ہے مثلاً اقیمو الصلوٰۃ یا یقہون الصلوٰۃ یہ الف لام بھی بتا رہا ہے کہ صلوٰۃ معلوم القوم ہے، کوئی انوکھی لام معلوم اصطلاح نہیں۔ قرآن لا معلوم اصطلاح میں نہیں اترتا ہے۔ اور جب عربی اصطلاح میں اترتا ہے

تو اس کو واضح کرنے کے آنحضرت مجاز میں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام اس کے مجاز نہیں ہیں کیونکہ یہ اہل زبان نہیں۔

میں نے مسائل محل طلب کے نمبروں میں قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کیا ہو کہ دین اسلام ازلی ہے۔ یہی دین سب پیغمبروں پر نازل ہوا۔ اسلئے دین کے ساری احکام سب دینوں میں ایک ہی تھے۔ کیونکہ سارے ہی ادیان دین اسلام ہی تھے منزل من اللہ۔ اور منزل من اللہ میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔ لو کان من عند غیر اللہ لوجد فیہ اختلافاً کثیراً (النساء ۱۱۶) اس لئے صلوٰۃ سب دینوں میں تھی، جسکی آیتیں آگے دی جائیں گی۔ جب صلوٰۃ ایک تھی تو مختلف طرز کی صلوٰۃ کا تو ہم بے بنیاد اور غلط ہے۔ بس یہی صلوٰۃ ازلی ہے، قوم اس سے واقف تھی، اسلئے صلوٰۃ کا حکم مجمل نہیں۔ ایسا مجمل حکم دینا جسکی عدم تعمیل کی سزا، اسکی ناخوشنودی اور جہنم ہوا شان خداوندی سے بعید ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حکم تو دیا گیا مجمل، اور اسکی تفصیل چھوڑی گئی حضرت رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل پر، تو ایسی صورت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع مجمل کا حکم کیسا۔ کہ اتباع ما اوحی الیک۔ قرآن مجید کی اتباع کرتے رہو۔ (انعام ۱۱۳) اور مسلمانوں کو اس حکم کے کیا معنی اتباعوا ما اوتل الیک۔ قرآن مجید کی اتباع کرتے رہو۔ (اعراف ۱۷۷) بجائے اسکے حکم دینا تھا اکتب للقوم ما تعقل یا اکتبوا اعمال رسولکم۔ اور جب یوں ہی سارے مجمل قرآن کی تعمیل کو آپ کے محل پر ہی چھوڑنا تھا تو ایسے مجمل قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ سارا دین اسلام ہی آپ کے طرز عمل پر چھوڑا جاتا۔ اور آپ کے اعمال لکھوائے جاتے۔ اور سپر آپکی مشیت ہو جاتی۔

تا کہ وہ مفصل قرآن موجودہ قرآن وحدیث اور تحقیقات روایت و راوی سے
بے نیاز کر دیتا، خصوصاً ایسے حال میں کہ اب کوئی نبی آئینہ الہی نہیں جو اجمال کو
کھولے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ آپ ہمہ تن قرآن مجسم تھے۔ آپ کے سارے اعمال و افعال
متمسک بہ قرآن تھے۔ محدود بحد و دائرہ۔ نہ کم نہ زیادہ۔ قرآن مجید کبھی مجمل نہ سمجھا
گیا۔ نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمل سمجھا، نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔
ایسا ہوتا تو ہمارے رسول جنکا دل ہماری بہتری کیلئے کڑھتا تھا، اور صحابہ جو دین و
ملت کے جان نثار تھے، ضرور خیال کرتے، اور قرآن کی تفسیر کا ضمیمہ اور اوس کے
مصلحتات کی فرہنگ ضرور قرآن مجید کے ساتھ ضم کر جاتے۔ اور اسلام ٹولین
میں تقسیم ہونے سے بچ جاتا۔

ن
خود خداوند باری تعالیٰ ایک قصہ کو تو دس جگہ بیان کرے، اور احکام اور مہتمم بات
احکام کو جسکی نافرمانی سے انسان سا ضعیف الغمہ مخلوق جہنم میں جھونکا جائے یوں
مجمل اور ناقابل تفصیل صورت میں بیان کرے۔ اور پھر ایسے اجمال کا تو محافظ ہوا،
ذمہ وار ہوا، اور اوسکی تفصیل و تفسیر کا نہ حکم دے، نہ محافظ ہو، نہ ذمہ وار ہو، اور
محکوموں کے اس نازک حال پر نہ خداے رحیم ہی کو رحم آئے، نہ رسول کریم
ہی کا کرم گرمائے، نہ صحابہ کرام ہی کا خون حمیت و ہمدردی جوش کھائے،
اور سب کی غفلتوں اور بے رحمیوں سے قرآن یوں مجمل رہ جائے، اور محکوم کی معذور
حجت کی شنوائی نہ ہو، میں ایسے خیال کی جس سے ایسے اعتراضات خدا و رسول پر ہوں جرأت
نہیں کر سکتا کوئی مقدس جماعت کرے تو کرے۔ سبحن اللہ عما یصفون۔ حاشا
قرآن مجمل نہیں، اسلئے ایسے اعتراضوں کی گنجائش ہی نہیں قرآن ایسا مجمل سمجھا جائے کہ

اوسکے احکام بلا آمیزش کسی دوسری انسانی کتاب کے غیر قابل تعمیل ہوں، تو دین کی بنیاد ہی نہیں رہتی۔

اے لوگو! قرآن مجید ہرگز مجمل نہیں، خدا ہرگز ہرگز ظالم نہیں کہ وہ مجمل احکام دیکر جواب طلب کرے، اور جزا و سزا عمل میں لائے، خدا نے احکام مفصل دئے ہیں، اس کا ثبوت عقلاً تو کس قدر سن چکے، اب قرآن سے سنو اور سمجھو کہ جو صلوٰۃ سارے مسلمان ادا کر رہے ہیں یہی فرض ہے، اور اسی طرح فرض ہے۔ اختلافات کچھ ہیں تو وہ مجاز ہیں۔ اور باجمہ اختلافات سب کی نماز صحیح اور مغروضہ خداوندی ہیں۔ کوئی نیا فرض نہیں بلکہ ازلی فرض۔ خود قرآن مجید اس کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

اصطلاح صلوٰۃ ازلی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ ربنا انکھک کفۃ

من ذریعتی بواجب غیو ذی ذریع عند بیتک المحرم ربنا لیقہوا الصلوٰۃ۔ اے ہمارے خدا! میں نے تیرے معزز گھر خانہ کعبہ کے پاس اس بیابان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں اپنی کچھ اولاد لگا کر بسائی ہے تاکہ اے خدا یہ نمازین ٹھہریں۔ (ابراہیم ص ۱۷۸) یہی صلوٰۃ کا لفظ ہے جو اسی حرف اصطلاح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں بھی مستعمل تھا اور اس وقت بھی ہے۔ لفظ ایک ہے تو معنی اور مفہوم دونیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دعا۔ رب اجعلنی مقيم الصلوٰۃ ومن ذریعتی ربنا وتقبل دعاء۔ اے خدا! مجھ کو توفیق دے اور میری اولاد کو بھی کہ ہم نماز پڑھتے زمین اے پروردگار میری دعا قبول فرما (ابراہیم ص ۱۷۸) یہ ہمارے لوگوں کی صلوٰۃ بھی دعا ابراہیم علیہ السلام کی سلامتی صلوٰۃ اس وقت بھی تھی اور اس وقت بھی ہے۔ خدا جو حکم بھیجے وہ تو دونوں حکم میں کوئی تفرقہ نہ بنائے، بلکہ وہ حکم دے فاتح صلوٰۃ ابراہیم حنیفا۔ پھر دوسرا کوئی وہ علامہ

کیون نہ ہو تفرقہ کرنے والا کون

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں خدانے فرمایا۔ واذلوانا لبراہیم مکات
 البیت ان لا تشرك بى شیئا وطہر بیتى للطائفین والقا ثمین والمرکع السجود
 اور جب ہم نے ابراہیم کیلئے جگہ خانہ کعبہ کی ٹھہرا دی تو حکم دیا کہ ہمارا کسی کو شریک نہ کرنا اور طواف
 کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کیلئے بیت اللہ کو پاک و
 صاف رکھنا۔ (سجۃ) یہ آیت خیال کرنے اور یاد رکھنے کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت
 ابراہیم علیہ السلام کی نماز میں قیام و رکوع و سجود سب تھا اور برابری ترتیب تھا کہ پہلے قیام پھر
 رکوع پھر سجود۔ ہماری نماز میں بھی تو وہی سلسلہ ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری نماز
 وہی ابراہیمی نماز ہے جب تو خدانے فرمایا ثم اوحینا الیك ان اتبع حلة ابراہیم حنیفا
 پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو خدا کی طرف یکسو ہو رہے تھے۔
 (نحل ۱۲۱) ملت کے لفظ میں ساری ابراہیمی شریعت آگئی۔ اسلئے اسلام نامح سب ملتوں کا
 نہیں بلکہ مصدق سب ملتوں کا ہے۔ منجملہ اور احکام ملت ابراہیمی کے نماز اور وقت نماز اور طرز
 نماز صابی کے یہاں وہی پائی جاتی ہے جو اپنے کو ابراہیمی المشرک کہتے تھے جبکہ بیان آگے آئیگا۔
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شان میں خدانے فرمایا۔ وکان یامراہلہ بالصلاۃ واللہ کو آ۔
 وہ اپنے گھر والوں کو صلاۃ و زکوٰۃ کا حکم دیتے رہتے (صراۃ ۱۱۱) اسپر بھی قوم سمجھتی ہے کہ ہماری
 صلاۃ غیر مصطلح قوم فرشتوں کی صلاۃ ہے جس کے امام حقیقی ہمارے رسول نہیں بلکہ حضرت
 جبریل علیہ السلام تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام سب کچھ سہی مگر ہمارے رسول رحمتہ للعالمین صلی
 علیہ وسلم کی امامت کے اہل نہ تھے۔ عالم میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی ہیں ہمارے رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم خیر ہماری جان فدا ہوا دن کیلئے بھی رحمت تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام

کتے ہی بڑے ہوں مگر وہ باہمہ بڑائی ہمارے رسول علیہ السلام کے دامن رحمت کی احاطت کے اندر تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام سے کافروں نے کہا۔ اصولاً انکے تعلق ان تلوے مایہ بعد ایاءنا۔ کیا تمہاری صلوٰۃ منکویہ حکم دیتی ہے کہ جبکی پرستش ہمارے باپ دادے کرتے تھے ہم اوسکو چوڑ دین (ہود ۱۱) حضرت شعیب علیہ السلام کے جہان بھی نماز تھی۔ یہ تو ایسا ازنی فرض ہو کہ حضرت لقمن نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی۔ یا بیٹی اقم الصلوٰۃ بیٹا! نماز پڑھتے رہنا حضرت لوط۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسحق۔ اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی شان میں خدا فرمایا۔ و اوحینا الیہم فعل الخیرات و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ۔ یعنی ان کی طرف نیک کام کرنے اور صلوٰۃ و زکوٰۃ ادا کر نیکی و محی بھیجی تھی۔ (انبیاء ۷۷) کہیں پرستار کوئی سختی سے سختی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ فعل خیرات اور صلوٰۃ و زکوٰۃ میں کوئی تفرقہ یا اختلاف ہو۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ اگر بدنی تو فعل خیرات بدل کر کیا ہوا اولاً اختلاف قائم کرنا اصول ٹھہرایا گیا، پھر ہر چیز میں اختلاف قائم کیا گیا، کہ پہلے احکام کھوٹے تھے کھرے ہوئے ناقص تھے کامل ہوئے۔ نسخ کے لایق تھے منسوخ ہوئے۔ خلاف فطرت تھے اب مطابق فطرت ہوئے۔ علم کے شاخسانوں نے تعصب و اختلاف کی شراب پلا کر ایسا مدہوش ویدست کیا کہ قرآن پر تاویل و مرادی معنوں کی پینسل سے اصلاح کا خط کھینچا، اور اوسکو یا تو مجمل لکھے الگ کیا یا شخصی رایوں سے محرف کیا۔ اور بجاے اسکے کہ عمل کی ترازو میں ایسا پتھر جکاتے لطافت و ظرافت اور بھول ردایتوں کے شاعرانہ پیرایہ میں دیگر اہم کے مقابلہ میں اپنی منہ بولی بڑائی ثابت کرنے لگ گئے۔ تو اس کا نتیجہ پیغمبروں کی تحقیق کے سوا اور کیا ہوتا تھا۔ جو ہمارے ایمان میں داخل ہیں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی شان میں خدا نے فرمایا وادعنا الیٰ موسیٰ واخیه ان تبوا القوم کما بعصہ بیوتاً واجعلوا بیوتکم قبلۃ ۾ یرقیموا الصلوٰۃ۔ یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی طرف وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کیلئے گھر بناؤ (بیوت کا لفظ ہر یعنی اوس میں متعدد مکانات ہوں) اور اوس گھر کو اپنا قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو (یونس ۷) اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصر میں قبلہ بنانیکو کہا گیا، اور اوس کا نقشہ بتایا گیا کہ اوس میں کئی گھر ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک یہود کا یہی قبلہ تھا جو مصر میں تھا۔ قبلہ کا اختلاف اور طرز بناؤ کا اختلاف اسلئے ہوتا رہا کہ خدا کی مخلوق قبلہ کو معبود نہ سمجھ لے، بلکہ قبلہ کو نماز کی گنجی کیلئے اک سمت مفروضہ خداوندی سمجھے۔ خدا یہ تبدل ذکر کرتا رہتا تو قبلہ بھی اک بت ہی ہو جاتا۔ دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر یعنی مذہب یہود میں صلوٰۃ فرض تھی۔

صلوٰۃ کا ایک لفظ استعمال ہو رہا ہو اسکو بچاس معنی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ کہ تمام طرز صلوٰۃ بدلتا گیا مگر سب طرزوں کے ادا کر نیکیلئے ایک ہی لفظ رہ گیا۔ خدا نے تفرقہ نہ کیا مگر جس علامہ کا جی چاہے یہودیوں کی رطب یا بس روایتوں کی بنا پر تفرقہ ۾ یرقیم تو ۾ یرقیم کے کچھ اسکادہ مجاز نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ وادعیننی یا الصلوٰۃ والنکوۃ مادمت حیا۔ مجھ کو خدا نے صلوٰۃ و زکوٰۃ کا تزیینت حکم دیا ہے۔ (مریم ۷) اگر عیسائی نماز نہیں پڑھتے، زکوٰۃ نہیں دیتے، تو اس خدا کا حکم اٹھ نہ جائیگا۔ عیسائیوں پر بھی صلوٰۃ و زکوٰۃ فرض تھی۔ اسی لئے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر خدا نے فرمایا تھا۔ قال اللہ انی معکم لکن اقم الصلوٰۃ و ایتیم النکوۃ۔ اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے تو تم ہمارے ساتھ ہیں (مائدہ ۷)

اسی طرح ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ وَأَمَّا صَلَاتُكَ بِالصَّلَاةِ وَأَمَّا طِبْرُ عَلَيْهِا۔ اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرتے رہو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ (طہ ۱۴۱)
اس کے سوا اور بیسیوں آیتیں ہیں

حضرت ابراہیم۔ حضرت لوط۔ حضرت اسمعیل۔ حضرت اسحاق۔ حضرت شعیب۔ حضرت یعقوب
حضرت موسیٰ۔ حضرت ہارون۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ
والسلام سب پر صلوٰۃ فرض تھی، اور زکوٰۃ بھی۔ چونکہ ایک ہی لفظ صلوٰۃ کا استعمال ہوا ہے
بلکہ کسی فرق و امتیاز کے، اسلئے ان صلوٰۃوں میں تفرقہ کر دینا کوئی مجاز نہیں۔ سب پر بالضرور ایک
قائمین والرحمہم السجود والی ایہ بھی صلوٰۃ فرض تھی اور یہی دھیم کا اقتضا بھی ہے۔
کیا اتنی آیتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صلوٰۃ کی اصطلاح انہی سے اور یہ معلوم القوم تھی قوم
جانتی تھی کہ صلوٰۃ کسکو کہتے ہیں۔

حکم تو ایسا متم با شان اور رفیع المنزلت۔ حکم دینے والا قادر و قیوم خدا۔ پوچھنے والے بگڑے
اور الوالغرم پیغمبران نہ صرف زبانی اور عمل سے بلکہ کتاب اللہ دیکر۔ مگر افسوس اس کے بندوں
اسکی قدر بیداری کہ زمانہ گذرا تو پچھلون نے وہ نماز ہی بدل دی اور ضائع کر دی جس کی رنگ تم
گر جاؤں میں دیکھتے ہو اسی کو خدا نے فرمایا فخلق من بعدہم خلف اصحاب الصلوٰۃ
واتبعوا الشہوات۔ ایسے سلف کے ایسے خلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا
اور متبع شہوات ہو گئے (حریم لہ) پھر بھی سب نہیں بگڑے۔ منهم المؤمنون واکثرهم
الفسقون۔ بعض ہی اون میں مومن ہیں اور اکثر تو فاسق ہیں (ال عمران مثلاً) آنحضرت
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی بعض بنی اسرائیل ٹھکانے کی نماز پڑھتے تھے۔ لیسا سوا
من اهل الكتاب امة قائمة يتلون آية الله اناء الليل وهم يسجدون۔

سب پرانہ ترین اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ باتوں کو قیام میں اللہ کی آیتیں پڑھتے اور
 اور سجدہ کرتے ہیں (ال عمران ۱۵۱) انکو صلحا بھی مقرر کیا ہے۔ بعض تو نماز پڑھتے تھے مگر اکثر
 قبیح شہوات ہو گئے تھے۔ کہ نماز کی برائتاک درگت بنی کہ باجاگانا سب ہی نماز میں داخل ہوا۔
 اور یوں خدا پرستی کی جگہ حسن پرستی اور شہوت پرستی قائم ہو گئی۔ جسکو خدا نے فرمایا واتبعوا
 الشہوات۔ ایسا ہی ہندوؤں میں بھی ضرور رسول آئے و لکل امة الرسول۔ تو ان کے
 یہاں بھی نماز ضرور ہوگی۔ مگر وہ بگڑی تو ایسی بگڑی کہ صلوٰۃ اللہ بدل کر غیر اللہ کی پوجا بنی۔ ہرگز
 یہ اسلام سے کفر و شرک کی حد کو نہ بچے، تاہم آفتاب کی پوجا کرتے ہوئے میں نے دیکھا ہے،
 اوس میں قیام بھی ہے، رکوع بھی ہے، سجدہ بھی ہے، مگر فسوس کہ یہ غیر اللہ کے لئے ہے۔
 اکثر یہود و نصاریٰ تو صلوٰۃ ضائع کر چکے تھے جیسا کہ میں نے اسکی آیت اوپر دی جو۔ مگر بعض
 ٹھکانے کی نمازیں پڑھتے تھے، اسکی آیت بھی دی گئی ہے۔ انہیں کیسا تہ خدا نے صابین کا ذکر بھی
 فرمایا ہے۔ ان الذین آمنوا والذین ہادوا ونصری والصابین من امن باللہ والیوم
 الآخر و عمل صالحا فلہم اجر ہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون
 بے شک وہ جو اپنے کو مومن کہتے اور ایمان کے مدعی ہیں اور وہ جو اپنے کو یہود و نصاریٰ کہتے ہیں
 اور صابین (تو ان ناموں سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ جو ایمان لائے اللہ اور روز آخرت پر اور عمل
 صالح کرے، تو اس کے لئے خدا کے یہاں اجر ہے اور نہ اسکو خوف ہوگا نہ وہ محزون ہوگا) (البقرہ)
 اس آیت سے ضرور عین صابی کی تحقیق کی۔ تو اس میں بھی اس عقدے کو بہت کچھ حل کیا۔ تحقیقات
 سے صابی کے مفصل ذیل حالات معلوم ہوئے جسکو ہمارے اس باب سے تعلق ہے۔

یونیس اور صابی حضرت شہید علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ صابی سے صابین کی
 جماعت نکلی۔ یہ اپنے کو ابراہیم المشرّب کہتے تھے، اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت۔ انہیں

مرا دین مانگنے لگ گئے تھے، جیسا کہ زمانہ کا دستور ہے۔ دنیا میں ایسا ہی ہوا کیا ہو۔ امتداد
 زمانہ سے یہ بھی مذہب کو ایسا کھو بیٹھے تھے کہ ستارہ پرست ہو گئے تھے۔ میل سہ سہ ہائی
 کتاب ربانی کا نام ہے جو ارم کی زبان میں ہو۔ اور ایک دوسری کتاب بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام
 منسوب تھی وہ شاید انکی حدیث ہو۔ یہی دو کتابیں انکا دستور العمل تھیں۔ اول اول تو کعبۃ اللہ
 ہی ان کا قبلہ تھا، جب ستارہ پرست ہو گئے تو قطب جنوبی اور قطب شمالی کی طرف سجدہ کرنے
 لگ گئے۔ بلکہ بڑی جھٹکت کرتے۔ اور حج بھی کرتے تھے، مگر جب بگڑے تو مکہ معظمہ کے خار ان پر اڑ
 میں کسی مقام کا حج کرنے لگ گئے تھے۔ روزہ بھی رکھتے تھے اور ایک عید کا۔ نمازین بھی پڑھتے
 تھے اوقات کی پابندی اور رکعات کی پابندی کے ساتھ۔ ان کے یہاں سات وقتوں کی نمازین
 تھیں پانچ وقت ضروری اور دو وقت غیر ضروری۔ پانچ وقت جو ضروری تھی وہ ٹھسک ہمانی
 جیسی۔ صبح۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ اور عشا کی نمازین تھیں۔ اور دو وقت جو غیر ضروری تھی وہ
 تہی اور چاشت کی نمازین تھیں رکعات کی پابندی اور طہارت کی نگہداشت کے ساتھ۔
 طہارت کا ان کے یہاں بھی بڑا خیال تھا۔

میں نے قرآن مجید کی آیتوں سے امت میں ثابت کیا ہو کہ بلا نسخ آیت من الہ اللہ حضرت
 نوح علیہ السلام کے وقت سے سب پیغمبروں کا ایک ہی مذہب تھا، یہی مذہب اسلام ہوا
 سب کے سب ہی مسلمان تھے۔ اور سب ہی کی کتابیں ایک دوسرے کی بکوالہ مصدق تھیں
 اسلئے صلوٰۃ و زکوٰۃ بھی سب پر ہی فرض تھی بلا تفرقہ۔ اور اسلئے صلوٰۃ کی اصطلاح کوئی انکی
 اصطلاح نہیں وہی ازلی اصطلاح ہے جس سے قوم واقف تھی، اور جو صائین کے یہاں پائی جاتی
 ہے۔ اور کچھ اللہ والے اہل کتاب میں بھی جاری تھی۔ جسکی قرآنی شہادتیں اوپر بیان ہوئی
 ہیں۔ جب صلوٰۃ و زکوٰۃ کی اصطلاح سرقہ۔ زنا۔ ربوا۔ اور خلع و طلاق وغیرہ وغیرہ

کی طرح معلوم القوم تھی تو انکو بلکہ سارے ہی احکام کو مجمل کہنا کسی طرح صحیح نہیں بلکہ مفصل
ہیں۔ اور قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مفصل ہے بالکل برحق ہے۔

یہ کہنا کہ صلوٰۃ تو تمام فرض تھی مگر وہ مختلف طرز کی صلوٰۃ تھی ناقص و ناتمام، اسلام آخری
نے اسکو کامل کیا ہے کسی طرح صحیح نہیں۔ خود فرض کرتے ہوئے خدا نے ایک لفظ صلوٰۃ کا فرمایا
ہے بلا کسی تفرقہ و امتیاز کے۔ پھر کسی کو تفرقہ اور امتیاز پیدا کر دینا کیا حق ہے۔ اسکے سوا صلوٰۃ
من عند اللہ فرض ہوئی، اور من عند اللہ میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔ ولو كان من عند
غير الله لوجدنا فيه اختلافاً كثيراً۔ (النساء ۵۸) اسی لئے خداوند عالم نے صلوٰۃ
فرض کی تو لفظ اقیما کے ساتھ کہ صلوٰۃ تو تم جانتے ہی ہو پس اسی کو قائم کرو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں اجمال کیا ہوا۔ اگر کوئی صلوٰۃ کی اصطلاح سے واقف
نہ ہو، تو اس عدم واقفیت اصطلاح سے قرآن مجید اپنے دعویٰ تفصیل کے خلاف مجمل کیوں
ہو جائیگا۔ تو جن اوقات اور جن رکعات کے ساتھ صلوٰۃ پڑھی جاتی ہو، اسی کا نام صلوٰۃ
ہے۔ صلوٰۃ اسی کو کہتے ہی ہیں۔ آج سے نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے
جیسا کہ قرآن مجید کی آیتوں سے دکھایا گیا، انوجہ کا جی چاہے قرآن مجید پر ایمان لائے،
جسکا جی چاہے قرآن مجید کے خلاف علماء کی مختلف رایوں پر ایمان لائے۔

ایسا نہ سمجھو تو کیا یہ تعجب اور حیرت کا مقام نہ ہو گا کہ احکام باطنی ملا و سارے اخلاق اور
تمدن کے احکام، اور سارے ازام و نواہی، اور ہدایات ربانی، جو تحریف سے بچکر رہ گئے
ہیں، سب میں اسلام لون ادیان کے بالکل مطابق اور تمام تر صدق ہو، اور مخالف ہے
تو یہی ارکان اربعہ نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ میں۔ مثلاً قتل و خون ریزی، چوری، رونا، ظلم و
فساد وغیرت۔ بہتان، عیب جوئی، حسد، جھوٹ، جھوٹی گواہی، ہمسایہ کی حق تلفی، تہمت خصوصاً

پاکدامن عورتوں پر۔ ناپاک مرد و عورت کا عبادت گاہ میں جانا یا کتاب اللہ چومنا۔ تمام ممنوع
 ہے۔ مرد اور عورت۔ مسکرات و شراب اور مناذ جمع بغیر اللہ تمام حرام ہے۔ والدین کا احترام
 نکاح و طلاق کے احکام۔ ایلا۔ خلع۔ پردہ۔ جانوروں کی حلت و حرمت تمام ایک ہے۔ اسلام
 کے روزے۔ یهود و صابی کے سے ہیں۔ صابی کے یہاں بھی روزہ ایک مہینہ کا تھا اور مفروضہ
 پانچ وقتوں کی نمازیں بھی۔ اور ہفتہ کے ایک مہینہ دن میں وقت مقررہ پر کارہائے دنیوی چھو
 کر نماز تمام ہے، یعنی صلوٰۃ جمعہ۔ کیونکہ جمعہ کے دن کا تبرک ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
 وقت سے ہے۔ امتداد زمانہ نے کتاب اللہ پر عقائد اور دیگر اعمال مذہبی پر باقہ صاف کیا،
 تو اس نے جمعیہ پر بھی چاہیے مار کر سینچا تو اس کو قائم کیا جب ان ساری باتوں میں، اور علیٰ ہذا
 ہتیرے احکام و ہدایات میں تفرقہ نہیں ہے، تو کسی آیت کے رستے اور کس اصول پر خیال صحیح
 ہوگا۔ کہ اور ادیان میں صلوٰۃ کی اصطلاح اور تہی اور اسلام میں خاص طرح کی صلوٰۃ مقرر
 جب خدا نے قریب قریب ہر حکم میں فرمایا دیا جو کہ یہی حکم تھے پہلے بھی دیا تھا، جیسا کہ نماز کے متعلق
 آیتیں بیان ہوئیں۔ اور ہر حکم کے زیر غور میں بیان بھی کرتا جاؤں گا۔ اسلئے صلوٰۃ ہی کیوں کوئی حکم
 بھی تفرقہ کے ساتھ نہیں آیا۔ بلاشبہ کتب الہی ایک دوسرے کی یکساں مصدق ہیں۔ یہ کہنا کہ فلاں
 قوم کی صلوٰۃ میں قیام نہ تھا، رکوع نہ تھی، سجدہ نہ تھا، یا وہ ناکمل اور ناقص صلوٰۃ تھی، انہوں
 مغروروں کیلئے جائز ہوگا جسکا عقیدہ ہو کہ کتب الہی ایک دوسرے کی بلکہ قرآن مجید کی آیتیں
 بھی آپس میں ایک دوسرے کی ناخ میں۔ مستزاد یہ کہ بعض آیتیں متروک التلاوة ہیں، داخل
 قرآن نہیں اور یہ کھلے کھلے وانا لله لحاظوں کے منکر ہیں۔ اور اسلئے قرآن کو مشتبہ بنا دیا
 اگر یہ دوسری قوموں کی نماز پر منہ آئیں، اور سکو کھوٹی بتائیں، جس کی دلیل وہ قرآن سے
 نہ لاسکیں تو کوئی تعجب کا مقام نہ ہوگا۔

اصطلاح صلوٰۃ۔ اسمین کو کلام نہ رہا کہ صلوٰۃ ازنی فرض ہے ہر غیر پر فرض تھی جس کی آیتیں دی گئیں۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ صلوٰۃ مصطلح قوم تھی ورنہ اس اصطلاح سے واقف تھی، جو حکم خداوندی منکر محل ہوئی۔ اب مجھے اس اصطلاح کو بیان کرنا ہے کہ وہ تھی کیا؟ عمل متواتر سے اصطلاح صلوٰۃ واضح ہوتی ہے۔ قوم نے جو کچھ سمجھا تھا اور انحضرت صلی علیہ وسلم نے جس طرح ناظر تھی اور حکم خداوندی کی تعمیل کی تھی قوم اسی طرح کرتی چلی آ رہی ہے اور تاریخ مذہب یعنی حدیث بھی تمام تر اس عمل متواتر کی مؤید ہے۔ تو ان دونوں سے اصطلاح صلوٰۃ جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

صلوٰۃ کے پانچ وقت مقرر ہیں۔ صبح۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا۔ اور ہر نماز وضو رہتے ہوئے ہونی چاہئے۔ صبح کی ۲ رکعتیں۔ مغرب کی تین۔ اور ظہر۔ عصر۔ اور عشا کی چار چار رکعتیں ہیں ہر رکعت میں قیام۔ رکوع۔ سجود علی الترتیب ہے۔ اور ہر دوسری رکعت کے بعد قاعدہ۔ قیام میں الحمد اور کلام الہی کی کچھ آیتیں پڑھنی چاہئیں۔ اور رکوع و سجود میں تسبیح و تحمید اور قاعدہ میں تحیات و درود۔

یہ روز کی نماز ہوئی۔ جمعہ کے دن بجائے ظہر جمعہ کی دو رکعتیں۔ خوف دشمن کی وقت کہ دشمن مقابل ہو مقتدی کی ایک اور امام کی دو رکعتیں۔ ایسے خوف میں کہ نماز پڑھنی دشوار ہو تو سواریاں پیادہ جس طرح ہو سکے۔ سفر کی دو رکعتیں ہیں سوائے مغرب کے۔ صلوٰۃ اصطلاحاً اسی کا نام ہے اور یہ ازنی اور ابیدی ہے۔

یہ اصطلاح جو میں نے چند سطروں میں بیان کی اس پر تعجب نہ کرنا چاہئے کیونکہ اک اک لفظ کی اصطلاح کھولنے میں درقون سیاہ ہو سکتا ہے۔ آج بھی صلوٰۃ کی وہی اصطلاح ہے جو تھی مثلاً تم کسی سے کہو کہ فلاں صلوٰۃ کا پابند ہے تو سامع اس کا وہی مطلب سمجھ گا جو بیان ہوا۔

کیا اس سے واضح نہیں ہوتا کہ صلوٰۃ اسی کو کہتی ہیں تھے اور کہتے ہیں۔ ہم سے فرق تو صرف اتنی قدر ہے تم کہتے ہو کہ صلوٰۃ کی یہ اصطلاح تیرہ سو برس سے ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ازنی ہے جس کے ثبوت میں آیتیں بنے دیدی ہیں۔

اصطلاح صلوٰۃ قرآن مجید سے۔ صلوٰۃ فرض موقت ہے۔ خدا نے

فرمایا۔ (ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً۔ بے شک صلوٰۃ مومنون پر فرض موقت ہے۔) (النساء ۱۵۱) یعنی ذکر۔ فکر۔ مراقبہ۔ تسبیح۔ تکبیر۔ تحمید۔ اور تہلیل ہزار کرتے رہو، ہر وقت کرتے رہو یا یہ عبادت ہوگی۔ موجب خیر و برکات ہوگی، باعث انضال و تعمات الہیہ ہوگی، باعث تصفیہ و تزکیہ روحانیاں ہوگی۔ مگر اس سے صلوٰۃ مفروضہ سے بکدر و شنی نہ ہوگی۔ کیونکہ صلوٰۃ یہ اوقات مقررہ بہ طرز خاص مفروضہ خداوندی ہے اس لئے کوئی عبادت اسکی بدل نہیں ہو سکتی۔

اوقات صلوٰۃ کی نسبت اللہ خداوندی ہے اقم الصلوٰۃ لابلوک الشمس انی غسق اللیل و قرآن الفجر۔ نماز پڑھا کر و آفتاب کے ڈھلنے سے تاریکی شب تک اور نماز صبح۔ (یعنی اس اللیل ۱۵۱) ظہر کے وقت سے نماز کا سلسلہ چلتا رہے عشاء کے وقت تک۔ اور اسکے سوا صبح کی نماز ہے۔

خدا نے فرمایا۔ بسم محمد مبارک قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا ومن اللیل اللیل فبیم و اطراف النهار۔ نماز پڑھو اپنے خدا کی صبح کی عصر کی اور انا و اللیل یعنی عشاء کی۔ اور نماز پڑھو اطراف ہمارے وقت یعنی ظہر و مغرب کی۔ (طہ ۱۵) پانچ وقت کا حکم صادر فرمایا۔

جس طرح قرآن مجید میں خود خداوند باری تعالیٰ کے بہتیرے اسماء حمی یعنی صفاتی نام ہیں۔

جس طرح قرآن مجید میں رسول خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترے صفاتی نام ہیں۔ جس طرح قرآن مجید میں خود قرآن مجید کے بہترے صفاتی نام ہیں جو اسی کتاب میں اوپر کہیں بیان بھی ہوئے ہیں۔ اسی طرح صلوٰۃ و زکوٰۃ کو بھی مختلف صفاتی ناموں سے فرمایا گیا ہے۔ زکوٰۃ کو صدقہ مفروضہ بتایا گیا ہے جیسا کہ مصارف زکوٰۃ کے بیان میں دیکھا و اسی طرح صلوٰۃ کا نام تسبیح و تحمید بھی ہے چونکہ صلوٰۃ سراسر تسبیح و تحمید ہی ہے۔ یوں تو تسبیح و تحمید انسان ہر وقت کر سکتا ہے۔ مگر جب موقت کر دیا تو وہ صلوٰۃ کا صفاتی نام سمجھا جائیگا۔ تسبیح و تحمید موقت صلوٰۃ ہی ہے۔ اسی نام میں صلوٰۃ کو تسبیح کے نام سے فرمایا۔

خداوند عالم نے مختلف وقتوں کی صلوٰۃ کی الگ الگ بھی تاکید فرمائی ہے مثلاً قبل صلوٰۃ الفجر۔ صبح کی نماز (نور) من بعد صلوٰۃ العشاء۔ صلوٰۃ عشاء (نور) حافظوا علی الصلوات والصلوات الوسطیٰ۔ صلوٰۃ عصر (تقریب) اقم الصلوات طری فی النہار۔ ایک طرف میں اختلاف کرو مگر دوسری طرف تو نماز مغرب ضرور ہے یعنی نماز مغرب کا حکم (ہو) اقم الصلوات لدلوات الشمس۔ یعنی ظہر کی نماز (نبی اسرائیل) پانچون وقت کا حکم کھلا کھلا ہے۔

خدا نے فرمایا حافظوا علی الصلوات۔ پانچون وقت کی نماز کی محافظت کرو (الغیرۃ) محافظت کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ پڑھو اور اچھی پڑھو۔ مسلمانوں کی تعریف اوس نے فرمائی الذین ہم علی صلوٰۃ ہم الذین ہم وہ اپنی نماز پر مداومت کرتے ہیں (معاہجہ) تو قضا نہ ہونے و نہ نافذ نہ کرو۔ ہمیشہ پڑھا کرو۔ مومنوں کی تعریف میں ہے۔ والذین ہم فی صلوٰۃ ہم خشعون۔ وہ اپنی نماز خشوع سے پڑھتے ہیں (مومنون) تو نماز میں خشوع کو لازم سمجھو۔ اوس کا حکم ہے اقم الصلوات الذکری۔ تو نماز میں اوسکی یاد دہونی ضرور ہے (طلہ) ورنہ بادشاہ

کے حضور واجبہ اور دھر تو ظلم ہے۔ نماز ایسی تو ہو کہ ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر۔ جو برائیوں سے روکے۔ وہ نماز نہیں جو برائیوں سے روکے نہیں۔

طرز صلوٰۃ۔ ہم حکم دے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کے۔ اور اونکی صلوٰۃ تھی قائلین والمکع السجود۔ تو ہماری نماز بھی وہی قیام و رکوع و سجد وانی قایم ہوئی۔

رکعات کی نسبت سورہ نسا کے پندرہویں رکوع میں صلوٰۃ قصر کو دیکھو۔ اوس نے فرمایا کہ جنگ کے وقت ایک جماعت مسلح رہ کر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھ چکے تو وہ حفاظت کو کھڑی ہو اور دوسری جماعت اگر ایک رکعت وہ پڑھ دے۔ یہ صلوٰۃ قصر ہوئی اور قصر کے معنی نماز کو آدمی کر دینے کے ہیں۔ توجہ امام کی دو رکعتیں ہوئیں اور مقتدیوں ایک ایک۔ اور یہ آدمی نماز ہو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بلحاظ مقتدیوں کے قصر کا اصل نماز دو رکعت ہے۔ اور بلحاظ امام کے قصر کے اصل نماز چار رکعتیں ہیں۔ یعنی نماز کی یہی دو چار رکعتیں ہیں۔ اور تین چار میں داخل ہے اسلئے نماز کی رکعتیں ۲۔ ۳۔ ۴ ہیں۔ صبح و شام ۲۔ ۳۔ اور باقی وقتوں میں چار چار۔

صلوٰۃ کی اصطلاح معلوم ہونے کے بعد اتنی تفصیل کی ضرورت نہ تھی صرف نماز کا حکم دینا ہی کافی تھا۔ یہ تو خدا کا احسان ہو کہ اوس نے اس اصطلاح کو بھی اتنا کچھ واضح کر دیا۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ لوگ صلوٰۃ کی اصطلاح سے یعنی وقت صلوٰۃ اور طرز صلوٰۃ واقف تھے جب تو معراج کے پہلے اور فرضیت صلوٰۃ کے پہلے بھی صلوٰۃ پڑھی جاتی تھی آنحضرت بھی پڑھتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی۔ پھر وہ کونسی صلوٰۃ تھی۔ کیا وہ مقبولان رکناہ

لم یزل نہ تھی۔ صلوٰۃ جو مصطلح تھی۔ جو یہ پیروں پر فرض ہوئی تھی۔ جو صابین کے یہاں پائی بھی جاتی ہو۔ اور جو بعض اللہ والے اہل کتاب بھی پڑھتے تھے۔ اور جس میں اپنے قایم ہو حالہ کہ السجود والی صفت پائی۔ وہ اپنے پڑھی۔ وہی ابراہیمی مصطلح صلوٰۃ فرض ہوئی۔ وہی قوم نے پڑھی۔ اور وہی بسلسلہ تواتر عملی ہم تک پہنچی۔ فرق جو پڑا وہ اب اگر اہل قرآن کی نماز میں۔ اور بالصوم روحانیت نماز میں۔

روحانیت نماز تو بالکل ہی کھوئی گئی۔ خدا نے فرمایا تھا۔ اقم الصلوٰۃ لذكرا میری یاد کیلئے نماز پڑھو۔ (طہ ۱۴) اب نماز جو ہے بھی تو اوس میں اوسکی یاد سے واسطہ ہی نہیں، یاد سگ ہے یا عادتاً۔ الا ماشاء اللہ۔ نماز کا رکن اعلیٰ تھا ولذکر اللہ اکبر۔ سب بڑا رکن اوسکی یاد ہے۔ (عنکبوت ۲۵) آج اس رکن اعلیٰ کی طرف متوجہ کر دیا لا کوئی نہیں۔ خدا نے مومنوں کی صفت میں اول صفت یہ فرمائی ہے۔ الذین ہم فی صلوٰۃ خشعون ہ مومن وہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع سے پڑھتے ہیں۔ (مومنون ۱۷) آج اسکی نافرمانی پر طاعت کرنے والا کوئی نہیں۔ رفع یدین اور آمین یا الجمر کے جھگڑے ان اہم اور ضروری اور قطعی احکام و ہدایات سے مقدم تر سمجھے گئے ہیں۔ مومنوں کی صفت پائی جا نہ پائی جائے مگر ہر کوئی منہ بولا مومن ہے اور مومنوں کے انعام و عنایات کا دعویٰ دار۔ مگر خدا کہیں فقر و نین آتا ہے۔

اے لوگو! غفلت بہت بڑا شیطان ہے اس سے پناہ مانگو۔ اور خدا کی یاد ہی نماز کی جان ہے اس سے غفلت نکرو۔ پہلے قبلہ رخ کھڑے ہو جاؤ کیونکہ حکم ہو قول وجہا شطر المسجد الحرام۔ منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو۔ (بقرة) قبلہ کی سمت نہ معلوم ہو سکے تو ایضا تو لو افتہ وجہ اللہ۔ مجبوراً جدھر منہ کرو اور دھری قبلہ ہے۔ پھر نماز خشوع و خضوع

سے ادا کرو۔ قیام کرو تو قومو اللہ قانتین۔ اللہ کے حضور میں کھڑے ہو اگر تو مودب
(بقراءۃ ص ۳۱) جسم بھی مودب ہو اور روح بھی۔ ظاہر بھی مودب ہے اور باطن بھی۔ یہ عام ہے تو اسکی
تخصیص نہ کرو۔ یہی خشوع و خضوع ہے۔

قیام میں پڑھو کیا اور کس طرح تو اسکو خدا فرماتا ہے۔ ولا تجھربصواتک ولا تھافت
بھا و اتبع بین ذلک سبیلاً و قل الحمد للہ الذی لم یلخذ ولداً و لم یکن لہ
شریک فی المملک و لم یکن لہ ولی من الذل و کبرہ تکبیراً۔ اپنی نماز میں نہ تو بہت
زور سے پڑھو اور نہ بالکل ہی آہستہ بلکہ معتدل آواز سے پڑھو۔ اور الحمد للہ پڑھا کرو
اللہ ایسا ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ خدائی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے نہ مکر و ہون کی
وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اسکی تکبیر کیا کرو جو تکبیر کا حق ہے (یعنی اسرائیل ص ۱۱۱)
یعنی نماز کی ہر حرکت میں تکبیر کیا کرو جب کبرۃ تکبیر کا حق ادا ہوگا۔ بعد تکبیر الحمد پڑھا کرو یعنی
سورہ فاتحہ۔ فاتحہ تو سبع مثانی ہے۔ سات آیتوں والی سورہ جو ہر رکعت میں دوہرائی
جاتی ہے۔ و اقلد آتینک سبعاً من المثانی و القرآن العظیم مجھے حکم سات آیتوں
والی سورہ دی جو نماز میں دوہرائی جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا قرآن دیا (جبریل ص ۱۱۱) تو الحمد
پڑھ کر قرآن مجید میں سے جو پڑھ سکو وہ پڑھو۔ پھر خدا فرماتا ہے اقل ما احیی الیاء
من الکتاب و اقم الصلوٰۃ طلاوت کیا کرو قرآن مجید کی دکان طایکہ تم نماز قائم کرو یعنی
قیام تم پر آن مجید پڑھا کرو۔ دوسری جگہ خدا فرماتا ہے۔ ان ربک یعلم انک تقوم اذنی
من ثلثی اللیل و نصفہ و ثلثہ و طایفۃ من الذین معک و اللہ یقدس اللیل
و النهار علم ان لن تحصوا کتاب علیکم فاتقوا و ما یتیسر من القرآن
تمہارے خدا کو معلوم ہے کہ تم اور تمہارے چند ساتھی تقریباً دو ٹکٹ شب کبھی نصف شب

اور کبھی ثلث شب نماز میں کھڑے رہتے ہیں۔ اللہ رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم وقت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اوس نے تمہارے حال پر رحم کیا۔ اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے پڑھو (مزمل آخر رکوع) غرض سورہ فاتحہ کے بعد جس قدر قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھا کرو۔ اور جب امام قرأت کرے تو اذاعراعی القرآن فاستمعوا له واطعوا اوچیپ چاپنا کرو قیام کی نسبت تو ہدایت مفصل معلوم ہو گئی، اب رکوع و سجدہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔
یا ایہا الذین امنوا اساکعوا و اسجدوا و اعبدوا و اسربکم۔ لیمن والوا رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور عبادت کیا کرو اپنے خدا کی (مومنون ص ۱۸) یعنی رکوع و سجدہ خدا کی عبادت کیلئے ہونا چاہئے۔ نہ تو ایسا ہونا چاہئے کہ رکوع و سجدہ میں خدا کا دھیان ہی نہ ہو کہ وہ عبادت خدا کی نہ ہوگی اور نہ کسی دوسرے کو رکوع و سجدہ کرو۔ رکوع و سجدہ خدا کی عبادت کیلئے کیا کرو۔ رکوع و سجدہ میں کرو کیا۔ تو خدا نے فرمایا فسیجوا باسم ربک العظیم۔ تو سبحان ربی العلیٰ عظیم کیا۔ اور سبحان میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا کرو۔ کیونکہ خدا نے فرمایا فسیجوا بحمد ربک و کتب السجیدین خدا کی تسبیح و تحمید کیا کرو و دران حالیکہ تم سجدہ میں ہو کرو۔ تسبیح ہونی چاہئے کوئی تسبیح ہو۔ مگر سب سے بہتر ہے سبحان ربی الاعلیٰ و بحمد کا پڑھنا تاکہ سبحان بحمد سبحان ربی کی پوری تعمیل ہو۔
تصاے صلوٰۃ خدا کا حکم واجب التعمیل۔ اور انسان مجبور یوں کی نشانہ گاہ اگر نماز یا کوئی عبادت مفروضہ کسی مجبوری سے یا بھول چوک سے قضا ہو جائے تو فریاد کی جگہ ہے کہ بلا سرکشی مجبوراً نافرمان بنا پڑا ہے۔ اللہ اللہ اوس الرحمن خدا نے اسکی راہ بھی کھول دی ہے۔ اوس نے ارشاد فرمایا۔ و هو الذی جعل اللیل والنہار ساریۃ لمن اسرا احاد ان ینذکر اولیٰ اذ مشکور۔ الخلقہ بالکسر کے معنی منتهی الارب بین ہر من فاتہ اصر باللیل ادرکہ بالنہار و بالعکس۔ تو آیت کے معنی یہ ہو سکے کہ اوس شخص کے لئے

جو خدا کی یاد اور اس کے شکر کا ارادہ کرے خدا نے رات اور دن بنایا ہے کہ جو رات کو نوت ہو وہ دن کو ادھرے اور جو دن کو نوت ہو وہ رات کو۔ یعنی دوسرے وقت ادا کر لے۔ (خراقان ۱۱) اس آیت سے قضاء نماز یا قضاے عبادت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ خداوند عالم نے صلوٰۃ فرض کی تو صیغہ واحد اور صیغہ جمع دونوں کے ساتھ یعنی فرداً و فرداً بھی نماز پڑھ سکتے ہو اور جماعت بھی۔

صلوٰۃ عید الضحیٰ اور قربانی کی نسبت حکم ہے فصل لیل و نحر پہلے نماز پڑھ لو تو قربانی کرو (کوثر) یہی عمل متواتر سے بھی چلا آتا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ لیتے ہیں اوس کے بعد قرآن کرتے ہیں۔

یہ اتنا بیان تو صلوٰۃ مفرومہ کی نسبت ہوا۔ لیکن ہم مسلمانوں میں اسکے سوا بھی نمازیں ہیں مثلاً صلوٰۃ تہجد۔ صلوٰۃ واجبات و سنن۔ صلوٰۃ اشراق۔ صلوٰۃ چاشت۔ صلوٰۃ عید الفطر۔ صلوٰۃ الجنازہ۔ صلوٰۃ کسوف و خسوف۔ صلوٰۃ التراويح۔ ان ساری نمازوں کی نسبت میں الگ الگ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

صلوٰۃ تہجد۔ آنحضرت علیہ السلام پر مخصوص فرض تھی۔ آپ نے اوسکی تعمیل کی۔ پھر جنگو عبادت کی چاٹ لگی وہ ایسے مہمان اور مہمان وقت کی عبادت سے جمیع اخلاص ہی کا رنگ جلوہ آرا ہو جب چمکنے والے تھے خدا نے یہ اک اصول تعلیم فرما دیا ہے۔ من تطوع خیراً فان الله شکاکہ عیلم۔ جو اپنے شوق سے کوئی نیک کام کرے تو بے شک اللہ قدر دان بھی ہے اور واقف کار بھی (بقرہ ۱۱۱) اس اصول کے مطابق خدا نے ایسوں کی قدر دانی بھی کی اور مقبول بارگاہ بھی بنایا۔ اسی طرح خداوند عالم نے اک دوسرا اصول بھی تعلیم فرمایا ہے۔ من کان یرید حسامۃ الفخرۃ نزلہ فی حسرۃ (جو کوئی آخرت کی کمیتی کی نیت کرے گا تو اس سے ہم اوسیں

بڑھتی رہیں گے) یعنی جو کوئی خیر جاریہ کی بنا ڈالے گا تو وہ علاوہ اس کے ثوابِ خوشنودی مونی سے بھی متمتع ہوتا رہے گا۔

انہیں دو اصولوں پر صلوٰۃ واجبات و سنن مورد وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ نوافل میں مطیع وہ ہے جو نوافل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نوافل ہی سمجھے اور واجبات و سنن کے بدعتی اصطلاحات قائم کر کے فرض سے نہ ٹکرائے۔

صلوٰۃ فطر صلوٰۃ شکر ہے، کہ روزے رکھے فرض کو ادا کیا، انعام اللہ کے مستحق ہوئے، پھر اس کا شکر کیوں نہ ادا کریں۔ اس نے بھی فرمادیا ہو۔ کن من الشکرین۔ یہ مورد وحی صلی اللہ علیہ وسلم کا تققہ فی الدین ہے۔ اسی کا نام دین میں سمجھ پیدا کرنا ہے کہ آپ نے کن من الشکرین کی تعمیل حداثۃ الفخر کے اصول پر کی۔ آپ نے ادائے صوم کے شکر کا طریقہ ایسا خیر جاریہ قائم کر کے فرمادیا کہ اب تک تیرہ سو برس تو ہوئے صلوٰۃ الفطر کس جے ادا کی جاتی ہے کہ جس کا سر بھی بھی خدا کے آگے نہیں جھکتا اور سداں وہ بھی خدا کے حضور میں سر رکھ جاتا ہے۔ یہ تققہ بھی اونچین دونوں قرآنی اصول کے اندر ہے۔

صلوٰۃ الجنائز بھی آپ ہی کا قائم کردہ خیر جاریہ ہے۔ یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں بلکہ صلوٰۃ بمعنی دعا ہے۔ یہ تو میت کے لئے دعا کی اک شان ہے۔ قرآن ایسے رسول کے اور ایسے تققہ فی الدین کے۔ دعا اس طرح کرنے سے غرض یہ ہو کہ میت کو دیکھ کر اپنے آگے کا سوچ ہو۔ اس کی مغفرت کی دعا اپنی مغفرت کو یاد دلائے۔ اس کی بے بسی دیکھ کر جس کا مال باقی ہو وہ مال معاف کر دے جس کا دل دکھا ہو وہ اس کا قصور معاف کر دے اور جو غلام ہو وہ اس پر ترس کھائے اور رحم کا بیتا کر دے۔ اور ایک جماعت خدا کے حضور میں طالب مغفرت ہو کہ مغفرت خداوندی جو ش میں آئے کہ میرے بندے معاف کر رہے ہیں اور ہم تو ارحم الراحمین ہیں۔ میرے

بندے مغفرت مانگ رہے ہیں اور عطا و بخشش تو ہمارا ہی کام ہے۔ اللہ اللہ اس تفقہ کے کتنے راز بیان کئے جائیں۔ یہ تفقہ بھی انہیں دونوں قرآنی اصولوں کے اندر ہے قرآن مجید میں بھی صلوٰۃ جنازہ کا سرغ ملتا ہے۔ اسی لئے اسے فرض کفایہ کہا ہے۔ خدا نے فرمایا وَلَا تَقْلُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهِ۔ منافقوں کی نہ نماز جنازہ ہی پڑھو نہ اوسکی قبر پر کھڑے ہی ہو (توبہ ۱۰۱)

صلوٰۃ کسوف و خسوف بھی انہیں قرآنی اصولوں کے اندر آپکا تفقہ ہے۔ فطرت کے وہ انقلابات جو عظمت و جلال کبریائی ظاہر کرتے ہیں وہ موجب ہوتے ہیں رجوع الی اللہ کے۔ صلوٰۃ کسوف و خسوف رجوع الی اللہ کی ایک نہایت مقدس شان ہے۔ اور اظہار ہے اس کا کہ اسے آفتاب پرستوں دنیا میں سورج کی تاثیرات دیکھ کر جو سورج کی پرستش کرتے ہو اسوقت دیکھ لو کہ اوس قادر قیوم نے اوس کے اثر کو روک دیا۔ اس لئے اوس فعال مطلق کی عبادت کرو وہ متحق عبادت ہے۔ اوسکے آگے جھکنا اس کا وہی متحق ہے۔

یہ سب انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نوافل ہیں جو عبادت اور خیر جاریہ کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ تو انکو اسی طرح محض حب اللہ رب تو تو موجب خیر و برکات اور موجب از دیاد نعمت ہونگے مگر ان کو فرض سے نہ ٹکراؤ۔

صلوٰۃ التراويح انہیں اصولوں پر خلیفہ دوم نے قائم کی۔ نماز تو محبت شان تقدیس خداوندی کی طرز متبی ہے۔ کسی عاشق سے پوچھو وہ نوافل نہ پڑھے تو کیا کرے۔ مگر صلوٰۃ تراویح نے علاوہ عبادت ہونیکے استحفاظ قرآن مجید کا وہ رنگ نکالا جسکی رنگینی سے اسلامی دنیا رنگارنگ ہے۔

ہر چند یہ ساری نمازیں فرض نہیں مگر عبادات نافذہ موجب خیر و برکات ہیں اور خدا کی قدر دانی کی مستحق جیسا کہ آیت اوپر بیان ہوئی ومن قطع خیدا الخ ہر چند یہ نمازیں صریح فرض تو نہیں ہیں مگر احاطہ قرانی کے اندر تعلقہ ہیں۔ ان کے بجالانے والے عنایات و قدر دانی کے مستحق ہیں۔ یہ سارے فوائد رسول میں صلی اللہ علیہ وسلم جو مورد وحی ہیں۔ یہ عبادات خیر جاریہ کے نمونے ہیں۔ اسی اصول پر طبع قرآن۔ قیام مدرسہ کو کتب خانہ و تیم خانہ و چھاپہ خانہ وغیرہ وغیرہ خیر جاریہ قائم کئے گئے ہیں۔ ایسے کل امور جن سے انسان کے دین و دنیا کا بھلاہو اور مخلوق خدا کی بھلائی ہو اور وہ ثبات الاخرہ اور خیر جاریہ ہیں۔ پھر بھی یہ فرض نہیں داخل دین نہیں ان کا منکر کا فر نہیں بغیر معمل گنہگار نہیں۔ اور اتحا معمل نواید سے بہر مند۔

ایک کھٹکایہ ہوتا ہے کہ آواز تو اور خود مسلمانوں کی نمازوں میں اختلافات ہیں۔ پھر صحیح کسے سمجھائے اور غلط کسے۔ اختلاف میں ہو اور صلوٰۃ مسیحی کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کیوں نہ سمجھا جائیگا کہ آواز دینوں میں صلوٰۃ تھی مگر وہ اور طرح کی، اور اسلامی طرز سے الگ تھی۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سارے فرقوں کی صلوٰۃ صحیح ہو اور سب ایک ہی صلوٰۃ ہے۔ صلوٰۃ ازلی بلا اختلاف۔ اختلاف جو دکھائی دیتا ہے وہ اعمال مجاز کی مختلف صورتیں ہیں۔ جس کا محکوم مجاز کیا گیا ہے۔ مثلاً خدا نے فرمایا قیام کرو۔ یہ فرمایا کہ قیام کیونکر کرو پاؤں کیسے رہیں۔ ہاتھ کیسے ہیں۔ باندھے جائیں نہ باندھے جائیں۔ باندھے جائیں تو کمان پر نہ باندھے جائیں تو کس طرح چھٹے رہیں۔ اس سے سمجھا چاہئے کہ خدا کو ہاتھ باندھنے سے مطالبہ نہیں اوس نے قیام کا حکم دیا ہے۔ اور ان باتوں میں مجاز کیا ہے۔ اس مجاز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف صورتوں میں مجاز کی طرح ادا کیا ہے۔ ہاتھ باندھا بھی ہو نہ بھی باندھا ہے۔ قوم بھی مختلف

طرح پر ادا کرنے لگی۔ یہ اختلاف نہ تھا۔ مجاز کی مختلف صوتیں تھیں۔ مگر افسوس کہ ایک خاص طرح پر ادا کرنا بالکل فرقد بن گیا۔ اور یوں فرق بن بن کر مسلمان جو بھائی بھائی تھے وہ ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے لگے۔ حالانکہ سمجھنا تھا کہ سب ہی صحیح اور ٹھیک ہیں۔ مثلاً اپنے ہاتھ باندھے بھی نہ بھی باندھے۔ زیر ناف بھی باندھے۔ سینہ پر بھی۔ رفع یدین کیا بھی نہ بھی کیا۔ آمین بالجبر بھی کہی بالتحفا بھی۔ اس سے سمجھنا تھا کہ اس میں انسان مجاز ہے اور کسی ایک طرح پر کرنا اور پہلے صحیح ہے جس طرح دوسری طرح کرنا۔ مگر لوگ لگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو بھی ڈگری ڈگری دسمس مینے تاکہ آخری فعل صحیح ہے اور سارے افعال مابقی کا نسخہ۔ تو کیا پہلے افعال آپ کے غلط ہیں۔ چار جائزہ فعل کرو تو کوئی پہلے پیچھے ہو گا ہی۔ ان باتوں پر جو تلے لات کی ٹہرتی ہو۔ مقدمہ کا باز اگر کم ہوتا ہو۔ خیر یہ تو اپنے تعصبات کے نتیجے کو بھگت رہے ہیں۔ مجھے کہنا صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں کی صلوٰۃ میں اختلاف نہیں۔ اعمال مجاز میں اختلاف نظر آتا ہے تو وہ اختلاف نہیں اعمال مجاز کی صوتیں ہیں۔ صلوٰۃ اذنی بھی ہے جو ہمیشہ سے ایک ہی۔ مجاز کی صوتیں ہمیشہ طرح طرح سے رہی ہوں گی اور ہیں۔

اے خدا! میں تجیری صلوٰۃ مفروضہ کو بیان کیا کہ یہ تو ہی نے فرض کیا ہے اور تیرے فرض کو ہوئے کو ماسوا کی آمیزش سے پاک کیا ہے کیونکہ تو نے فرمایا ہے ولا یشرک فی حلقہ احد ار خدا اپنے حکم میں کیونکہ شرک یا نہیں کرتا (یعنی اس آیت) تو اے خدا! میرے شیطان میں جن لغزش ہوئی ہو اوس درگزر جو فرو گذاشت ہوئی ہو اوس کو معاف فرما۔ نفسانی نقطہ جو پڑ گئے ہوں ان کو دھو۔ اور یہ کہ اپنی چہرہ کے نو دین پناہ دے کہ تم کو تیرے سوا اور کہیں پناہ نہیں۔ اور دیر تیرے سوا اور کوئی نہیں۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی اتزلنا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ

صوم

خدا نے صوم فرض کیا تو یہ کوئی انوکھا فرض نہیں۔ یہی صوم اگلوں پر بھی فرض تھا اسلئے قوم صلوٰۃ کی طرح صوم کی اصطلاح سے بھی واقف تھی۔ قوم کے ہی اصطلاح میں تو قرآن اتر آیا۔

وہ اصطلاح خود قرآن مجید سے، عمل متواتر سے، اور تاریخ مذہب یعنی حدیث سے یہی واضح ہوتی ہے کہ رمضان کا چاند دیکھو تو پورے مہینہ رمضان کا روزہ رکھو۔ وہ اس طرح کہ صبح کاذب سے لیکر شام تک نہ کھاؤ نہ پیو نہ حوریت کے پاس جاؤ۔ افطار کرو تو پھر سب کرو بس یہی صوم ہے جو فرض ازلی ہے۔

خدا نے فرمایا یا ایہا الذین آمنوا اکتب علیکم الصیام مکاتیب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ اگلوں پر فرض ہوا تھا تاکہ تم پر بہتر کاربن جاؤ۔ (یعنی ۲: ۱۸۳) اس سے ظاہر ہے کہ صوم فرض ازلی ہے اور یہ پر بہتر کار بنانے کیلئے ہے۔

واقعی کو نسامذہب ہے جس میں روزہ کسی نہ کسی طرح نہ ہو۔ مگر فطرت کے اصول کے مطابق خصال علیہم الامتلافقت قلوبہم۔ امتداز زمانہ سے لوگوں کے قلوب سخت ہو گئے۔ لوگوں نے صلوٰۃ ازلی کی طرح صوم کو بھی بگاڑا۔ اور روزے نے بھی بگڑ بدل کر سیکڑوں مشکلمں اختیار کر لیں۔ مسلمانوں میں بھی باوجود کتاب اللہ محفوظ رہنے کے سوا پر کار روزہ رسم جاری ہو کر اڑھٹا۔ روزہ میں بھی لوگوں نے بہت کچھ اختلاف ڈال رکھا تھا۔ زمانہ صوم میں بھی اور طریقہ صوم میں بھی تو یہ کام تھا قرآن کا کہ وہ اختلاف کو مٹائے وما انزلنا علیک الكتاب الا لتبیین لہم الذی

اختلفوا فيه۔ ہنہ قرآن اسی لئے تمیز اور تاراکہ وہ مختلف فیہ یا توں کا فیصلہ کر دے۔ خدا کو فیصلہ کرنا تھا اور سننے فیصلہ کر دیا۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی للناس ویدینت من الہدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه۔ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور تمیز کی کھلی کھلی نشانی ہے۔ اس مہینہ میں جو زندہ موجود ہو وہ اس مہینہ کا روزہ رکھے۔ (بقراہ ۲۳۱) رمضان کے مہینہ کا روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ اگلوں پر فرض کیا گیا تھا۔ صلوٰۃ کی طرح خدا نے صوم کی اصطلاح بھی بتادی اور اختلافوں کا فیصلہ کر دیا۔

اسلام ازنی ہے تو اس کے احکام بھی ازنی ہیں مصداقاً لما بین ید یدہ اسلئے روزہ بھی مثل نماز اور مثل دیگر احکام کے فرض ازنی ہے۔ صوتین تو بکثرین مگر صائبین کے یہاں ایک مہینہ کا روزہ بھی رکھ گیا۔ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ مہینہ کونسا تھا، آیا یہی رمضان کا یا کوئی دوسرا۔ کچھ ہی ہو گیا خدا نے تو فرمادیا کہ جیسا اگلوں پر فرض تھا وہ تم پر فرض ہوا۔ خدا نے کچھ فرق نہ بتایا تو ہم کو سمجھنا چاہئے کہ جو ہم پر فرض ہوا وہی اگلوں پر فرض ہوا تھا۔

یہی اصطلاح جو قرآن سے معلوم ہوئی یا یہی عمل متواتر سے معلوم ہوتی ہے اور یہی تاریخ مذہب یعنی حدیث سے۔ اسلئے مسلمانوں میں صوم کے متعلق اختلاف یا جھگڑے یا کمی بیشی نہیں ہے اور نہ یہ حکم مجمل سمجھا جاتا ہے۔ اسلئے پورا رکوع اور آیتوں کا لکھنا طوالت طلب ہے اور بہ این وجہ اختصار مناسب ہے۔ تو مختصر یہ ہے کہ سورہ بقرہ کا تیسواں رکوع پڑھ جاؤ اور سین کافی طرح سے روزہ کا بیان موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ماہ رمضان کا چاند دیکھو تو اس مہینہ کا روزہ رکھو۔ مریض و مسافر دوسرے مہینے میں گنتی پوری کر لیں۔ اور جو کوئی بغایت تکلیف و مصیبت برداشت کر سکتا ہو جیسے بوڑھا تو وہ اگر اس پر بھی روزہ رکھے تو یہ اس کے

حق میں بہتر ہے ورنہ وہ فدیہ لے کہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ کیونکہ روزہ برداشت سے باہر کچھ ظلم نہیں فرض کیا گیا۔ خدا کچھ ظلم و سختی تھوڑے کرتا ہے۔ اوسکی تو مرضی ہے کہ بندہ آسانی سے اوسکے حکم کی تعمیل کرے۔

رمضان میں اعتکاف کچھ فرض تو نہیں ہے مگر تقریباً الی اللہ اعتکاف کرو تو معتکف ہو کر عورت کے پاس نہ جاؤ۔ رمضان میں دن کو عورت کے پاس نہ جاؤ اور اعتکاف میں نہ دن کو نہ رات کو۔ اعتکاف تقریباً الی اللہ کیا جاتا ہے کچھ فرض نہیں ہے اسلئے اسکا بیان منہاج الحق کا حصہ ہے۔

ایسا حکم جو ہر طرح ہماری ہی بھلائی کے لئے ہے افسوس کی بات ہو کہ اس زمانہ کی نہری تاریک روشنی میں روزہ اک مصیبت کا پہاڑ اور خلاف فیشن سمجھا جاتا ہے۔ ایسے مسلمان ہاتھوں صلوٰۃ و صوم دونوں مذکور ہیں۔ بے باکی سے کہا کیا جاتا ہے کہ ہماری فاقہ مستی سے خدا کو کیا فائدہ۔ یہ تو عربوں کے لئے تھا جنکو خون زیادہ پیدا ہوتا تھا اور اونکو اعتدال پر لانے کی ضرورت تھی۔

مجھے ضرورت پڑی کہ اس اعتراض کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ ضرور کروں کیونکہ نئی روشنی کی تاریکی بجلی کی طرح بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک ایسی جماعت کی تشفی ضرور ہونی چاہئے جو نافرمانی کو لیبی کا تمغہ سمجھتے ہوئے ہے۔ ایسے فرقہ کی تشفی جو نہ عقلی ہی دلائل سے ہو سکتی ہے اسلئے تھوڑی دیر میں اسرار قرآنی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا اوسکو طرح طرح کی قومیں دیں کہ وہ ان قوموں کے سہارے دنیا کے گوشوں گذر کر لہجائیوں کے بھل کوٹے کر کے بہشت میں داخل ہو۔ جو اجتماع خاطر کا اطمینان کلی کا، اور کمال خوشبو کا مقام ہے۔ اول نعم خدا نے رسول بھیجا کہ کتاب بھیج کر راہ بتادی، اور ان قوموں کی رہنمائی بھی کی، اتنی قوموں کی

رہنمائی کے لئے جس کے اطراف خطروں سے گھرے ہوں بہتری ہدایتوں کی ضرورت تھی، تو
اوس نے ساری ہدایتیں دیکر انسان کو ممنون احسان کیا۔ گرچہ یہ ناشکرا ان ہدایتوں کو ظلم
وجہ اور سر پر پہاڑ سمجھتا ہے۔

احکام و ہدایات تو اتنے کہ کوئی قوت حدود اللہ سے باہر قدم نہ رکھے کہ یہ کرو یہ نہ کرو، یوں
چلو یوں نہ چلو، یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ، یہ بولو، نہ بولو، ادھر دیکھو اور دھر نہ دیکھو، اسکی سنو اسکی
نہ سنو، جوش دکھاؤ غصہ نہ کرو، بیوی کرو نہ کرنا، بچ بولو جھوٹ نہ بولو، طلب کرو ہوس
نہ کرو، ہمت کرو طمع نہ کرو، اچھ کرو اسراف نہ کرو، جامع کرو بخل نہ کرو، اور علی ہذا قوانین قدرت نے
بھی اسی کی ترکیب کی، ما اور عقل دور اندیش نے بھی اسی کی تائید کی۔ ہدایات کی تو تھاہ
نہیں۔ اور انسان ضعیف البیان او سپردائمن بانی نفس شیطان دو دوست نادرشمن
در بخل۔ ایسے حالی میں اس دشوار گزار جنگل کو طے کرنا پہاڑ ڈھانے سے کم نہیں۔ خدا روز
کی روحانی قوت سے اس پہاڑ کو ڈھانے کی ترکیب بتائی ہے۔

اچھی بری باتوں کی فرست تو ہر کوئی گنا دیتا ہے۔ ہر مذہب کی اخلاق کی کتابیں اسکی
فرست سے بھری پڑی ہیں۔ لامذہب کا سر بھی اسکے آگے جھکا ہوا ہو۔ اچھا برا ہر کوئی سمجھتا
ہے جسکو تمیز ہے۔ مگر سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ تعلیم بے تربیت و بال ہو اور علم بے عمل جان کا
جنگل۔ ضرورت ہے کہ ساری قوتیں بے راہ روی سے روکی جائیں، اور انکی تربیت
کی جائے تاکہ اچھے ہی اعمال سرزد ہوں، اور برے اعمال کا سد باب ہو۔ روزہ فرض کی
خدا نے حقیقت میں ساری قوتوں کی تربیت کی ہے۔

قوتیں تو بہتری ہیں مگر وہ حرکت آتی ہیں خواہش سے۔ اسلئے خواہش کی تربیت
کرنی چاہئے تاکہ قوتیں بے جگہ متحرک نہ ہوں۔ اسی تربیت خواہش کا نام صوم ہے۔

مثلاً بھوک ہو کھاؤ نہیں۔ پیاس کی شدت ہو مگر پیو نہیں کہ دن کو کھانے پینے کا حکم اوس
محبوب حقیقی کا نہیں ہے۔ بھوک میں غصہ ہو، اور غصہ میں زبان تیزی کرنی چاہتی ہو، مگر غصہ کو
تھوک ڈالو، اور زبان کو روکو، کہ یہ رضائے مولیٰ کے خلاف ہو اس روزہ خراب ہو جائیگا
انہیچھین دیکھنے اور کان سننے کو خدانے دے ہیں۔ تم دیکھتے سنتے ہو، مگر دیکھو آنکھ اور کان کو
قابو میں رکھو کہ نہ ناجائز دیکھو نہ ناجائز سنو، اس روزہ خراب ہو جائیگا۔ بیوی موجود اور جائز
خواہش بھی، مگر دیکھو دنگو پاس نہ جاؤ اور نہ روزہ خراب ہو جائیگا۔ ہر سال ایک مہینہ لگاتار
اس طرح ریاض کر کے اپنی قوتوں کو اپنی قدرت میں رکھو، اور یوں خواہشات کی روک تھام
اپنی قوتوں کی تربیت کرتے رہو۔ صوم حقیقت میں تربیت اخلاق کا اک قوی طریقہ ہے۔
روزہ ہر چیز اپنے اصلی رنگ میں نہ رہا مگر ایک عوام میں بھی یہ زبان زد ہر کہ روزہ
رکھ کر بری باتوں سے روزہ برباد نہ کر دے۔ یہی معنی ہیں لعلم تقون کے جو خدانے روزہ کی
آیت میں فرمایا ہے۔ اسکی مزید تصریح منہاج الحق میں اخلاق کی زیر سرخی دیکھو۔
علم کی روشنی نے بھی سمجھایا تو یہی کہ روزہ فاقہ مستی ہی نہیں بلکہ مہرہ کو مفید اور بہتری
بیماریوں کو نافع ہے۔ مگر خدانے لعلم تقون فرما کر بتادیا کہ صوم ساری قوتوں کی روک تھام
اور ساری نیکیوں کی جڑ ہے۔ اخلاق کے لئے نیشم سحر، اور گلزار تمدن کیلئے باد بہاری ہے۔
ایک مہینہ خواہشوں کے روکنے کی عادت ساری نیکیوں کی بنیاد، اور ظاہری و باطنی حواس
کی تربیت ہے۔ تو صرف منہ کو روزہ رکھنا نہ چاہئے بلکہ سارے حواس اور سارے جذبات کو روزہ
رکھنا چاہئے کہ لعلم تقون کی تعمیل ہو حقیقت میں یہ اعکاف روحانی ہے۔ افسوس
ہے کہ ایسی پیش بہادایت کی قوم نے جیسی قدر کرنا چاہئے نہ کی اور روزہ کی روحانیت
کو کھو دیا۔ اسلئے روزہ پر اعتراض نا سمجھی سے ہے خدا سمجھ سلیم دے۔

فأنا والله وسوله والنوالذي اتزلنا
 كاله الا الله محمد رسول الله والقرآن كلام الله

حج و عمرہ

خدا نے حج فرض کیا تو یہ بھی کوئی انوکھا فرض نہیں۔ یہ فرض بھی ازلی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے۔ جسکا پتہ اس آیت سے بھی ملتا ہے۔ واذلوانا لبراہیم مکان البیت ان لا تشرك بی شیئا وطہرا بیتنی للطائفین والقائلین والرحم السجود اور جب پہنچے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی تو یہ حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ اور میرے گھر کو طواف کر نیوالون (یعنی حج کر نیوالون) اور قیام و رکوع و سجدہ کر نیوالون (یعنی نماز پڑھنے والوں) کے لئے پاک رکھنا (بقراءۃ ۲۵) اس پتہ لگتا ہے کہ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی فرض تھا۔ دوسرے۔ الحج اشہر معلومات۔ حج کے مہینے معلوم ہیں (بقراءۃ ۱۲) اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حج فرض ازلی ہے۔ مگر چونکہ امتداد زمانہ سے کعبۃ اللہ بت خدا بنا دیا میں بھی بتا رہے ہیں کہ حج کو بت اللہ جو پہلے کرتے تھے اور جو چور کعبہ بنانا شروع کر کے پہاڑ کا نام ہی حج کرنے لگے تھے اور اہل کتاب کا قبلہ ہی بدل چکا تھا۔ اسلئے لوگوں کو صرف حج کا زمانہ ہی معلوم رکھ دیا تھا جیسا کہ خدا نے فرما دیا ہے۔ ارکان حج بگڑیدل کر دیا سوا کے لئے ہو گئے تھے۔ اسلئے حج کی اصطلاح دھندلکی میں پڑ گئی تھی۔ تو ضرورت پڑی کہ خداوند عالم اس اصطلاح کو کھوکھو لکر فرما دے۔ وہ اس نے اتنا مفصل فرما دیا کہ قرآن کے مجمل کہنے والے بھی اسکی تفصیل سے انکار نہیں کر سکتے۔

خدا نے فرمایا۔ اذن فی الناس بالہج یا لولک برجالا وعلی کل ضامر یا تین من کل فجعیق لیثھد وامناض لھم ویذکر اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما در قھم من

جهيمة الانعام جفكوا منها والطعموا البائس الفقيرة ثم ليقضوا قضيتهم واليوقوا
 لنفوسهم وليطوفوا بالبيت العتيق۔ کو کون کوچ کے لئے پکار دو۔ لوگ تمہاری طرف پیادہ
 اور دہلی سوار یوں پر جو راہ دور سے آتی ہیں آئیں گے۔ (یعنی دور دور سے لوگ آئیں گے)
 اور اپنے فائدوں کو بھی دیکھیں گے اور مویشی چارپائے جو پہننے اور نہیں دے رکھے ہیں
 ایام معلوم میں ان پر اللہ کا نام لیکر ذبح کریں گے۔ لوگو! قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور
 مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ پھر کو کون کو چاہئے کہ اپنے بدن کا میل دور کریں (یعنی توبہ استغفار
 کریں جس سے گناہ کا میل دور ہوتا ہے) اور اپنی منتیں پوری کریں اور خانہ کعبہ کا طواف کریں (رجع
 دوسری آیت میں خدا نے فرمایا۔ وللہ علی الناس حج البيت من استطاع الیہ سبیلا
 حج بیت اللہ کو کون پر خدا کا فرض ہے جو راہ کی استطاعت رکھتا ہو (ال عمران ۹۷) اس ظاہر
 ہوتا ہے کہ امن راہ شرط ہے۔ اگر امن نہیں تو راہ کی استطاعت نہیں بغرض کسی وجہ سے اگر
 استطاعت راہ معقود ہو تو حج فرض نہیں۔

حج و عمرہ فرض کیا تو یہ بھی تاکید فرمادی کہ اس میں شائبہ پرستش ماسوائے ہو۔ اقموا الحج
 والعمرة لله۔ حج و عمرہ خالص خدا کے لئے ادا کرو۔ (بقراء) یعنی جس طرح نماز کے لئے بیت اللہ
 اک سمت مفروضہ خداوندی ہے۔ اسی طرح حج کے لئے وہ مقام مفروضہ خداوندی ہے۔ نہ کوئی
 نماز میں بیت اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ نہ کوئی حج میں بیت اللہ کا طواف کرتا اور بیت اللہ پر قربان
 ہوتا ہے۔ یہود حقیقی اور مجبوب حقیقی و ہمدہ لاشریک کے سوا کوئی نہیں۔ سجدہ بھی اوسیکہ ہے
 اور طواف بھی اوسی کا۔

خدا نے فرمایا۔ الحج اشہر معلومات فمن فرض فیہن الحج فلا رقت ولا فسوق
 ولا جدال فی الحج وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ وتزودوا فان خیرا نزد التقی

و اتقون یا اولی الاباب۔ حج کے مہینے تو مشہور ہیں ان مہینوں میں جو شخص حج کی نیت کرے تو پھر وہ حج میں نہ عورت سے ملاجبت کرے۔ نہ گناہ کرے۔ نہ جھگڑا کرے۔ اور تم جو نیک کام کرتے ہو اللہ اور سکو جانتا ہے۔ زادراہ ساتھ لے لیا کرو کہ بہترین زادراہ سوال کرنے اور چوری کرنے سے پرہیز کرنا ہے۔ اسے عقل والو مجھ سے ڈرتے رہو۔ (بقراءۃ ۲۵۷) اس آیت سے حج کے متعلق اتنی باتیں معلوم ہوئیں۔ ۱۔ حج کا مہینہ مشہور ہے یعنی یہ کوئی نیا فرض نہیں ان فی فرض ہو۔ ۲۔ حج میں عورت سے ملاجبت ۳۔ گناہ کرنا ۴۔ جھگڑا کرنا ۵۔ زادراہ ساتھ نہ لینا ممنوع ہے۔ تو جو لوگ بے زادراہ جاتے ہیں اور اسکو خدا کی محبت کی نشانی سمجھتے ہیں وہ نافرمانی کرتے ہیں یا سوال کر کے بتلائے گناہ ہوتے ہیں۔ اس آیت میں چار باتیں حج میں ممنوع ہوئیں۔

خدا نے فرمایا۔ اتھوالحج والعمرة تسعة فان احصا تم فاستیسر من الھدی ولا تھلقوا وکسم حتی یبلغ الھدی محلہ طمن کان منکم ریضاً وید اذی من ساسہ ففدیة من صیام او صدقة او نسک ط فاذا امنتم فمن تمتم بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی ط فمن لم یجد صیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا سجدتہ ثلاث عشرة کاملہ ط ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام۔ حج و عمرہ اللہ کے واسطے ادا کرو۔ اگر مجبوری آپڑے (یعنی احرام کے بعد کعبہ نہ پہنچ سکو۔ کو نکرا احرام نہ باندھا تو مجبوری نہیں) ایسی صورت میں جو قربانی میسر ہو بھیج دو۔ اور قربانی جب تک اپنی جگہ نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ تو جو کوئی تم میں مریض ہو، یا جسکے سر میں کچھ دکھ ہو، تو وہ اسکے عوض میں روزے رکھے۔ صدقہ دے یا قربانی کرے۔ پھر حیب عذر رفع ہو تو جس نے حج اور عمرہ ساتھ کیا ہو وہ جو کچھ میرے قربانی کرے۔ اور جو نکرا سکے وہ تین روزے یا حج میں اور سات روزے گھر آکر رکھے۔ اس طرح دس روزے پورے کرے۔ یہ سہولت ادا کیے لئے ہے جس کا کوئی تہاؤ

(بقراءۃ ۲۵۱) اس آیت سے چار باتیں معلوم ہوئیں لمسح وعمرہ خالص اللہ کے واسطے ادا کرنا۔
 ۱۔ احرام کے بعد کعبہ نہ پہنچ سکو تو قربانی کا جانور کعبہ میں بھیجی۔ و۔ ۲۔ اور حج میں جب تک قربانی
 نہ کر لو سر نہ منڈاؤ۔ ۳۔ لمسح رضی و مجبور سر منڈانے کے عوض روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی
 کرے۔ ۴۔ غدر دفع ہو جائے تو اگر حج وعمرہ کی نیت ساتھ کی ہو تو قربانی کرے جو نہ کر سکے وہ تین روزے
 حج میں اور سات روزے گھر آکر رکھے گھر وہ جس کا گھر مکہ میں نہ ہو۔

ایام تشریق حج کا زمانہ ہے۔ حج خالصاً لوچہ ادا کرنا چاہئے۔ استطاعت راہ دیکھ کر اور
 زاد راہ لیکر گھر سے نکلنا چاہئے۔ ان کے سوا اور ہدایتیں بھی بیان ہو چکیں۔

من بعد ۱۔ احرام باندھنا۔ خدا نے فرمایا۔ غیر محلی الصيد واقتمہ حرام۔ حالت
 احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو۔ (مانگہ ۱۷۱) اس سے احرام باندھنا بھی معلوم ہوا اور حالت
 احرام میں شکار کا ممنوع ہونا بھی۔ مگر بحری شکار نہیں۔ احل لکم صید البحر وطعامه
 متقاعا لکم وللسیاسۃ وحرّم علیکم صید البومادمتم حرمّا۔ ۲۔ حج میں تجارت
 ممنوع نہیں۔ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (بقراءۃ ۲۵۱) اور جب تم
 عرفات سے واپس چلو تو مشعر حرام یعنی مزدلفہ کے نزدیک اللہ کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا گیا ہے
 یعنی لیلیک لیلیک اللہم لیلیک وسعدیگ کا ورد رکھو۔ فاذا افضتم من عرفات فاذا
 اللہ عند المشعر الحرام واذکر وہ کماہد لکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین ۵
 (بقراءۃ ۲۵۱) یہ جو خدا نے فرمایا وان کنتم من قبلہ لمن الضالین۔ اگرچہ اسکے قبل تم راہ
 بھولے ہوئے تھے۔ اسکے ہی معنی ہیں کہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر اور کعبہ کو تجارت بنا کر
 تبلیہ بھول گئے تھے۔ خدا نے بتا دیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تبلیہ لازمی ہے ورنہ خدا
 ضالین نہ فرماتا غرض عرفات میں حاضر ہونا اور لوٹ کر مشعر حرام یعنی مزدلفہ میں تبلیہ پڑھتے

رہنا۔ حکم حج میں داخل ہے۔ ملا حج میں بیت اللہ کا طواف کرنا ضرور ہے ولیطوفوا
 بالبيت العتيق (حج ۱۲) ملا مقام ابراہیم میں نماز پڑھنا ضرور ہے واتخذوا من مقام
 ابراهيم مصلى (بقرہ ۱۲۵) ملا صفا و مردہ کے درمیان طواف کرنا بھی ضرور ہے۔ ان الصفا والمروة
 من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما۔ صفا و مردہ
 بیشک خدا کی نشانیاں ہیں۔ خانہ کعبہ کج کرنا والا یا عمرہ کرنا والا اگر ان دونوں مقامات کے درمیان طواف
 کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کوئی شوق سے نیکی کرے تو اللہ قدر دان اور عظیم ہو فن تطوع خیرا
 فان الله شاكر عليم (بقرہ ۱۹۷) ملا حج میں سر منڈانا بھی ضرور ہے۔ ولا تحلقوا رؤسكم
 حتى يبلغ الهدى محله۔ مگر جب قربانی اپنے ٹھیکانے پر پہنچ جائے۔ یہ آیت اوپر بیان
 ہوئی ہے (بقرہ ۲۱۷) ملا پھر قربانی کرنا بھی ضرور ہے۔ فصل لربك واعتمر (کوثر) یہ حج ہوا۔
 اور عمرہ ہو فقط احرام باندھنا۔ طواف کرنا۔ سعی بین الصفا والمروة۔ اور سر منڈانا۔ حج و عمرہ
 ساتھ ساتھ بھی کر سکتے ہو اور اللک لگ بھی۔

کہاں تک اس باب کو طول دیا جائے قرآن مجید نے خود اذنی حج کی اصطلاحات کو کھول دیا
 ہے اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ اور جتنا بیان کر دیا ہے قوم کرتی بھی ہے عمل متواتر میں بھی یہ
 ارکان پوری طرح ادا کئے جاتے ہیں۔ اور عمل متواتر بھی اس اصطلاح کو بتا رہا ہے۔
 ہاں نماز و روزہ اور زکوٰۃ تو وہ فرض ہے جو شخصی طور پر ادا کیا جاتا ہے اور روزانہ یا ہر سال
 ادا کیا جاتا ہے۔ مگر حج عمر بھر میں ایک دفعہ ہی اور مقامی فرض ہے کہ بیت اللہ میں ہی ادا کیا جاتا
 ہے۔ اسلئے مقامی حالات کے بدلنے سے اسمیں فرق آسکتا ہے۔ آج اسلام کو تیس سو برس ہوئے
 مقامی حالات بہت بدل گئے۔ عربی زبان تک بدل گئی۔ تمدن اور اطوار تک بدل گئے۔
 مٹوین اور پانڈوان تک بن گئے۔ بیت اللہ میں فقہانے چار مصلے قائم کئے تو اہل روایات

یہی رمی الجمار اور حجر اسود کا چومنا۔ اضافہ علی القرآن کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے۔ اور یہ ہونا تھا کیونکہ امتداد زمانہ کا خاصہ یہ کہ کوئی چیز اپنے حال پر نہیں رہتی انسان ہی کو دیکھو بچہ اور جوان ہو کر بوڑھا ہو جاتا اور بچہ کی طرح بے بس ہو کر مر جاتا ہے۔ تو پھر انسان کا مذہب اس کے گرونی سے کیوں بچے۔ یہ بھی نہ بچا یہ اتنا کہ اسلام آخری بھی۔ مگر الحمد للہ کہ کلام اللہ نہ محو ہو نیکانہ مٹنے کا نہ متغیر ہو نیکانہ متبدل ہو نیکانہ۔ وہ تو بحفاظت خداوندی محفوظ رہا۔ اور محفوظ رہے گا بھی۔ یہ موجود ہے۔ اسلئے ہم بکڑی گتے ہی تو پھر سنو رین گے ہماری اصلاح کا دروازہ بند نہیں ہونیکا۔

دین اللہ کیا قرآن مجید کے اندر ہے۔ کتاب الحج جو منزل من اللہ نہیں وہ دین نہیں ولا یشرف فی حلمہ احدا۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اسلئے احکامات ربانی کو کم و بیش کرنا حد و دائرہ کو توڑنا ہے۔ جس طرح پانچ رکعات نماز کی فرض نماز سے سبکدوش نہیں کر سکتیں اسی طرح رمی الجمار اور بوسہ حجر اسود حج مفروضہ سے سبکدوش نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تعمیل کی قرآن مجید پر کچھ اضافہ نہ کیا۔ اگر رمی الجمار یا بوسہ حجر اسود کیا بھی ہو گا تو اسکو حج میں داخل نہ کیا ہو گا مصلحت وقت کے اقتضا سے کچھ کیا ہو گا۔ لوگوں نے حج میں داخل کر کے اضافہ علی القرآن کیا۔ حدیث و روایت کو قرآن مجید کے آگے پیش کر دیا اگر خالف یا حد و دائرہ کو کم و بیش کر دیا تو وہ رسول کی حدیث نہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

حج کا بیان بھی قرآن مجید میں مفصل موجود ہے اسلئے مجھے اسکی نسبت زیادہ بیان کرنا ضرور نہیں ہے جو کچھ بیان کیا گیا وہ کافی ہے۔ مزید مسائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں غیر اقوام حج پر زیدہ دہنی سے معترض ہیں اور انکی دیکھا دیکھی نئی روشنی کے مسلمان بھی اگر بت پرستی

اسلام میں بھی اک ضروری چیز اور عبادت میں داخل ہے مثلاً طواف اور حجر اسود کا بوسہ یہ پوجا نہیں تو کیا ہے۔ مورت کا نہیں تو مکان اور پتھر کا سہی۔ اسلئے میں احکام حج کے متعلق کچھ عقلی تقریر بھی کیا چاہتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ میرے موضوع سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ میری عقلی تقریر بھی احاطہ قرآنی ہی کے اندر ہوگی اسلئے میں مختصراً محض نفعاً للحق کچھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

اے لوگو! نام تو بیت اللہ ہے مگر حقیقت میں یہ بیت اللہ ہی۔ ایسا نہیں کہ خدا کا وہ گھر ہے جس میں وہ بیٹھا براج رہا ہو۔ اور وہی مسلمان کا دیوتا ہو۔ نعوذ باللہ منها۔ بلکہ وہ تو خدا کی عبادت کیلئے، صلوٰۃ و حج کیلئے اک سمت مفروضہ خداوندی ہو۔ خود خدا نے فرمایا ان اول بیت وضع للناس للذي بمكة مباركا وهدى للعالمين۔ پہلا گھر جو لوگوں کے لئے قبلہ بنایا گیا وہ یہ ہے جو مکہ میں ہے اور لوگوں کیلئے ذریعہ برکت و ہدایت ہو۔ (آل عمران ص ۹۷) کعبہ تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے بنایا اور یہ اوتھا قبلہ تھا، اسلئے یہ پہلا قبلہ تھا جو لوگوں کیلئے بنایا گیا۔ لوگوں کا حج میں جمع ہونا جس میں تجارت بھی ممنوع نہیں، جسکو ساری دنیا کی کانفرنس کہنی چاہئے اس طرح بلحاظ تبادلی خیالات، بلحاظ ہدایت و مشورہ، موجب برکت و ہدایت ہو۔ قبلہ ہمیشہ بدلتا رہا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کا قبلہ کعبہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبلہ مصر میں تھا جبکہ بیان اوپر ہو چکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قبلہ بیت المقدس تھا اور مسلمانوں وہی کعبہ قبلہ ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ سب اپنا اپنا قبلہ کی طرف نماز پڑھتے اور طواف اور حج کرتے تھے۔ یہ قبلہ کا تبدل بھی بین شہادت اسکی ہر قبلہ کو مسجد یا اوسکا طواف نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اک سمت اور مقام مفروضہ خداوندی ہو تاکہ اوس ایک خدا کی عبادت میں بھی وحدت و یکسانیت ہی کا رنگ رہے کہ سب بیک وقت ایک ہی طرف جھکیں۔

خدا نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ بنانیکے لئے جگہ ٹھہرا دی تو حکم دیا کہ دیکھو میرا کیسکو شریک نہ کرنا۔ وادبوانا لا براہیم مکان البیت ان لا تشرک بئ شیعاً (چھ لفظ) اسو لرح جب ہمارے بنی کوچ کا حکم دیا تو فرمایا۔ حنفاء للہ غیر مشرکین بہ۔ اللہ کے ہوا ہو کسی کو اور سکا شریک نہ ٹھہراؤ (چھ لفظ) اسکے ساتھ حج میں خدا کو یاد کرنے اور تلبیہ کا حکم کھلی کھلی شہادت ہے کہ بیت اللہ اک سمیت اور اک مقام مفروضہ خداوندی ہو اور اسکے امکان خالصاً اور حج اللہ میں حسین شرک کی ذری آمیزش نہیں۔

اب احوال حج اور اسکے فلسفہ کی طرف توجہ کرو تو واضح ہوگا کہ حج جس طرح طالبوں اور محبوں کیلئے تقرب کا ذریعہ ہے اسی طرح عامیوں کیلئے بھی موجب فلاح و برکات۔

اب لوگو! تشریف احوال کا نام تکلیف مصیبت ہے، اور کیسوی کا نام آرام و راحت تشریف احوال ہوتا ہے تشریف خیال سے خیال کیسوی ہو جائے تو تشریف احوال ہونہ مصیبت ہی محسوس ہو۔

اگر کیسوی دنیاوی ہوگی تو موجب ہوگی دنیاوی کامیابیوں کی۔ اور اگر دینی ہوگی تو موجب ہوگی دین و دنیا دونوں کی کامیابیوں کی۔ وہ کیسوی محبت ہی سے حال ہوتی ہے۔ ہر مذہب کی ابتدا اور انتہا حقیقت

میں محبت ہی ہے، جو بڑھ کر ایمان ہو جاتی ہے، اور ایمان کے علاج طے کرتی ہے اگرچہ فی زنا وہ ملوث

ہو گئی ہے۔ لا الہ الا اللہ۔ خدا کے سوا کوئی مقصود و محبوب نہیں۔ اسی پاک کیسوی کا ہادی ہے۔

ان صلواتی و تسلی و صحیای و محاتی للہ رب العالمین الا شریک لہ میری نماز اور عبادتیں

اور میری حیات و موت تک خدا کے لئے ہو چور و درگاہ عالم ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی پاک کیسوی کا

رہنما ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ یہ کیسوی غیر محبت کے حال نہیں ہو سکی۔ اسی لئے خدا کی محبت قرآن مجید میں صہکی

کیا تہ فرض لگی گئی ہے۔ سورہ توبہ کی وہ آیت قل ان کان اباع کما غر یطہ جاؤ۔ اس میں خدا نے

ایک فہرست دنیا کی محبوب ترین چیزوں میں ان کے فرمایا ہے کہ اگر یہ سب یعنی مادی اللہ تم کو خدا سے

زیادہ پیار سے میں تو عذاب خداوندی کے منتظر رہا۔ مگر خداوندی باقی اللہ باصرہ کا یعنی خدا ہی کی محبت تمہیں ابدی سکون بخشے والی اور کیسے کر نیوالی ہے۔

بت پرست یہ کہنے کھڑے ہوتے ہیں کہ محبت بے دیکھے نہیں ہو سکتی ہو اور تم خدا کو بے اوکھی گئی صورت قائم کئے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ اسلئے تمکو خدا کی محبت نہیں حاصل ہو سکتی۔ یہ تو عقل کا اندھا پن ہو کہ صورت خدا سمجھی جائے، یا خدا کی صفت کا تشکیل قائم کیا جائے، اور اوپر مجنونانہ یقین خلاف واقعہ و خلاف عقل اور خلاف ہدایت قائم کیا جائے۔ تو اونکو اونکا بنایا ہوا تو وہ خاک کا خدا مبارک ایسا ہوتا تو سارے بت پرست عاشقان خدا ہوتے۔ یہ لوگ محبت کو جانتے ہی نہیں کہ محبت ہے کیا شے۔ یہ طلب محبت اور ہوس شہوت میں فرق کر نہیں سکتے محبت سمجھ رکھا ہو شہوت بازی کی حالانکہ محبت ایک جذبہ طلب ہے جسکی حرارت میں خشکی اور ترطیب میں سکون ہو۔ حسین نہ فراق ہو نہ وصال حسین جینے جینے سے مستون۔ وہ اک جذبہ جذبات الہی ہو۔ دیکھ کر جو محبت ہوتی ہے وہ شہوت ہے عشق مجازی تحریک شہوت کے تماشے ہیں، اسی کو یہ محبت سمجھتے ہیں۔ عورتوں سے محبت شہوانی پسندیدگی اور فطرتی شہوت کی تحریک ہو۔ دوستوں اور بھیلیوں کی محبت تناسل کے اور اپنے اغراض مقاصد کی ہوا بندیاں ہیں جو شکوک سے اوکھڑ ہیں اور بدگمانیوں سے لوث جاتی ہیں۔ انہیں شہوت رانیوں اور وہم بازیوں کا نام انہوں نے محبت کھا ہو جو بڑھ کھل لہ لہ والے ہیں ^{حاصل} اللہ جان محبت تو بے دیکھی ہی ہوتی ہے۔ یہ خاصہ فطرت ہو کہ جو چیز حاصل نہ ہو، جو چیز آنکھ کے اوچھل ہو اور وہ گراں بہا ہو تو اسکو حصول کی طلب میں پیدا ہوا یہی طلب جب بڑھتی ہو تو شوق ہو جاتی ہے یہی شوق ہوتا، خلعت ہوتا، اور محبت ہو جاتا ہو مثلاً اگر کوئی بگڑیدہ شخص غائبانہ احسانات کرے اور کرتا رہے اور وہ بصفات کہ الیہ بھی ہو جسکے غلغلہ نے دل و دماغ کو فتح کیا ہو، اسکے ساتھ غائبانہ محبت ہوگی۔ گرچہ یہ بھی حقیقی محبت نہیں بلکہ اغراض خواہشوں کی تیرنگ تاریں ہیں۔ یہ دیکھ کر اعظم کا پہلو ٹوٹوے ہے اسلئے اک طرح کی

محبت اسکو کہہ سکتی ہیں۔ یہ بھی اوسکے دیکھ لینے، اوسکے بدل جانے، یا اوسکے مرجانیکے بعد نہ ہو سکی
ہر چند اوسکی عظمت دلوں میں رہ جائے۔ کیونکہ یہ محبت بھی فانی کے ساتھ ہوگی تو اوسکے یا اوس کے
فنا ہونیکے بعد وہ محبت بھی اپنی قرار گاہ نہ پا کر فنا ہو جائیگی۔

محبت اور حقیقی محبت اگر ہو سکتی ہے تو خدائے غائب ہی سے، اور وہی محبت کے لائق اور
اس کا مستحق بھی ہے۔ اوس کے صفات غیر محدود، اوس کے احسانات اوسکے انعامات
اوسکے افضال و اکرام لائق و بے غایات ہر لحاظ اور ہر حال میں وارد ہوتے رہتے اور اوسکا
طالب بننا ہوتا ہے۔ اوسکی غیبیہیت اوسکے طلب کو شوق، اشوق کو مودت، مودت کو خلت، خلت کو
محبت بنا دیتی ہے۔ یہی محبت بڑھکر عالی ظرفوں میں ایمان کامل اور عبودیت پیدا کرتی ہے اور کم ظرفوں میں
عشق و جنون۔ منزہ ذات کی محبت محبت منزہ بناتی جاتی ہے اور سامانہ سکی، کم ظرفوں میں پڑی تو دیوانہ۔
یہ بے راہ ہوتی تو اس میں منزہ کی باس تک نہیں ہوتی اور ہوس و شہوت کے درجہ پر نزول کر جاتی ہے۔
یہ سچ اوسی پاک محبت کی مستی اور اوس مقدس مستی کی بھر اس نکالتے کی راہ ہے اور عاشقوں کے قربان ہونے کا طرز
اے محبان حق! اوٹھو اور سچ کو چلو، مگر محبوب کے باندھے ہو خود نہ ڈویشن۔ دیکھو شرک کا شمر نہ ہو
اور نافرمانی نہ ہونے پائے۔ ہوشیار محبت میں دیول نے نہ ہو جاؤ، حقوق فرو گذاشت نہ ہوں۔ امن
راہ کو دیکھ لو۔ زاد سفر ساتھ رکھ لو کہ ماسوا کے آگے ہاتھ نہ پھیلا نا پڑے یعنی شرک کی جھینٹ نہ پڑنے
پائے۔ یہ این ہوشیاری ظاہری اور باطنی ہوش و حواس کی آراستہ اور جان نثار فوج کے ساتھ چلو۔
میقات میں پہونچکر محبت کو اجازت دو کہ ضبط و تحمل سے آزاد ہو۔ ترک تحلف، ترک عیش و راحت،
ترک زیب زینت کے فقیرانہ اور مچانہ بھیس بنا کر احرام باندھو۔ اور محبوب کی پکار فقہر والی اللہ
کا لیک لیک میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں پکار کر جواب دو، مگر اس طرح کہ دل اور زبان دونوں
ہمدل اور ہم زبان ہوں ان فی ذلک الذکر ی لمن کان له قلب او القی السمع و هو نشید۔

جو شخص دل رکھتا ہو یا کان لگا کر توجہ سے سنتا ہو اس کے لئے بے شک ان باتوں میں نصیحت ہو (ق)
 دل کی آواز اگر رسا ہوئی اور تنہے کان لگایا تو جواب سنو گے کہ اوڑھو ٹوٹھنے والا۔ مجھ کو بہ این
 قرب نہیں دیکھ سکتا تو میری تجلی گاہ کے گرد جو دربار ربانی ہو نیکی حیثیت سے بیت اللہ کہا
 جاتا ہے طواف کر۔ طالب طواف کرتا، اور قربان ہوتا ہے۔ قربان ہی ہو جاتا اگر یہ قربانی کیونکر ہو
 کیونکہ جان دیدینے کا تو جان دینے والا ہی مانع ہے اسلئے طواف کرتا اور جان کے عوض مال
 قربان کرتا اور قربانی دیتا ہے۔ یہ ہو قربانی کی حقیقت خدا بھی فرماتا ہے۔ لَنْ يَنَالَ اللهُ لُحْمًا
 وَلَا دِمَاءً هَا وَلَكِنْ يَنَالُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ خُذُوا حَافِيَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ خدا کے یہاں قربانی کا گوشت نہیں پہنچتا نہ اس کا
 خون پہنچتا ہے بلکہ وہ دلی جذبات پہنچتے ہیں جو جوش زن ہو کر ماسوا سے منقطع کرتے اور
 اتقا کے رنگ بین رنگ تیتے ہیں۔ خدا جان کا طالب نہیں ہوتا ہے مگر جہاد میں۔

طواف بیت اللہ پرستش بیت اللہ نہیں ہے۔ صفا و مردہ کے درمیان میں بھی طواف کیا جاتا
 ہے کیونکہ صفا و مردہ بھی خدا کی نشانیاں ہیں۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ (تیمۃ ۱۱۷)
 ان دونوں پہاڑیوں کو بھی خدا نے اپنی تجلی گاہ قرار دیا ہے اسلئے ان کے درمیان بھی طواف کی
 ہدایت ہوئی۔ طالب دیدار، غیب لغیب کا متلاشی ادھر ادھر دوڑتا اور طلب کی بھڑاس
 نکالتا نہ پھرے تو کیا کرے۔ اور جو دل محبت سے خالی ہے اور حقیقی محبت سے نا آشنا وہ
 ظاہر پرست نہ ہو تو کیا کرے۔ دونوں محبوب ہیں۔

مقام ابراہیم بھی خدا کی نشانیاں میں سے ہے۔ فیہ اٰیٰت بَیِّنٰتٍ مَّوْقِعَ اٰبْرٰهٖمَ
 اس مقام کو بھی خدا نے اپنی تجلی گاہ منظور فرمایا ہے۔ طالعین ان نشانیاں سے مراد پاتے ہیں اسلئے
 اس مقام میں صلوٰۃ شکر ادا کرتے ہیں۔

سر مٹانا کوئی بت پرستی نہیں یہ تو رب العزت کے حضور میں اپنی تذلیل ہے احترام

اوسکی ابترا تھی اور خلق راس اوس کی تکمیل ہے۔

رحمی الجمار اور بوسہ حجر اسود کا ذکر تو قرآن مجید میں نہیں ہے اسلئے یہ جہ میں داخل نہیں یہ بعد
 اضافہ ہیں۔ مگر تاریخ سے یعنی حدیث سے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ آپکا فعل ہے۔ میں تو اس حدیث کو
 تسلیم نہیں کرتا کہ یہ اضافہ علی القرآن ہے اور ان احکم بنینهم بما انزل اللہ کے خلاف۔ تو اگر
 آپنے ایسا کیا بھی ہوگا تو اسکو ہر گز جہ میں داخل نہیں کیا ہوگا۔ اقتضائے وقت یا اقتضائے طبیعت
 سے کچھ کیا ہوگا۔ چاہے آپنے کیا ہو نہ کیا ہو مگر یہ افعال بھی بت پرستی یا بت پرستی کے محافل نہیں
 اسکی تصریح بھی میں یہ فرض کر کے کر دینا چاہتا ہوں کہ آنحضرتؐ ممکن ہو کر ایسا کیا ہو علی اللہ علیہ وسلم۔
 رحمی الجمار پر غور کرو یہ بدیہی تبریٰ عینا سوا ہے اور دل کا اک قصد ہے جو فعل میں لاکر قوی کیا جاتا ہے
 حواس ظاہری اور باطنی دونوں کی اس پاک راہ میں شرکت ہوتی ہے۔ رحمی الجمار تو ماسوا کی
 بت پرستی سے کنارہ کشی کا غم بالجزم ہے۔ لکن طریقان ظاہر میں تو معمولی ستون پر بھینکی جاتی ہیں
 مگر حقیقت میں ماسوا پر بھینکی جاتی ہیں کہ ہم کو ماسوا سے مطلب نہیں۔ اسی لئے اس وقت پڑھا جاتا ہے
 لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو حی لا یموت وھو علی کل شئ قیوم
 بوسہ حجر اسود کے معنی یہ ہیں کہ عاشق تیرے چوکھٹ کا پتھر جویم کے رخصت ہوتا ہے اور زمین اور
 بھی در دیکھ کر لئے جاتا ہے کہ اے غیب الغیب اے وراہ الوراہ تیرا دیوانہ دوڑا دھوپا، کہاں سے کہاں
 مارا پھرا، ادھر دوڑا ادھر دوڑا اور تو غیب الغیب ہی رہا۔ جو کچھ ان تجلی کاہوں میں دیکھا تو وہ تجلی
 طور تھی تو نہ تھا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔ تو
 وہم نہم دید و شنید اور جذبات و ریافت سے اعلیٰ تر ہے اور تو ہی حقیقی کامستی ہے۔ پھر حجر اسود کا
 بوسہ پتھر کی عظمت نہیں بلکہ یہ تو بھینوں کے لئے مقام آہ و فریاد اور رخصت کے وقت بھرے دل چوکھٹ چومنا ہے
 اے لوگو! راج کے سارے مقامات بت پرستی نہیں بلکہ بت پرستی کے فرج ہیں۔ اور حج کے سارے

افعال بھی بت پرستی نہیں بلکہ قطعاً ماسوا کے محرک ہیں۔ نماز میں سارے اعضاء ظاہری اور
 قوائے باطنی سکون کے ساتھ بے حرکت خدا کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں اور حج میں سارے اعضاء
 ظاہری اور قوائے باطنی دوڑ دوڑھوپ اور حرکت کیساتھ خدا کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔ بیت اللہ
 کا تعلق محبت مفروضہ خداوندی ہے اور حج کے لئے مقام مفروضہ خداوندی ہے۔ ارکان ضلواۃ
 اور ارکان حج دونوں عبادت ہے اور دونوں مقصود خدا تعالیٰ کا غیب اور خدا کے دروازہ الہی
 اگر بیت اللہ کو بت بنانا ہوتا تو بیت اللہ کے بت کیوں توڑے جاتے۔ اور پھر کلمہ حج میں
 خدا ہی کیوں یاد کیا جاتا۔ اور بیت اللہ کی یاد یا ذکر کسی ایک مقام پر نہیں ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے
 کہ حج کے حکم کے ساتھ ساتھ شرک کی امتناع اور تاکید ہے جو اسلام کی اصلی غرض ہے۔

افسوس کا مقام ہو گا اگر اس ممتنع شرک ہی کیساتھ حج متمم ہو۔ جاہل سے جاہل مسلمان بھی خدا
 کے سوا کسی انسان یا میت اللہ یا پتھر یا پہاڑ کسی کو بھی نہ خدا سمجھتا نہ خدا کا شریک کرتا ہے، نہ
 خدا سمجھ کر کسی کے آگے قیام یا رکوع یا سجود یا کوئی وہ عبادت جو خدا کیلئے مخصوص ہو کر رہے
 پھر حج کو بت پرستی کہنے کا کسی کو استحقاق ہے۔ اگر وہ اسکو نہیں سمجھتا تو یہ اسکی جہالت ہے۔
 افعال اخلاص شرک نہیں ہو جاسکتے۔

میرے نزدیک حج کسی شخص کی یادگار یا کسی رسم کی یادگار نہیں ہے کیونکہ یہ ساری نسبتیں
 ماسوے اللہ سے جڑتی ہیں۔ اور محبت خداوندی کی غیرت اسکی حمایت نہیں کرتی حضرت
 ابراہیم علیہ السلام امتحان محبت دینے کو کھڑے ہوئے۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے جان حاضر
 کر دی حضرت ہاجرہ علیہا السلام تلاش آب میں بے بسی کے ساتھ دوڑیں۔ یہ واقعات ہیں
 کہ ان سے فوائد حاصل کرو۔ مگر یہ سنت اللہ نہیں کہ پیغمبروں کے استحانات کو وہ عبادت مفروضہ
 قائم کرے۔ اور آج کل کی رسم کے مطابق وہ یادگار قائم کرے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے

صبر کی یاد کا قیام ہوئی۔ نہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کنوین میں گرنے کی۔ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دریا میں بہائے جانے اور چالیس برس جنگل میں مصیبت جھیلنے کی۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر موت سے بچ جائیگی۔ نہ خود ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کی شہادت کی۔ خدا کو یادگار قیام کرنے کی ضرورت نہیں۔

علاوہ اسکے کہ حج محزون کی مستی محبت کا اظہار، اور طلب بن صبر و سکون کیلئے آہ رسا ہوا اسکو دنیاوی حیثیتوں سے بھی دیکھو تو اسکے فوائد بے شمار ہیں۔ اخوت اسلامی کی زندگی۔ شیرازہ قومیت کا استحکام۔ تبدل خیالات کا مقدس بزم۔ ایک دوسرے کی اعانت و ہمدردی کے لئے بہترین موقع۔ ایک دوسرے سے رمانی، استغلی، اور روحانی اور ہر طرح کے فوائد حاصل کرنے کے بہترین ذریعہ۔ پھر اسکے ساتھ تجارت بھی مجموعہ بہین اسلئے تجار کے لئے معلومات و ترقی تجارت کے لئے بہترین مواقع۔ الغرض ساری دنیا کے مسلمانوں کا ٹون ہول نہیں بلکہ ورلڈ ہول خدا نے دیدیا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوں اور اپنے بہبودی و ترقی کیلئے اس خدائی کونسل میں مشورے کریں۔ ایک دوسرے کی اصلاح کریں، ایک دوسرے کی ہمدردی کریں یہ ایسی بہترین عبادت ہے جہیں اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے ایسے بہترین نقد فوائد مظہر ہیں جسکی مثال دنیا کے کسی طبقہ میں نہیں مل سکتی۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی بہترین عبارت کی وہ یقیناً مسلمانوں ہی کے ہاتھوں خون ہوا جب مسلمان خیف نہ رہے، ایک سو نہ رہے، اون سے محبت و اخلاص کی صفت نکال ہو گئی۔ اونکی عبادتیں، ریا، عجب، پندار، اور رسم و عادت سے آمیزش پاگئیں تو اون کے خیر و برکات بھی کھو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فَاعْمُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِيْ اُنْزِلَ

وَالْقُرْآنِ كَلَامِ اللّٰهِ

مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

حلال و حرام

خدا کی قدرت و قدرتِ ربیبی آد قابلِ غور۔ اوس نے طرح طرح کے نباتات طرح طرح کے حیوانات پیدا کئے اور طرح طرح کے دماغ اور سمجھ کے انسان پیدا کئے ہر مخلوق میں طرح طرح کی بول چال اور نیکیاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے کی موجبِ پیدائش اور موجبِ حیات ہے، تو ایک دوسرے کو کھائے بھی جاتا ہے۔ بہترے نباتات و حیوانات کو انسان کھا جاتا اور بہترے انسان کو مار ڈالتے اور کھا جاتے ہیں۔ انسان انسان ہی سے پیدا ہوتا ہے تو انسان کو انسان ہی مار ڈالتا بھی ہے۔ تعالیٰ شاہد۔

نباتات پر غور کرو تو بہترے نباتات انسان کیلئے ذہر ہیں تو بہترے تریاق بھی ہیں۔ بہترے انسان کیلئے مضر اور باعثِ آلام ہیں۔ تو بہترے اوسکے لئے ہوا صاف کر نیوالے آؤ بہترے رزق ہیں موجبِ حیات۔ اسی طرح حیوانات پر غور کرو تو بہترے انکو ڈسنے والے اور بھاڑ کھانے والے ہیں تو بہترے انکی سواری اور بار ڈھونے کیلئے ہیں اور بہترے ان کے لئے رزق ہیں اور موجبِ حیات۔ اسی کے ساتھ فطرت پر غور کرو تو ساری مخلوق جس طرح اپنے دشمن اور ہلاک کر نیوالی چیزوں کو فطرتاً واقف ہے، اسی طرح اپنے رزق کو پہچانتی اور اوسکے سہارے زندگی حاصل کرتی ہے۔ انسان بھی پیدا ہوتے دودھ پیتا ہی جاتا ہے، میانے ہونے پر حیوانی اور جنگلی زندگی میں حیوانی رزق پر بسر کرتا ہے، اور جب انسانیت کے جام میں آتا ہے تو انسانی رزق کو پہچانتا اور انسانی رزق حاصل کرتا ہے۔ کوئی مخلوق ایسی بھی ہے جو اپنے رزق سے واقف نہیں۔ یہ تو فطرتی اقتضا ہے کہ فطرتی بھوک پیاس کو اوس چیز سے بھالے جو فطرتاً اوسکی رزق ہے۔ اسی لئے حکم خداوندی ہوا

کلو و اشربوا من رزق اللہ - خدا کے دئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو۔

چونکہ ہر مخلوق بہ این نادانی اپنے رزق کو جانتی پہچانتی ہو تو انسان بہ این نادانی اپنے رزق سے واقف نہ ہو خلاف عقل ہے۔ اسلئے یہ عیث اور لا یعنی فعل ہوتا اگر خدا ساری مخلوقات کی فرست دیدیتا کہ ان میں اتنی تیز بین تمہارے لئے رزق ہیں۔ انسان فطراناً ہمیشہ سے اپنی رزق سے واقف ہے اسلئے خدا نے رزق کی چیزوں کی فرست ندی بلکہ اوں میں سے جو میں غنچہ نقصان جسمانی یا روحانی ہیں اوں میں حرام کر کے ممنوعات کی فرست دی ہے۔

خدا فرماتا ہے حرمت علیکم المیتة والدائم ولحم الخنزیر وما اهل فیہ واللہ بہ والمنتحقة والموقوذة والمتروية والنطيحة وما اكل السبع الا ما ذکیتہ وما ذبح علی النصب وان تقستہ وایا الاناملہم۔ مردار، خون، سور کا گوشت، اور جو جانور خدا کے سوا کسی اور کے نام زد کیا گیا ہو، جو کھانے سے مرا ہو، جو چوٹ سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو کسی جانور کی سینک سے مرا ہو، اور وہ جانور جسکو درزندوں نے پھاڑ کھایا ہو مگر مرنے سے پہلے جسکو ذبح کر لیا، اور نیز جو کسی حقان پر چڑھا کر ذبح کیا گیا ہو، اور نیز ساجھ کے جانور کا گوشت جو جوئے کے طور پر پانسون سے آپس میں تقسیم کیا گیا ہو، یہ سب تم پر حرام کئے گئے۔ (مائدا ۱) جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سور، اور مردار، یا جسکی نسبت کسی طرح بھی ماسوے اللہ سے کی گئی ہو وہ سب حرام ہیں۔ خدا ظاہری یا باطنی کسی طرح بھی شرک کی آمیزش کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اک لمحہ کیلئے بھی نہیں چاہتا کہ تم میرا کھاؤ اور دوسرے کا کاؤ۔

خدا نے خود بھی فرمادیا ہے۔ اعلت لکم بیہمة الانعام الا ما یبلی علیکم فاجتنبوا لہ جس من الاوثان واجتنبوا قول الزور وخفوا للہ غیر مشمکین بہ۔ چوبائے مویشی تم پر حلال کئے گئے یہ استثناء اوں کے جنکی حرمت اوپر بیان کی گئی تو بتوں کی تپاکی سے بچو (یعنی

بتوں کی طرف منسوب کر کے پاک کو ناپاک نہ کر دو۔ نسبت ماسوا کی پلیدی پاک کو ناپاک کر دیتی ہے اور قول زور سے بچو (یعنی اپنے نجی سے حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ بیان کرو) پس کیسہ خدا کے ہو کر حلال طیب کھا پیو جس میں شرک کی ذری آمیزش نہ ہو۔ (مائل کا ملط) لوگوں کی عادت ہوتی ہے بات کو کریدنے کی وہ لوگوں کی تھی۔ لوگ آتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے تھے۔ لوگوں کے سوال پر خدا نے جواب دیا۔ یَسْئَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَكُمْ قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَ اللَّهُ فَكُلُوا مِنَّمَا امْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُمُوهَا إسمِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَرِيعَ الْحِسَابِ ۝ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِمَّا نَحْنُ بِكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَّ لَكُمْ ۝ تَمَسَّ لَوْ بِوَجْهِهِ بَيْنَ كَرَاوْنِ كَلْتِ كَمَا كَيْتُ حَلَّالٌ هُوَ تَوْجُوبٌ دِيرُكُمْ تَمَارُ ۝ لَمْ يَكُنْ سَحَرِي حَيْرِينَ حَلَّالٌ كَرْدِي كَيْتِينَ ۝ اُوْرُوْشَكَرِي حَاوَرْتَمَنِي سَرْمَتَار كَمِي هُون كَرُوْشَرَاتِي تَمَكُوْشَكْهِيَا هِي اَنَكُوْشَكْهِيَا دُوْا تَوَاوُسْ تَمَكَارِيْنِي سِي كَهَادُوْشَكْ هِي تَمَارُ ۝ وَاسْطِي كِيْطَر كَيْتِينَ ۝ اُوْرُوْشَكْهِيَا كَانَام لِي لُوْ ۝ اُوْرُوْشَكْهِيَا دَرْتِي رُوْشَكْ تَجَاوَرُوْشَكْهِيَا ۝ تَمَكْ اَشَدْ حَلَّاب لِيْنِي وَالا هِي ۝ اَج تَمَارِي سِي لَمَسْ سَحَرِي حَيْرِينَ حَلَّالٌ كَرْدِي كَيْتِينَ ۝ اُوْرُوْشَكْهِيَا كَا كَهَانَا تَمَارِي سِي لَمَسْ حَلَّالٌ اُوْرُوْشَكْهِيَا كَانَا اُوْن كِي لَمَسْ ۝ (مائل کا ملط)

مسلمانوں کو یہ احکام کچھ نئے نہیں دے گئے۔ جیسا کہ میں نے ثابت کیا ہے کہ دین اسلام ازلی ہے تو اس کے احکام بھی ازلی ہیں۔ ہم کو فرمایا گیا۔ احل لکم الطیبات۔ تمہارے لئے کل سحری چیزیں حلال کی گئیں۔ تو ضروری حکم اور ادیان میں بھی تھا۔ اور بالفرض و سارے رسول بھی حکم لائے۔ خدا خود فرماتا ہے۔ یا ایہا المرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا۔ رسولو! سحری چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرتے رہو۔ (مومنون) بلاشبہ ہر دین مصداقاً المابین یدرہبہ تھا۔ مگر لوگوں نے اختلاف ڈالا۔ اس رکوع کو چند آیت آؤ پڑھ جاؤ، اور واضح ہو جائیگا۔ تو لوگوں نے

اختلاف ڈالا۔ کہ اور احکام کی طرح حلال و حرام میں بھی کمی و بیشی کرتے رہے۔ عوام نے حرام کو حلال کیا تو خواص نے حلال کو حرام کیا اور اوس کا نام تو رے رکھا۔ خدا نے بھی فرمادیا۔ قل اس آیتم ما انزل اللہ لکم من رزق فجعلتم منه حراما و حلالا قل انا انزل اللہ علی اللہ تعالون۔ اے رسول! کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی تمہارے خدا نے جو تم کو رزق دی تو تم نے اوس میں حلال و حرام ٹھہرایا۔ پھلا پوچھو تو سہی کیا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے یا تم اوس پر ہمتاں باندھتے ہو۔ (یونس ۱۱) اگر حکم دیا ہے تو آیت پیش کرو۔ خدا نے فرمایا۔ اللہ الذی جعل لکم الانعام لتسکبوا منها و منها تاکلون۔ خدا نے ہی تمہارے لئے چار پائے پیدا کئے تاکہ بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاؤ (مومن ۸۱) تو سواری کے جانوروں سے سواری کی خدمت لو، اور جو جانور کھائے جاتے ہیں انہیں کھاؤ۔ یہ خدا کی ہدایت ہے۔ گھوڑے، خچر، ہاتھی وغیرہ سواری کے جانور ہیں تو انہیں کھاؤ۔ نہیں ان سے سواری کا کام لو۔ قربانی کے بیان میں اونٹ کی اجازت دیدی ہو تو اسے کھاؤ ہر چیز سواری کے کام میں بھی آتا ہے۔ جو جانور سواری کے ہیں اونٹ ڈھونے کے یا توپ میں لگانے کے یا اور منافع کے کام بھی لو۔ و لکم فیہا منافع کثیرہ۔ تمہارے لئے ان میں بہترے منافع ہیں (مومن ۱۷) والخیل والبغال والحمیر لتکبواھا ورنینۃ ما لا تعلمون ۵ اوس نے پیدا کئے گھوڑے، خچر اور گدھے تاکہ تم اون سے سواری کا کام لو، اور زینت کیلئے بھی۔ اور پیدا کر چکا وہ بھی جو تم نہیں جانتے (نحل ۱۱) خدا نے بھی صاف فرمادیا کہ گھوڑے، خچر اور گدھے چھنے سواری اور زینت کیلئے پیدا کئے ہیں تو اونکو اونکی فطرت کے خلاف تمکو کھانا جائز نہ ہوگا۔ حرمت کیلئے لفظ حرمت ضرور نہیں شراب اور جوے کیلئے لفظ اجتناب خدا نے فرمایا اور ان چیزوں کی حرمت کیلئے اوس نے

فرمایا کہ مہنے انکو کھانے کیلئے نہیں بلکہ سواری اور زمینت کیلئے بنایا ہی ہو۔ اسکی تصریح اوپر بھی ہو چکی ہے۔ اور سواری کیلئے خدا وہ چیزیں پیدا کر چکا جو تمہارے علم میں بھی نہیں۔ ریل گاڑی ہو چکی۔ ہوائی جہاز ہو چکے۔ زپلن ہو چکا۔ اور خدا جانے اور وہ کیا کیا بنائے گا اور اسکی خلاقی کا جائزہ کون لے۔

نباتات میں تو اس نے باغ بنائے ٹیٹوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے یعنی لیتن اور کھڑے درخت۔ اور کھجور اور کھیتی مختلف ذائقوں کی، اور زیتون اور انار مشابہ اور غیر مشابہ، ان کے پھل کھاؤ اور خدا کا شکر کرو۔ وهو الذی انشا جنات معروشات وغیرہ معروشات والنخل والزہر مختلفاً اکلہ والزیتون والرحمان متشابہا وغیرہ متشابہ ما کلو امن ثمرا اذا اثمر (انعام ۱۳۱) خدا نے احسان تجا یا ہے۔ ینبت لکم بہ الزہر والزیتون والخیل والاعناب ومن کل الثمرات۔ تمہارے ہی لئے وہ اوکاتا ہے کھیتی، زیتون، کھجورین، اور انگور، اور قہریم کے پھل۔ غرض ہر طرح کی کھیتی سے پیداوار حاصل کرو اور کھاؤ کھلاؤ اور خدا کا شکر کرتے رہو۔

اسی طرح حیوانات میں اس نے پیدا کئے چوپائے بغیر لاداجاتا ہی، اور بعض سپت قدر زمین سے لگے ہوئے، تو ان میں خدا نے جو تمہاری رزق کیلئے بنایا ہے اور انھیں کھاؤ اور شیطا کی راہ نہ چلو۔ (یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ کرو) شیطان تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے خدا نے اٹھ جوڑے پیدا کئے۔ بھیرمین سے نرمادہ دوا اور بکیرے میں سے نرمادہ دوا اسے رسول! پوچھو تو سہی کہ کیا خدا نے دونوں نہ حرام کئے ہیں یا دونوں ماینین، یا ان کے پیٹ کے بچے بھی۔ مجھے بہ سند کتاب اللہ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ اسی طرح اس نے پیدا کئے اونٹ میں سے دوا اور گائے میں سے دوا۔ رسول! پوچھو تو سہی کہ خدا نے دونوں نہ حرام کئے ہیں یا دونوں

مادہ بین یا ان کے پیٹ کے پیچے بھی۔ آیا تم موجود تھے جس وقت خدا نے یہ حکم دیا تھا۔ تو
 اے لوگو! اس سے بڑھ کے ظالم کون جو اللہ پر چھوٹ پاندھے کہ لوگوں کو جہالت سے گمراہ
 کرے۔ ومن الانعام حمولہ و فرشاء کلا و صما سنا قلم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انا
 لکرم عد و صبین و ثمنیۃ ان و ارج ط من انصا ان شین و من المعرا اثین مافل الذکرین حرم
 ام الانثیین اما اشتملت علیہ اس حرام الانثیین نبکو فی بعلم ان کنتم حلد قین و من
 الابل اثین و من البقر اثین قل الذکرین حرام ام الانثیین اما اشتملت علیہ اس حرام
 الانثیین ط ام کنتم شہدا اعد و صیکم اللہ ہذا فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا یضل الناس
 بغیر علم۔ (انعام ۱۳۸) اونٹ اور بیل ہر جنید لارنے اور سواری کے کام کے ہیں مگر خدا نے ان کو
 حلال کر دیا ہے۔ تو یہ اس حکم سے نکل گئے جو اوپر بیان ہوا کہ بعض جانور سواری اور زینت کے
 ہیں۔ تو اونکو اونہیں مصارف میں لاؤ۔

یہ خدا نے حلال کی فرست نہیں دی ہے بلکہ حلال کو لوگوں نے طرح طرح سے حرام کر دیا تھا خدا
 تبارک و تعالیٰ کی جانز نہیں۔ اس میں یہ جملہ بھی خیال رکھنے کا ہے جو خدا نے فرمایا۔ فاتوا بکما کان کنتہ
 صدقین۔ حلال و حرام بتانے کے لئے کتاب اللہ طلب کی۔ یعنی حلال و حرام کرنا حق خدا ہی کو ہے
 اسلئے اے مسلمانو! جب کوئی چیز حرام بیان کی جائے تو تمکو اس سوال کا حق ہے۔ قل ھل
 شہد اءکم الذین یشہدون ان اللہ حرم ہذا۔ یعنی کوئی آیت سند میں پیش کرو۔
 پیسے کے متعلق خدا نے فرمایا۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والامر لامرجس من عمل الشیطان
 فاجتنبوا ھلکم افلحون و جنس نشہ یعنی نشہ کی کل چیزیں جنس جو یعنی جوئے کی کل قسمیں۔ بتوگی
 کل جنس یعنی اسکی کل شکلیں۔ اور پانسے کی کل جنس یعنی سبکی کل شایین۔ سب ناپاک شیطانی کام ہیں
 تو ان سے بچتے رہو تا کہ فلاح پاؤ۔ وجہ حرمت بھی اسی کے بعد ہی خدا نے فرمادی۔ انما یرید الشیطان

ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصلاکم عن ذکر اللہ عن الصلوة
فهل انتم منتهون۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ نشہ اور جوئے کے چلنے تمہارے آپس میں بغض و
عداوت ڈال دے اور تم کو نماز اور یاد الہی سے باز رکھے، تو کیا اب بھی ان چیزوں سے تم باز نہ آؤ
(مائدہ کا ۱۲) یعنی ہر چیز جو تمہارے آپس میں بغض و عداوت ڈال دے، اور تم کو نماز اور یاد الہی سے
روکے، وہ ممنوع خداوندی ہے۔

خدا کا صاف لفظوں میں ناجائز نہ کہ بصیغہ امر منع فرمانا اور اوپر فهل انتم منتهون
جیسے سخت امتناعی لہجہ میں منع فرمانا لفظ حرمت سے خصوصیت پیدا کرتا اور زیادہ سخت تر ہو چونکہ
یہ افعال ناشائستہ انسان کی مایہ ناز چیز عقل ہی پر حملہ آور اور دین و دنیا دونوں کیلئے سخت نقصان
رسان ہیں۔ اپنی ذات کیلئے بھی۔ اپنے تعلقات کیلئے بھی۔ معبود کی عبادت سے باز رکھنے والے بھی
اور صحت و باغ کے ساتھ مجتہد بنائے بھی ہیں۔ اسلئے ان کی حرمت کیلئے خصوصیت کی نسبت
الفاظ امتناعی فرمائے گئے۔

خدا نے فرمایا۔ کلو امہ ما رزقکم اللہ حلالاً طیباً خدا نے جو تم کو رزق دی ہوا وسین سے
حلال طیب کھاؤ۔ واشکروا للہ اور خدا کی نعمتوں کا شکر کرتے رہو (نحلہ کا ۱۳۱) الیوم
احل لکم الطیبات۔ آج تم پر ستمری چیزیں حلال کی گئیں (مائدہ کا ۱۱۰) میں نے بیان کیا ہی نہیں اذنی
حکم ہوا اور یہی حکم سارے رسول لائے علیہم السلام۔ تو حلال و حرام کا سوال خدا کی دی ہوئی رزق
میں پیدا ہوتا ہی جس کو انسان نے رزق نہیں سمجھا وہ رزق نہیں ہو۔ انسان اپنے رزق سے
فطرتاً واقف ہے۔ غلیظ انسان کا ہو یا حیوان کا یا کسی بول و براز ہو، اور درندے اشکاری
جانور، زہریلے جانور، دام دار خواجہ جانور۔ حشرات الارض۔ کتے، بلی، چوہے، بچھو، بندر وغیرہ وغیرہ
جنگلی جانور انسان نما حیوان کو چھوڑ کر انسان کبھی ان چیزوں کو رزق نہیں سمجھا۔ ایسی ساری

چیزیں کبھی بھی نہ انسانی رزق میں شمار ہوئیں اور نہ ہوتی ہیں۔ نہ کبھی طیب اور پاکیزہ سمجھی جاتی تھیں نہ سمجھی جاتی ہیں۔ یہ چیزیں ہمارے کھانے ہی کے لئے نہیں ہیں۔ اسلئے ان چیزوں میں حلال و حرام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح سڑی گئی چیزیں بھی طیب اور ستھری نہیں سمجھی جاتیں۔ قرآن مجید میں خدا و رسول نے طیبات کو حلال کیا ہو اور خبیثات کو حرام۔ یحیٰ لہم الطیبات و یحرم علیہم الخبیثات۔ مگر ہم مسلمانوں نے خیرات اور نیک کاموں کیلئے انکو بہتر سمجھا ہے۔ جو چیز سڑ کر کھائی جائے جو کھانا بگڑ کر خراب ہو جائے وہ لوگوں کو ماموں اور پیٹ کے دکھیا روں کو تقریباً الی اللہ دیا جاتا ہے، اور یوں عاقبت کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔

حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خدا نے فرمایا یا مہم یا لمعروف و ینصہم عن المنکر و یحیل لہم الطیبات و یحرم علیہم الخبیثات۔ رسول بھلے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع کرتے، اور ستھری چیزوں کو پاکیزہ کیلئے حلال کرتے، اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ (اعراف ۱۶۱) اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خوشامیاد اور اپنی رائے سے حلال و حرام فرماتے تھے کیونکہ آیتیں اوپر دی گئی ہیں کہ آپ حلال و حرام قرآن مجید میں تلاش فرماتے تھے چونکہ قرآن مجید ہر لوگوں کو آپ ہی سے ملا۔ چونکہ احکام قرآنی آپ ہی کی زبان سے ارشاد ہوتا تھا اسلئے حکم خدا اور حکم رسول ایک تھا۔ خدا کا حلال و حرام کرنا رسول کا حلال و حرام کرنا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی لئے اس آیت میں حلال و حرام کی نسبت آپ کے طرف کی گئی، اور اسی لئے آخر آیت میں خدا نے بتا دیا و اتبعوا النور الذی اتزل معہ اولئک ہم المفلحون۔ جو قرآن کے پیچھے ہوئے وہی فائز و کامیاب ہیں۔ قول منزل آپ کی زبان سے بیان ہوتا تھا اسلئے اسکی نسبت بلکہ سارے قرآن کی نسبت آپ کے ساتھ کی گئی۔ آپ حلال و حرام کی نسبت لوگوں نے پوچھا تو آپ نے حکم خدا وندی جواب دیا قل لا اجد فی ما وحی الی صریحاً

علی طاعم یطعمہ الا ان یكون میتة الخ۔ کدو اسے رسول! کہ کسی کھانے والے پر جو وہ
 کھائے ہم قرآن مجید میں مردار وغیرہ وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتے (انعام ۱۴۵)
 اور فاضل چیزوں کی نسبت جس کی بیان کتاب اللہ میں نہیں خدا نے اقرأ علی اللہ فرمایا ہو قل
 امر ایتم ما اتزل اللہ لکم من رزق مجعلتم منه حراما حلالا۔ قل اللہ اذن لکم
 ام علی اللہ تفترون۔ اے رسول! کہدو بھلا دیکھو تو کسی کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لئے
 اور تاروی تو ان میں سے بعض کو تمہنے حلال و حرام ٹھہرا لیا۔ کہدو ایا اللہ نے حکم دیا ہو یا تم اللہ پر مبتلا
 باندھے ہو (یونس ۷۱) حاشا آپ اپنی طرف سے حلال و حرام نفرماتے تھے۔ کیونکہ خدا کا فرمان تھا
 یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ اے نبی کیوں حرام کرتے ہو اس کو جس کو خدا نے
 تمہارے لئے حلال کیا ہو۔ (تحريم ۱۱) یعنی حلال و حرام کہ نیک خدا ہی مستحق ہے۔ خدا نے فرمایا
 ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ہذا حلال و ہذا حرام لتفتروا علی اللہ
 الکذب۔ تم اپنی زبان سے جھوٹ نہ کہو کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے کہ لگو اللہ پر جھوٹا اقرار کرنے
 (فصل ۱۷۸) تو سونے اور ریشم اور رگلانے کی حرمت کی کوئی آیت پیش کرو۔ اگر کوئی آیت نہیں ہے
 تو اس کی حرمت کی حدیث کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیم ہو سکتی ہے۔ آپ نے قرآن سے
 فاضل حرام کیا ہی نہیں۔

ایک خدرشہ ہوتا ہے جسے صاف کر لینا ضرور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ دین اسلام ازنی ہو اور حلت و
 حرمت بھی ازنی۔ اگر یہی دین سب پیغمبروں پر نازل ہوا۔ اور اگر دین اللہ ایک دوسرے کا نسخ
 ہیں بلکہ صدق ہے۔ تو یہودیہ فاضل چیزیں کیوں حرام تھیں جیسا کہ خدا نے فرمایا علی الذین
 ہادوا حرمنا کل ذی ظفر طوس من البقر والغنم حرمنا علیہم شحمہما الا ما حملت
 ظہورہما اوانحوایا وما اختلف یخضم ط ذلک جزینہم بیغیہم وانا الصمد قون

ہمیں یہودی پر تمام ناخن والے جانوروں کو حرام کر دیا تھا۔ اور کائے اور بکریوں میں سے دونوں کی چربی کو جو اونکی پیٹھ یا انٹریوں یا ہڈیوں سے ملی ہو۔ یہ ہم نے اونکی سرکشی کی سزا دی تھی اور بلاشبہ ہم سچ فرماتے ہیں (انعام ۱۵۱)

میرے نزدیک یہ خدشہ نرا خدشہ ہے کیونکہ خدا نے تو خود آخرت میں فرما دیا ہے کہ یہ حرمت اسلام ازلی میں نہیں بلکہ ان کے لئے سزا تھی۔ یعنی مذہباً نہیں اسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا و مصلحاً لما بین یدی من التوراة و لاجل لکم بعض الذی حرم علیکم میں اسلئے آیا ہوں کہ توریت جو میرے سامنے ہے اوسکی تصدیق کروں اور حلال کروں بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں (ال عمران ۵۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بدولت یہ سزا ان کے سر سے ملے۔

خدا نے اسکو اور بھی صاف کر دیا ہے قیظ من الذین ہادوا حرمنا علیہم طیبات اکلت لہم و لبس لہم عن سبیل اللہ کثیراً و اخذ ہم الدوا وقد نفوا عنہ و اکلہم اموال الناس بالباطل یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے پاک چیزوں کو جو ان کے لئے حلال تھیں حرام کر دیا تھا یہ ان ظلم کے سبب ہے کہ انہوں نے بتیہ دن کو خدا کی راہ سے روکا تھا، اور یہ سبب اونکی سود خواری کے کہ وہ سود سے منع کیے گئے تھے اور لوگوں کا مال ناجائز کھانیکے سبب۔ (النساء ۲۴) خدا نے فرما دیا کہ یہ حرام کرنا اونکی سرکشی اور ظلم کے سبب ہے سزا تھی۔ یہ بھی فرما دیا کہ یہ چیزیں حلال و طیب تھیں جو اقتصائے اسلام ازلی بری چیزوں کی طرح خدا نے بحری چیزوں کو حلال فرمایا۔ اکل لکم صید البحر و طعامہ متاعاً لکم۔ بحری شکار اور اوسکا کھانا تمہارے لئے حلال کیا گیا (مائدہ ۱۳) یہ حالت تو حالت احرام میں بھی رہی۔ یہ خدا کی مہربانیان میں۔

اوس نے فرمایا۔ وهو الذی سخر البحر لنا کلاوا منہ لحمًا طریا۔ خدا ہی ہے جس نے دریا کو تمہارا
 مسخر کر دیا کہ تم اوس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ یعنی مچھلیاں اور دوسرے جانور (محل ۱۷) اب تم مچھلی
 یا گائے کے گوشت کی نسبت یہ ارادہ کر لو کہ اس کو ہم کبھی نہ کھائینگے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہو تا یا عمل
 ٹوٹتا ہے، تو یہ تو یہ نہ ہوگا، بلکہ یہ بھی حلال کو حرام کرنا ہے جو ممنوع خداوندی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے شہد کا واقعہ بیان ہوا۔ اگر اس طرح حلال کو حرام کیا کرو تو علاوہ نافرمانی کے تمہیں گھاٹے
 میں رہو گے۔ قد خسرو الذین قتلوا اولادہم سفہا بغير علم وحرما واما من قہصم
 افتراء علی اللہ قد ضلوا واما کاذبا مہتدین ہ بے شک وہ بہت گھاٹے میں رہو
 جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی سے مار ڈالا اور خدا نے جو رزق اونکو دی اونہیں سے خدا پر
 جھوٹ بہتان باندھ کر حرام کیا۔ بلاشبہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ اور یہ ہدایت پانے والے بھی نہیں
 (انعام ۱۷۱) رزق حلال کو حرام کرنا ایسی گمراہی ہے جس سے وہ ہدایت پا بھی نہیں سکتا۔
 خدا کا یہ حکم یاد رکھو۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم
 ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ ایمان والو! طیب اور ستھری چیزیں جنکو اللہ
 نے حلال کیا ہے اونکو حرام نہ کرو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ خدا حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند
 نہیں کرتا۔ (مائدہ ۱۷) خدا کے حرام کئے ہوئے سے فاضل حرام کرنا تجاوز عن الحد ہے۔
 افسوس ہے کہ قوم نے خلاف رضائے مولا بہت کچھ حرام کیا ہے۔

خدا نے حلال و حرام بیان کر دیا کہ اللہ کے دئے ہوئے رزق میں جو انسانی رزق فطرۃً
 اوس نے دی ہے یہ استثنا چند حلال ہیں۔ وقد فضل لکم ما حرم علیکم۔ جو اوس نے
 حرام کیا اوسکو با تفصیل بیان کر دیا۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایاتہ متوین
 جب پھر کا نام لے لیا گیا ہو تو اوسے کھاؤ اگر خدا کی آیتوں پر تمہارا ایمان ہو (انعام ۱۷۱) ولا تأکلوا

منہا لم یذکر اسم اللہ علیہ واثہ لفسق۔ جسپر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ کہ فیہ حق ہو
 (انعام ۱۱۵) وما لکم ان لا تأکلوا منہما ذکرا اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم
 اور تمہیں کیا ہو کہ جسپر خدا کا نام لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ کیونکہ جو تم پر حرام کیا گیا ہے اسکی
 تو تفصیل کر دی گئی ہے۔ (انعام ۱۱۶) اب یہ صریح ظلم ہو گا کہ خدا کے اس تفصیل کے دعوے کو
 نہ مانو۔ اور اسکی محفل کہ انسانی تصانیف کے رو سے حلال کو بھی حرام کر دیا اور حرمت کی قدر
 بڑھاؤ کہ اتنا خدا نے حرام کیا، اتنا رسول نے، اتنا اماموں نے، اتنا بزرگان دین نے، اور
 اتنا بطور تواریع یا عامل ہونیکے سبب اجنہ و شیاطین کو تابع کر نیکے لئے جیسے آپ اپنے اوپر
 حرام کر لیا۔ تو جو جی چاہے کہو اور کہو مگر رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمت نہ دھرو۔
 اپنے کوئی چیز بھی حرام کر کے اضافہ علی القرآن نہیں کیا، اور حدود اللہ کو نہ توڑا، کہ یہ شان
 رسالت سے بالکل ہی بعید ہے۔

یہ تو حرمت ظاہری کی نسبت ہوا جسکو تعلق کھانے پینے سے ہے۔ اسپر کہ میں لکھ گئی کہ
 جھگڑے قائم ہوئے، فرقے بنے اور ہر فرقے نے اپنی راہ الگ کی۔ کسی کے یہاں وہ حرام، کسی
 یہاں یہ حرام، علمی شاخسانوں نے ہوا پر قلعے اوٹھائے۔ مگر باطنی حرمت جسکو خداوند عالم نے
 نہایت مہتمم بالشان طرح پر فرمایا ہے اس شےچم پوشی کی گئی، اور یہ اعمال صالحہ کی زمین بجالے
 اسکے کہ تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت، امر معروف و نہی منکر، یعنی بذریعہ تبلیغ تخم ریزی کیجاتی
 پہنچی جاتی، وہ نفس و شیطان کے پھول یعنی چوکان بازی کا میدان، اور میر حاصل زمین بنجر
 بنائی گئی ہے۔ حرمت باطنی کو خدا فرماتا ہے۔

قل تعالوا اتل ما حرم ہم بیکر علیکم الا تشربوا ابہ شیئاً وبالوالدین احساناً ولا تقتلوا
 اولادکم من املاق طعن نہر قلم وایا ہم ج ولا تقر بالافواحش ملاحظہ منہا و ما یظن

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْاِبْرَاحِمْ ط ذَلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ وَلَا
تَقْرَبُوا اَمْالَ الْيَتَامَى الَّتِي هِيَ اَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ اَشْدَادُهَا ۝ وَادْفِنُوا الْمَوْتَى ۝ وَادْفِنُوا الْمَوْتَى ۝ وَادْفِنُوا الْمَوْتَى ۝ وَادْفِنُوا الْمَوْتَى ۝
وَلْيُعْصِ اللَّهُ اَوْاٰذَكُمْ ۝ وَطَعْمَكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَانْ هَذَا اَصْرَاطِي مَسْتَقِيمًا
فَاتَّبِعُوهُ ۝ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرَقَ بَيْنَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ط ذَلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ط
اے رسول! کہدو کہ آؤ میں تمکو پڑھکر سناؤں کہ تمہارے خدا نے تم پر کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں
وہ یہ ہیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ مان باپ کے ساتھ سلوک کرتے ہو غلطی کی وجہ سے
اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تمہیں بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں اور اونچین بھی ہم ہی۔ کھلی یا چھپی
بے حیائیوں کے قریب نہ جاؤ۔ کسی کی جان ناحق نہ مارو جس کا مارنا خدا نے تم پر حرام کیا ہے۔ انہیں
باتوں کا خدا نے تمکو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور بنو۔ اور ہاں تا بلوغ تم یتیم کے مال کے نزدیک جاؤ
مگر بھائی کی نیت سے۔ ناپ اور تول انصاف کیساتھ پوری پوری کیا کرو، ہم تکلف والا بیٹا
نہیں دیا کرتے۔ جب بولو تو انصاف سے بولو کہ تمہارا قراہتمند ہی کیون نہ ہو۔ اللہ کا حمد پورا
کہتے رہو (ایمان لائے تو اسکی کتاب پر چلنے کا عہد ہو گیا۔ تو اس ایقان عہد میں سارے
احکام کی تعمیل آگئی) خدا نے ان باتوں کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ بھی اوس نے
فرما دیا ہے کہ یہی صراطِ مستقیم ہے اسی پر چلے چلو، وہ راہیں نہ چلو جو خدا کی راہ سے تمہیں پھر دین،
یہی خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پر ہمیشہ کاربن جاؤ (العام ۱۹) کیا خدا کے ساتھ شرک کر چکے ہو
نہ ڈھونڈھے گئے کیا مان باپ کیساتھ سلوک جو مامور خداوندی ہی کیا جاتا ہے۔ کیا بے حیائیوں سے
احترام کیا جاتا ہے کیا مال یتیم نعمت غیر مترقبہ سمجھکر ہٹے نہیں کیا جاتا۔ کیا ناپ تول میں عدل
وانصاف برتا جاتا ہے۔ کیا حق گوئی گنہگار کے اسکی تختگاہ جھوٹ نے نہیں چھین لی یا کچھ یوں

میں جھوٹ اور فریب ہی کی نوبت بجاکہ تھی ہی۔ کیا ایمان لاتے ہی سے جو وعدہ قرآن پندیری^۱ احکام بندہ جاتا ہی وہ ایسا کیا جاتا ہے۔ کیا اسی خدا نے یہ احکام ہمیں دے جس کے سور کو حرام کیا ہو۔ کیا فرق ہے ان چیزوں کی حرمت میں اور سور کی حرمت میں۔ پھر کیوں ان حکموں کی نافرمانی سور اور مردار کھانے کے برابر نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ وہ ہوشیار ہی اور عقلمندی سمجھی جاتی ہے پھر کیوں نہ پتھر پتھر ایسے سمجھنے والوں کی سمجھ اور ایسے حال والوں کے حال پر۔

خدا نے دوسری جگہ فرمایا قتل انما حرّم ربی الفواحش ما ظہر منہا وما باطن والاثم والیغنی بغیر الحق۔ کہدو اے رسول! کہ خدا نے کھلی چھپی سب حیاتوں کو حرام کر دیا ہے اور گناہ اور ناحق کی سرکشی کو بھی (اعراف ۳۱) کیا یہ باتیں حرام سمجھی جاتی ہیں رتیلوں کا بازار اسی طرح گرم ہوا اور شراب خانے اسی طرح آباد۔ نہ انکی آمدنی میں گھٹانا نہ اسکی آمدنی میں کمی۔ سور کا گوشت مسجدوں میں پھینک دینے سے وہ بھی کافروں کے تو خون خرابہ ہو جاتا ہے اور ایسے حرام کے ترکبیں کے ساتھ کیا بتاؤ کیا جاتا ہے۔ بجائے اخلاقی سزا کے بھی کیا انکی عظمت میں کچھ فروگزاشت کیا جاتا ہے۔ وہ دن لڑ گئے کہ مسلمان اور جھوٹ شراب، زنا، بے حیائی، اور سرکشی تعجب بالائے تعجب۔ اتنی یہ کہاوت ہے کہ مسلمان اور سچ مسلمان اور شراب و زنا سے پرہیز مسلمان اور بے حیائی و سرکشی سے کنارہ کشی حیرت و حیرت اللہ کے قدرت اور قدرت کے تماشے۔

ربو احرام یا ایہا الذین امنوا لا تأکلوا الریبا۔ ایمان والو! سود نہ کھاؤ (ال عمران ۳۷) احل اللہ الیبیع وحرّم الریبا۔ خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور ربا کو حرام (ال عمران) مگر ربا کس طرح شیر مادر ہے۔ ربا کا مسئلہ تو اسی کتاب میں ایک الگ سرخی قائم کر کے نہایت مشرعیانہ کیا گیا ہے اور قرآن مجید ہی سے حل کیا گیا ہے۔

کسی کا مال ناحق کھانا اور رشوت دینی دونوں حرام۔ لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل
 وقد نزل بها الی الحکام لتأکلوا مما یقامن أموال الناس بالاثم وانه تعلمون۔ آپسین
 تم ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ نہ کھاؤ نہ حاکموں کو رشوت دو کہ لوگوں کے مال سے ناجائز کچھ حاصل کرو
 حالانکہ تم کو علم ہو (بقراءۃ ۲۳) آج کچھ بیان انہیں محرمات سے گرم ہیں اور اسکے معین و مددگار ہی
 قوم کے لیڈر بنے جاتے ہیں ع تقویٰ تو اسے چرخ گردان تقویٰ۔ ایسی قوم سدھر چکی۔

افسوس کہ اگلی امتوں کی طرح مسلمانوں نے بھی بہتری حرام چیزیں کو حلال اور حلال کو
 حرام کر دیا ہے۔ سود۔ مال یتیم۔ اوپری آمدنی یعنی رشوت۔ ناپ تول کی بے ایمانیوں سے
 تمتع۔ وعدہ خلافی۔ زنا یہ سب حلال و طیب ہیں۔ شراب فیشن میں داخل۔ بے حیائی کی کل باتیں
 حیا دار بنکر کیجاتی ہیں۔ اسی طرح سونا چاندی حرام جبکہ خدا نے حرام نہ کیا۔ ریشمی لباس حرام
 جبکہ خدا نے حرام نہ کیا۔ گانا حرام جبکہ خدا نے حرام نہ کیا اور علیٰ ہذا بہتری چیزیں۔ یہاں تک کہ بہت
 بھی حرام۔ باوجودیکہ خدا نے فرمایا تھا قل من حرام زینۃ اللہ الّتی اخرج لعبادہ و

الطیبات من الزینۃ قل ہی للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیۃ
 لے رسول! کہہ دو کہ جو زینت خدا نے اپنے بندے کے لئے پیدا کی او سکوا اور رزق طیب کو حرام
 کس نے کیا۔ کہہ دو کہ یہ تو مومنوں کیلئے اس دنیا میں ہے جس میں اوروں کی بھی شرکت ہو اور قیامت
 کے دن تو خالص انہیں کے لئے ہوگی۔ (اعراف ۳۱) زینت کو خدا نے تو حرام نہ کیا مگر ہم مسلمانوں نے
 حرام کر کے شوکت اسلامی کھوئی۔ اگر یہ ساری چیزیں حرام ہیں تو ہم شہداء کہہ الذین یشہد
 ان اللہ حرم ہذا۔ اپنے گواہوں کو لا حاضر کرو جو گواہی دیں کہ خدا نے ان چیزوں کو حرام
 کیا ہے (العام ۱۷۱)

خدا نے حرام و حلال بیان فرما دیا اس دعوے کے ساتھ کہ جتنے تفصیل بیان فرمایا ہے

مگر مباح و مشتبہ وغیرہ کا کہیں پتہ نہیں کیونکہ شک شبہ اسلام میں ہے نہیں۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

اصلاح تمدن

انسان مرقی الطبع پیدا ہوا ہے۔ جذبات فطریہ بمقتاضی تمدن ہیں۔ تمدن اگر وشیائے
یا بر بنائے اوہام ہے، تو روح ملوث اور داغدار ہوگی، اور اوس کے اخلاق
تباہ کن ہوں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تمدن بر بنائے اصول فطرت قائم ہو،
تاکہ انسان بہ اقتضائے فطرت الہیہ اپنے کمال عروج تک ترقی کر سکے، اور اوس کے
صفات جووریات خداوندی ہیں اس طرح ظہور پذیر ہوں کہ اوس کا تمدن موجب
فلاح دارین ہو۔ اوس رحیم خدا نے ہماری ضرورت کو دیکھا، اور ہم کو تمدن کے اصول بھی
اصول فطرت کے مطابق تعلیم کیا۔

اصول تمدن عین اصول اخلاق ہے۔ اسلئے بلحاظ صفائے باطن کے اصول اخلاق
معہ اوس کے مالک و ماعلیہ کے منہاج الحق میں اخلاق کی سرخی میں قرآنی اصول سے
فلسفیانہ اور علمی تقسیموں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اوس میں دیکھو۔ مگر اصلاح تمدن کا وہ
حصہ جسے معاشرت کہو۔ وہ بھی معاشرت زن و شوہر مجھے اسمین بیان کرنا ہے۔
تاکہ وضع ہو کہ اپنے احکام میں قرآن مجید کسدرجہ مفصل ہے جس کو لوگوں نے
کسدرجہ مجمل مانا ہے۔

معاشرت زن و شو

نکاح

نکاح کی ضرورت بدیہی ہو۔ اگر نکاح کرنا دینا سے اٹھ جائے تو تمدن قائم نہوا اور انسان مدنی ابطع، اسلئے نکاح کا ادھ جانا خلاف فطرت ہوگا، پھر اس کے نیاج بھی تباہ کن ہونے لازمی ہن۔ اگر نکاح نہوا کرے تو فطرتی جذبات عیا شانہ ہو جائیں گے، جو مولد ہون گے تباہی اخلاق کے، اور سوزا ک آتشک جیسے امراض ردیہ کے۔ اعتبار نسل جو جانوروں میں بھی موجب افزونی قدر و قیمت ہوا، وہ انسان میں مشتبہ ہو کر کھو جائیگا۔ اور پرورش اولاد اور اسکی تعلیم و تربیت کا معاملہ خطرہ میں پڑ جائیگا، اور قومیت کی کشتی بھنور میں پڑ جائیگی۔ اس کے سوا عورت جو فطرتاً کمزور اور مجبور مخلوق ہوا اس کا سہارا ٹوٹ جائیگا۔ نکاح تو ایسی فطرتی چیز ہے کہ اس سے بعنوان مختلف جنگلی اور وحشی قومیں بھی مستثنیٰ نہین۔ نکاح نہوا تو جوڑا ہی قائم نہ ہوا اور انسان پیدا کیا گیا ہو جوڑا۔ خلقتم انما واجا۔ خلاق فطرت انسانی فطرت بتادی۔ اسلئے فطرتاً جفت قائم ہونا ضرور ہے۔

نکاح کے فطرتی اقتضا کو خلاق فطرت نے اور بھی واضح کر دیا۔ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم انما واجا لتسکون الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ خدا کی یہ نشانیوں میں سے ہے کہ اوس نے تمہارے ہی جنس سے تمہاری لئے بیبیان پیدا کیں تاکہ تم اوس سے نیکو دلی حاصل کرو۔ اور اوس نے تمہارے اور اوس کے درمیان پیار و محبت پیدا کر دی (روم ۲۱) چونکہ یہ نکاح فطرتی چیز ہے اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر سارے پیغمبروں کو دیکھ جاؤ

سب کے مبینہ تھیں نکاح و طلاق کے متعلق احکام اب تک اس محرف توریت میں بھی موجود ہیں۔ جب نکاح فطرتی چیز ہے۔ جب نکاح سارے پیغمبروں نے کیا، اور سارے دینوں میں تھا، تو یہ کوئی انوکھی چیز نہ ہوئی کہ خدا اس کی اصطلاح کو بیان کرتا۔ قوم اس اصطلاح سے واقف تھی۔ حکم ہوا، سمجھ گئی اور یہ ادا و بلند ہوا کہ ما النکاح

نکاح کے معنی منتہی الارب میں عقد زنا شونی نسبت کے ہیں۔ اور اصطلاحاً جو عمل متواتر اور تاریخ مذہبی سے پایا جاتا ہو اور جسکی تصدیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہو وہ زن شوکا معاہدہ ہے جو بوجہ مهر اور یہ ذمہ داری ثقہ کم سے کم دو گواہوں کے سامنے بہ نیت عفت منعقد ہو۔ بس یہی نکاح ازلی ہے۔

چونکہ عورت و مرد کی محبت فطری محبت ہی۔ اور جذبہ محبت راہ کر نیکی قوت قوی رکھتا، اسلئے ضرورت ہوئی فطرتی اقتضا کے روک تھام، اور بے راہ روی سے روکنے کی وجہ نکاح کی گئی۔ اسی لئے ضرورت ہوئی نکاح کے متعلق قوانین کی۔

قوانین متعلق زن شوکر قرآن مجید میں اتنے مفصل موجود ہیں کہ انہیں مجمل کہنے والے بھی مجمل نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے اس کے متعلق مجھ کو کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر خلق اللہ کے قائد کیلئے کیقدر خدائی احکام لکھ دینا ضروری تھا کہ قوم نکاح بھی خلیہ حکم و ہدایت اور عبادت سمجھ کر کرے۔ اور رسومات نکاح خلاف رضائے مولیٰ سمجھ کر ترک کرے۔ اور اسوجہ سے بھی لکھنا ضروری کہ نکاح کے معاملہ میں ہمارے رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو زبان درازیان ہوتی ہیں وہ کلی قلعی کھول دیا۔ سورۃ النساء کے تیسرے رکوع سے پانچویں رکوع تک پڑھ جاؤ، اور تفکر پڑھاؤ وہ عورتوں کی متعلق احکام و ہدایات ہیں۔ بنظر اختصار ہم صرف خلاصہ مطلب پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور جگہ جگہ پھر چھاتے بھی جائیں گے۔

ایمان والو! تمکو جائز نہیں کہ عورتوں کو میراث میں زبردستی لے لو۔ نہ یہ جائز کہ تم اونکو بند کرو
 کہ جو کچھ تمہیں اونکو دیا ہو اور سینچ کچھ لے لو، جب تک کہ تمکب بدکاری نہ ہوں۔ اگر تم طلاق دیکر
 دوسرا نکاح کرنا چاہو تو تم اپنی دیئے ہوئے مال کو واپس نہیں لے سکتے کیونکہ تمہیں ہرگز ناپسندیدہ نہ ہو سکتا ہے اور تمہیں ہرگز
 محرمات نکاح۔ الزانی لایکھ الامرانۃ او مشرکۃ والذانیۃ لایکھ الامران
 او مشرکۃ وحرم ذلک علی المومنین۔ زانی زانیہ اور مشرکہ ہی سے نکاح کرے۔ اور زانیہ
 کے ساتھ زانی اور مشرکہ ہی نکاح کرے۔ مومنین کیلئے ایسے تعلقات حرام ہیں (نور ۱۱) بہ ابن
 اصول کہ الخبیثۃ للخبیث والخبیث للخبیثات۔ گندی عورتیں گندے مردوں
 کیلئے ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کیلئے (نور ۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں
 خدائے فرمایا۔ ویحرم علیہم الخبیثۃ۔ وہ اون پر گندی چیزیں (بحکم خدا) حرام کہتے ہیں
 (انحراف ۱۳) پاک و ناپاک مومن اور مشرکہ، پاکدامن اور زانیہ کا ساتھ ہونا، امن و تمدن کا،
 نخل و بھود کا، اور مال و جان تک کا تباہ کن اور برباد کن ہے، اور اس میں بڑے بڑے خطرات
 بھی ہیں۔ گنہگار اور کھانا چاہئے کہ توبہ شرک اور زنا بلکہ سارے گناہوں کو دھو دینے والی
 اور پاک کر دینے والی ہے۔ یعنی بعد توبہ جہنم نہیں رہتی۔

وہ باپ کی منکوحہ حرام ہے۔ لایکھ اما انکم اباء کم من النساء۔ باپ کی منکوحہ سے
 نکاح نہ کرو (النساء ۱۳)۔

محرمات نکاح کی فہرست سورۃ النساء کے چوتھے رکوع میں دیکھو۔ محرمات علیکم الخ یعنی
 تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، بچھو پھیان، خالائیں، بھتیجیاں، رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں
 تمہاری ساسین، اور بیٹھ یعنی بیویوں کی بیٹیاں جن بیویوں کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو
 اور بیٹھوں کی بیویاں یعنی بیویں، یہ ساری عورتیں تم پر حرام کی گئیں، اور نیز دو بہنوں

بیک وقت نخل میں ہونا، اور شوہر دار عورتیں، یہ سب حرام کی گئیں یہ خدا کا تحریری حکم ہے۔
ان کے سوا اور سب عورتیں حلال ہیں۔“

”تو جن عورتوں سے نخل کرنا حلال ہوا، اور نخل کھا کر وہ نخل بے نیت عفت ہوا، اور مرد یا بچی فرض ہے۔ تو جن سے تم ہم صحبت ہوئے اور بچہ پورا مہر ادا کر دو۔ ہاں جو کچھ وہ خوشی سے بعد نخل معاف کر دیں وہ معاف ہو جائیگا۔ اگر مسلمان بیبیوں سے نخل کرے گا تو مقدور نہ ہو تو مملوکہ مومنہ سے بہ اذن اوس مالک کے نخل کر لو، اور حسب ستور اوس مہر دیدو۔ یہ نخل جائز ہوگا بشرطیکہ وہ قید نخل میں لائی جائیں، نہ زنا کر نیوالی ہوں نہ چوری چھپے آشنائی کر نیوالی۔ یعنی نہ بازاری رتوں کی طرح، نہ خانگیوں کی طرح۔“

بیواؤں اور لونڈی غلاموں کی نسبت فرمان خداوندی ہے۔ وانکھوا الایامی منکم واصلحوا من عبادکم واما انکم۔ بیواؤں اور نیک چلن لونڈی غلاموں کا نخل کر دو۔ (نور ملاء) تو لونڈی اور غلاموں کا نخل اونکو کر دینا لازم ہو چکے قصۃ اقتدار میں وہ ہیں۔ ورنہ خدا فرماتا کہ لونڈی اور غلاموں کو چاہئے کہ وہ نخل کر لیں۔ بجائے اس کے خدا نے وانکھوا فرما کر حکم دیا۔ اسی طرح بیواؤں کا نخل بھی کر دینا چاہئے مگر بلا رضامندی نہیں کیونکہ بغیر رضائے تو نخل ہو ہی نہیں سکتا۔ معاہدہ میں تراضی طرفین ضرور ہے۔ یہ حکم بمصلحت دیا گیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ لونڈی غلام کسی غدار اور گھر کے دشمن سے نخل کر لیں کہ یہ خطرناک ہوگا۔ لونڈی اور غلام کا ہونا اور اون کی بیع و شرا یہ عرب کی پرانی رسم ہوا یا عام جاہلیت کی اس رسم کے مطابق لوگوں کے پاس مسلمان ہوں یا غیر مسلمان لونڈی اور غلام ہوتے تھے اور اسکی رسم بہتری صورتیں تھیں۔ تو غلام اور لونڈی کیلئے عبادت کا دھماکا ان کے الفاظ خدا نے فرمائے یعنی غلام اور لونڈی، اور مملوک اور مملوکہ جو خدا نے فرمایا ہے تو دونوں میں بہت فرق ہے۔ ممالکت (امان کا ترجمہ لونڈی اور غلام کرنا بالکل غلط ہے۔ اس کا

واضح بیان آگے خود آئیگا۔

معاشرت زن شو۔ نخل کے بعد عورتوں کے ساتھ تمکو کس طرح معاشرت کرنی چاہئے

تو اسکو جو کچھ خدا نے فرمایا ہے وہ بالکل مطابق فطرت الہیہ ہے۔ اوسن زن وشو میں خدا اور بندہ کا رشتہ نہیں جوڑا ہے، نہ شو ہر کو سجدہ کئے جانے کے لائق بتایا، بلکہ خدا کا فرمان ہی عاشر و ہن بالمعروف۔ بیبیوں سے بھلائی کیساتھ معاشرت کرو۔ (النساء ص ۷۱) کہنے کو تو ایک لفظ ہے مگر اسکی وسعت ہر ایک بتاؤ کو حاوی ہے۔ خان کہ ہتمواھن فعسی ان تکلہوا شیئاً و يجعل اللہ فیہ خیلراً کثیراً۔ اگر وہ تمکو نہ سہائیں تو بہت ایسا ہو کہ ایک چیز نا پسند ہو اور خدا نے اوسمیں خوبیاں رکھی ہوں (النساء ص ۷۱) انسان تو متضاد قوتوں اور عجیب و ہنر کا معجون مرکب ہے۔ ایک قوت گھٹی تو ایک بڑھتی ہے۔ مینائی نے جواب دیا تو قوت سامعہ نے ترقی کیا اسی طرح عیب کسی میں ہوتا ہو تو خوبی بھی اوسمیں ہوتی ہے، اور اس عیب و ہنر کی آمیزش سے کوئی خالی نہیں۔ صدقے اوسکی شان عطیات کے۔

اس میں شک نہیں کہ لمخاط فطرتی عطیات، اور فطرتی جوابدہیوں کے، اور لمخاط اسکے کمزور نقطہ دیا ہے اور دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے، مرد کا درجہ عورتوں سے بڑا ہے۔ للہ حال علیہن درجہ۔ مرد کا درجہ عورتوں سے بڑا ہے۔ الرجال قوامون علی النساء۔ مرد عورتوں پر غالب ہیں (النساء ص ۷۱) یہ خلاق فطرت نے فطرت بتادی۔ یہ رکوع پورا پڑھا جاؤ تو اس میں زن وشو ہی کے متعلق احکام و ہدایات ہیں یعنی جو بیبیان نیک ہیں وہ شو ہر دن کا کما مانتی ہیں اور بحفاظت خدا شرمگاہ کی غائبانہ حفاظت کرتی ہیں۔ ان جن عورتوں کی نافرمانیوں کا تمکو اندیشہ ہو تو اونکو سمجھاؤ، اون کو ہم بستری سے الگ کر دو، اسپر بھی نہ مانتیں تو اونکو مارو سزا کرو پھر اگر مطیع ہو جائیں تو اون پر کسی طرح کا التزام نہ دو۔ اسپر بھی اگر تمکو ان کے ساتھ کھٹ پٹ کا

اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کہنے سے اور ایک ثالث عورت کے کہنے سے مقرر کر دیا اگر یہ
دو نون صلح و اصلاح چاہیں گے تو خدا صلح کر دیکے گا۔ دو بادشاہ در اقلیہ منگنجد۔ ایک کو
دوسرے کا مطیع ہونا اصلاح تمدن کے لئے ناگزیر ہے۔ مگر حقوق میں دونوں کے سوا
ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بال معروف اون حق نہیں ایسا ہی ہو جیسا اون پر
تمہارا (بقراءۃ ۱۵۱) ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ ہن لباس لکھ واکتہ لباس لھن
وہ تمہاری پردہ پوش ہیں اور تم اون کے پردہ پوش (بقراءۃ ۱۵۲) تو ایسا ہونا چاہئے کہ تم
اون کو کمزور اور بے جان مخلوق سمجھ کر، یورپ کی طرح ظاہری جھوٹ خوشامد کا سبز باغ دکھا کر
اون کا سب کچھ دیا بیٹھو کہ اون کی کوئی چیز نہیں، سب کے مالک تم۔ خدا کی مخلوق جیسی تم ویسی
وہ۔ اس لئے ہونا چاہئے یہی کہ مردون کا محمولہ مردون کا اور عورتوں کا محمولہ عورتوں کا
للرجال تضییب عما اکتبوا وللنساء تضییب منما اکتبسن (النساء ۵۸) ہر
جنس نے نیکوئی کا سلسلہ قائم کیا، عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کی، اور یوں تمدن کی بنیاد
اوس نے جذبات فطریہ کو بالکل مطلق العنان نہ چھوڑ دیا کہ وہ بے راہ ہو کر تباہ کن ہو جائے، اسلئے
اوس نے اوسکی حد بندی بھی قائم کر دی فانکھو اما طاب لکم من النساء منشی وثلث
وسریاع طافان خفتم ان لا تعدوا وواحد او ماملکت ایما فکم ذلک ادق ان لا تعدوا
وا تو النساء صد قہن فخلہ طافان طبن لکم من شیء منہ نفساً فکلوا ہذین صریحا
نکاح کرو اور عورتوں سے جو تم کو پسند آئیں دو۔ تین۔ چار تک۔ اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ اور
میں عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نیکو کرو۔ اور عورتوں کو تمہاری ہیں۔ ہمیں
کم سے کم یہ تو ہو گا کہ تم ایک ہی طرف نہ جھکا پڑو گے۔ اور مہر خوشی سے دیا کرو۔ اگر وہ خوشی
اوس میں کچھ چھوڑ دین تو اسے کھاؤ اور مبارک کر سہ (النساء ۵۸) اس آیت سے مفصلی

باتین معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ ہر خوشی سے ادا کرنا۔ اسکی متعدد دیتوں میں تاکید آئی ہو، فاتوحن اجوساھن متعدد جگہ آیا ہو۔ ایسی صورت میں اتنا مہر مقرر کرنا جسکی ادائیگی محال معلوم ہو، یا جسکے ادا کر نیکی نیت ہی خیر سے نہوا تو وہ تو دھوکا دہی ہی جسکے نکاح جائز نہوگا۔

۲۔ جو تین پند آئینوں کے نکاح کرو، تو پسند کی تین جہتی تین میں نہیں جائز نہوگی۔ ایک فقہ اعتماد پسند کرنا کہ لڑکا بالغ بھی ہو چکا جب بھی وہ دورانریش نہیں ہو سکتا، نہ زمانہ دیدہ، نہ کچھ وہ اپنی خاکی کو لکھا خاکہ کے والدین کی بھی خواہانہ پسند کو اپنی ہوس کو پسند پر ترجیح دے تو یہ دورانریشانہ پسند بھی جائز نہوگا۔ دوسرے صفات سنکر

پسند کرے تو یہ بھی جائز تیسرے دیکھکر پسند کرے تو یہ بھی جائز تینوں صورتیں صحیح ہیں۔ اسلئے پسند کر نیکی لے اگر کوئی ایک نظر دیکھ لینا چاہے تو وہ دیکھ سکتا ہو، اسکو نہ نوم بھجفا خدا کی ہدایت کی تجویز ہے۔ مگر والدین کا بصر اہل پسند شادی کر نیو ایک شادی کو دنیا جائز نہوگا۔ نہ بچا نہ بچوگا کہ پسندیدگی کیلئے وہ عیاشانہ صورتیں اختیار کی جائیں جو یورپ کی روش ہو، جو کورٹ شپ

کسا جاتا ہو، یہ خلاف شرع ہوگا۔ اور حدود اللہ کو توڑ دینے والا، اور عصمت کو داغدار کرنا، یا بھی بوسے اور مقناطیس کو پانی میں ڈال دو اور کہو کہ زحل رکیا یہ ممکن ہو، جب بیچ میں پردہ نہ ڈالو، یا اقتضائے فطری کو مقناطیس سے نکال نہ لو۔ اگر یہ کہو کہ کورٹ شپ ایک دوسرے کے صفات

ایک دوسرے کو معلوم ہو جاتے ہیں، تو اس منافقانہ اور بناوٹ کی ملاقات سے معلوم ہوتا نہیں، نہ وہ سن ہی صفات انسانی کی قدر دانیوں کا ہوتا ہے۔ اسلئے عملاً اسکا نتیجہ ہوتا ہی ثابت ہوا، علاوہ حرام کاری کے بدنتائج کے طلاق کے مقدمات جتنی تعداد میں اور جتنی

فحش بنیادوں پر یورپ میں ہو تے ہیں، اور اسکی مثال اسلامی دنیا میں تو نہیں مل سکتی۔ یہ چند سطرین رسومات یورپ کے دلدادوں کے لئے لکھی گئیں۔

مسئلہ جب خدا کی ذات صفات تک میں علماء کے اختلافات اور جھگڑے موجود ہیں تو اسکی کوئی آیت اختلافات کے سطح پر پہنچ سکتی ہے۔ مثنی وثلث وارباع اس کے معنی بعضوں کے نزدیک ہیں دو دو تین تین چار چار یعنی اٹھارہ نکاح تک جائز بعضوں کے نزدیک مثنی وثلث وارباع کے معنی یہ نہیں ہیں کہ چار تک کرو بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ دو دو تین تین چار چار جتنا نکاح کرو کوئی حد ہی نہیں۔ لیکن یہ سب طبع آزمایاں ہیں۔ مثنی وثلث وارباع کی اصطلاح جو عمل متواتر سے بلا اختلاف واضح ہوتی ہو وہ یہ ہے کہ چار نکاح تک خدا نے جائز کیا ہو اور محاورہ عرب بھی اسی کا مؤید ہے۔

مسئلہ خدا نے اس کے بعد ہی فرمایا کہ عدل و انصاف نہ کر سکو تو ایک ہی نکاح جائز۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیک وقت چار بیبیان بشرط عدل جائز ہیں۔ اگر تعداد بڑھاؤ گے تو فتنہ رما کا محلقہ کتنی معلق پڑی بیگی اور یہ ناجائز ہے۔ اور خدا پیدا کر موالا۔ تیرہ سو برسوں سے مختلف ممالک کا عمل متواترین شہادت ہے جسکو میں بیان کروں گا۔

وہ قوت جو تکثیر خلقت انسانی کیلئے خدا نے فطرتاً انسان میں ودیعت رکھی ہے، اور اسکو بہ حرم و احتیاط عمل میں لانے کیلئے اوس نے نکاح کا قانون بنادیا تاکہ تکثیر خلقت انسانی خطر و ن سے بچکر اور فوائد تمدن کو مضبوط کرتے ہوئے عمل میں آئے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ اب اگر اسکو کمی بیشی دونوں طرف سے محدود نہ کرو، تو نکاح کا قانون ٹوٹ جائیگا اور مصائب کے دریا او منڈائیں گے۔

مثلاً اگر نکاح اوٹھایا دو تو شہوت فطریہ، زنا، بلاق، لواطت کے زہر سے مسموم ہو کر تباہ کن ہو جائیگی۔ اور تو والد و تناسل اور پیداوار فطرت کی تخم ریزی ہی بند ہو جائیگی۔ تو ایسا شخص فطرت کا مجرم، قوم و ملک کا مجرم، اور غیر غیر مشرکہ کی طرح ایندھن ہی کے کام

ثابت ہوگا اگرچہ اپنے اور صفات کے سبب یہ دیکھی ہو۔ یہ تو ہر بھی یورپین پھیلنے لگا ہے۔
 یا اگر ایک ہی عورت کے نکاح کرتا جائز قرار دو جیسا کہ یورپین رائج ہے۔ تو اولاً یہ خلاف
 فطرت ہے۔ مرد و شہاری گواہ ہو کہ یہ استثناء معدودے چند مقامات کے تمام دنیا میں تین
 مرد سے زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ تو اگر ایک ایک کا جوڑا حسب راج یورپ قائم کر دو تو باقی عورتوں کا
 کیا نظم ہے۔ کیا وہ بدکار یونین میں مبتلا ہوں اور اخلاق کا قانون مجبوراً توڑ بیٹھیں۔
 ثانیاً اگر اختلاف مزاج کے سبب، یا بی بی کے یا بچہ ہو نیکی سبب، یا اس کے مبتلائے مراضہ
 ہو نیکی سبب کیلئے دنیا جہنم ہو تو کیا اس جہنم میں وہ نازلیست پڑا جلتا رہے گا کیوں اس کے لئے
 بہشت کا دروازہ نہ کھولا جائیگا۔ اور کیوں وہ طلاق دیتی پر مجبور کیا جائیگا کہ بے عفت
 بے پناہ ہو جائے۔ اور وہ ایک کے ہوتے دوسرا نکاح نہ کر سکے۔ ثالثاً حمل کے تین چار مہینہ
 بعد ایام رضاعت تک نکال بی بی کے پاس جانا بچہ کے لئے مضر اور علم کے خلاف ہے۔ تو کیا وہ
 ان مضرات کا نشانہ بنے یا مرتکب بدکاری ہو۔ رابعاً ایام رضاعت تک فطرت کی پیداوار
 یعنی کثیر خلقت انسانی کن منافع کی بنیادوں پر روک دی جائے اور ان حالیکہ یورپیوین یعنی مرد
 شماری کی ترقی ہر طرح کے منافع کا اکہ ہے۔ آدمی بڑھنے سے قومی قوت بڑھتی ہے،
 ضرورتیں بڑھتی ہیں، اور الضرورة ام الایجاد۔ اب دوسرے سرے کی طرف خیال کرو۔
 یعنی بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ جائز کر دو تو نکاح کے فوائد ہی مٹ جائیں گے۔ عورتیں
 معلق چھوڑ دی جائیں گی، یہ اوں ظلم ہوگا۔ اس سے اوں میں بغاوت کیگی۔ اوں کے دل خراب
 ہو جائیں گے۔ پھر تمدن خطرناک ہو جائیگا۔ گھر میں بجائے محبت کی خوشگوار ہوائ کے انتقام
 کی سموم چلنے لگیگی، اور گھر جہنم ہو جائیگا۔ کیونکہ ظلم کے پھل کبھی میٹھے نہیں ہوتے۔ اسکی تلخی
 اور سو طرح کے نقصانات پیدا کریگی۔

ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ چارہری کا عدد کیوں اختیار کیا گیا کس اصول پر؟

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ چارہریوں کی تعداد لازم نہیں کی گئی، بلکہ مجتہدین نے چارہری کی تعداد جائز رکھی گئی ہے۔ کیونکہ صحیح المزاج عورت مرد جب یکجا ہونگے تو حمل رہنا چاہئے۔ ضرر کر حمل کے پانچ مہینے بعد سے مرد نبی بی سے احتیاط کیا، تو ایام رضاعت تک کم سے کم پندرہ سولہ مہینے اوس کے احتیاط و تجربہ کے ہونگے۔ اب اگر تین بیبیاں اور تین وہ ہر کے پاس چار چار پانچ پانچ مہینے جاسکتا ہے، اور فطرت کی پیداوار بڑھا سکتا ہے۔ اس حساب سے تین بیبیوں میں اگر وہ از دیار قوت کے بعد انضباط نہ کر سکتا ہو تو اپنی تجربہ کا زمانہ تقسیم کر سکتا ہے، اور اس طرح سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔ اب یہ سہ غور کرو، اور بتاؤ کہ اس بہتر عدل انصاف کا قانون فطرت کے مطابق، تو اسے فطریہ کی نگہداشت کیسا ہے، تعداد بڑھا کر قومی شیرازہ کا مضبوط کر نیوالا، اور کونسا قانون ہو سکتا چار نکاح کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ چار نکاح تک بشرط عدل انصاف جائز کیا گیا ہے۔ اور عدل انصاف کی نسبت اوس نے فرمایا۔ *ولن تستطيعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حسنتن فلا قیل واکل المیل فتذرواھا کالمعلقا ط وان تصلحو او تتقوا فان اللہ کان غفوراً*۔
 سراجیماہ ہرگز تم اسکی طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں میں انصاف کر سکو، اگرچہ تم اسکی ہوس بھی کرو، تو نہ جھکاؤ، نہ پوچھو، نہ جھکنا کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو (وہ ادھر کی رہیں نہ ادھر کی) اور اگر صلح و پرہیزگاری سے رہو تو خدا غفور رحیم ہے (النساء ۱۱۹) اگر یہ کہو کہ چارہریوں تک ایک وقت نکاح میں کھڑا بشرط عدل جائز ہے، اور عدل کو ناممکن کہا گیا تو اس سے جو اثر کی جگہ ختم نکلتی ہے۔ تو ایسا نہیں ہے، انصاف ایک دوسرے سے اس طرح مختلف ہو سکتا ہے، ایسا انصاف ناممکن ہونے سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ کہا گیا کہ تم ہرگز عدل کی طاقت نہیں رکھتے۔ بلا شبہ عدل کا پیمانہ اوٹھالینا رسولوں کو چھوڑ کر عام آدمیوں سے ممکن ہی نہیں، کہ وہ بیٹوں میں

عدل حقیقی نہیں ہو سکتا بیبیون میں کس طرح ہو سکتا ہو۔ ایکواوس فرمایا کہ تستیطوا تم ہرگز
عدل کی طاقت نہیں کہتے۔ اسلئے جو عدل مطلوب ہے وہ یہ ہو فلا تمیلوا کل المیل ایک بیوی کی طرف
ایسا نہ جبک پڑو کہ دوسری کو مطلق چھوڑ دو یعنی برتاؤ عادلانہ رکھو۔ اگر صلح و اصلاح سے رہو،
اور ظلم و تعدی سے بچتو رہو، ان تصلحوا و تتقوا، تو دونوں کا راناے حال دون کی بے انصافی کو مٹا
کر دیگا۔ فان الله كان غفوساً رحیماً۔ المختصر جاسیون کا بیٹ قت نساخ میں گناہ بشرط عادلانہ
برتاؤ کے خدانے باز کیا ہو۔ اسمین مردوں کی ضرورتوں کا بھی لحاظ کیا گیا، اور جو تو ان کے حقوق کا بھی
۱۵ اس آیت میں خدانے فرمایا ہو فواحداً او ماملکت ایما نکلہ عادلانہ برتاؤ نہ کر سکو، تو
ایک بی بی جائز ہو، اور ملوکہ تمہاری۔ اس سے ثابت ہوتا ہو کہ ملوکہ سے نساخ کی ضرورت نہیں
اگر ہو تو فواحداً بیکار ہو جاتا ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ ملوکہ سے مساویانہ برتاؤ مطلوب نہیں
کھلا کھلا فرق مراتب ہو۔ اسی لئے ملوکہ کے زنا کی سزا بھی نصف ماعلیٰ المحضات جن العذاب
ہے (النساء ۱۱) دوسری جگہ خدانے فرمایا۔ والذین هم لفر وجهم حفظون الا علی
انرا و اجهم او ماملکت ایما نهم۔ مومنین وہ ہیں جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں
اور وہ اپنی بیبیوں اور ملوکہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں جاتے (مومنون ۱۱) اگر ملوکہ سے
نساخ ہو نا ضروری ہو تو وہ ملوکہ نہ رہیگی ازواج میں داخل ہو جائیگی۔ اور خدانے ازواج و
ملوکہ کو لفظ فرمایا ہے۔ ملوکہ سے نساخ اسلئے ضرور نہیں کہ ملوکہ ہونا ہی حلال ہے۔
اور جان و دیکر جنگ میں وہ حاصل کی گئیں تو وہی مہر ہے۔

۱۶ اس آیت میں ماملکت ایما نکلہ ہے تو یہ تحقیق طلب ہے کہ اسکے معنی کیا ہیں جس کا ترجمہ میں نے
ملوکہ کیا ہے

عبد اور امة کا لفظ قرآن مجید میں موجود ہے جس کے معنی غلام اور لونڈی کے ہیں۔ اسکے سوا

قرآن مجید میں خدا نے مملکت ایمان لکھ فرمایا ہے جس کے معنی لوندھی غلام کے نہیں ہیں کیونکہ لوندھی غلام کیلئے تو خاص لفظ جاری موجود ہیں، اسلئے اس کا ترجمہ ملوک کرنا صحیح ہے ملوک اور ملوک وہ مرد و عورت ہیں جو جنگ میں ہاتھ آئیں، جو قوت بازو اور جان بازی سے حاصل کی جائیں اور احسانا یا فدیہ دیکر وہ چوڑائی نہ گئی ہوں۔ چونکہ یہ ملوک جان پھیل کر حاصل کی جاتی ہیں اور جان سب سے قیمتی۔ یہی انکا نکاح اور یہی انکا مہر اسلئے یہ بے نکاح کے حلال ہوئیں۔ انہیں کچھ گروہوں کا آدمی مالک ہوتا ہے کہ انکے حاصل ہوتے وقت چاہے انکو مار ڈالے اقلید کرے، ازاد کرے یا فدیہ کا فائدہ اٹھائے۔

گر قتار ان جنگ کی نسبت ہدایت ہو۔ فاذا قضیتہ الذین کفروا غصب الرقاب ما حتی اذا اتخدتہم اہم فشدوا والوفاق فاما مناجدوا واما فداء حتی تصنع الحرب او ناسا سا۔ تو کافروں سے جب تمہاری مٹھ بھر ہو جائے تو انکی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب انہیں خونچن بہا چکو تو مضبوطی سے مقید کر لو، من بعد یا احسانا چوڑو یا فدیہ لیکر یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے۔ (محمد ص ۱) اس آیت مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ کافروں سے بہادرانہ لڑو اور خون کا دریا بہا دو۔

۲۔ جب غالب ہو تو انکو مقید کر لو۔ خدا اس بقدر فرما تا تو ہمیشہ کیلئے انکو قید رکھنا اور ان پر قومی خزانہ صرف کرنا پڑتا۔ بتیسرے لنگڑوں، بے ہاتھ والوں، اور نگوں کو ناحق کھانا پڑتا۔ اسلئے اس نے اختیار دیا کہ۔

۳۔ تا اختتام جنگ انکو احسانا چوڑو یا فدیہ لیکر چوڑو کر دو تمکو اختیار ہے۔ اگر یہ حکم ہو کہ تمکو چوڑو دینا ہی ضرور ہے تو احسانا نہو بلکہ حکماً ہو۔ احسانا کے معنی یہ ہیں کہ تمکو اختیار ہو کہ انکو کوئی چوڑ دے سکتے ہو اور تندرستوں کو فدیہ لیکر۔

۱۔ اب جو چوڑا سے نہ جائیں وہ مقید رہیں، وہی ملوک اور ملوکہ ہیں۔ اونکی اولاد ملوک یا ملوکہ نہیں ہو سکتی، وہ ازاد پیدا ہوئی اور آزاد ہو۔ لاتوسر و امرنہ و نرسراخری حضرت آدم کا گناہ اونکی اولاد پر عائد نہیں ہو سکتا۔

غرض ملوک اور ملوکہ کا ترجمہ غلام اور لونڈی کرنا غلط ترجمہ ہو۔ اور انکی اولاد ملوک یا ملوکہ نہیں ہو سکتی۔ ان کی بیع و شرا کو خدا نے کسی آیت سے حجاز نہیں کیا ہو۔

ہاں لونڈی غلام کی رسم عرب میں جاری تھی، اور انکی بیع و شرا بھی۔ خدا نے کسی آیت میں نہ اس کا حکم دیا نہ اس کو جائز کیا، ہر چند اوس صاف لفظوں میں منع بھی نہیں کیا، لیکن شاذۃ النظر سے ایک طرح کی امتناع پائی جاتی ہے، یعنی احسانا غلام آزاد کرنا موجب ثواب ہے۔ مکاتبت کے ذریعے غلام آزاد کر نیکی ہدایت ہے۔ اکثر خطاؤں اور گناہوں اور لغزشوں کے عوض فقہ پر رقبتہ موصوفہ لونڈی غلام آزاد کرنے کی ہدایت الگ ہو۔ مصارف زکوٰۃ میں خدا نے فی الرقاب فرمایا ہے، یعنی بیت المال کے مصارف میں سے غلام آزاد کرنا بھی ہو۔ یہ سارے ہدایات آزاد کرنے کے ہیں، اور غلام بنائینکی ایک ہدایت بھی نہیں۔ کیونکہ دنیا میں مساوات کی تعلیم اسلامی ہی تعلیم ہے، نہ لبرل کی، نہ نیشنلسٹ کی،

مساوات کی تعلیم بیان تک ہو کہ دشمن جنگ کے قیدی جو نہ چوڑے گئے نہ چوڑا گئے، یعنی ملوک ملوکہ اُن کے ساتھ کیا ترناؤ کیا گیا کہ وہ خاندان کے اجزا بنائے گئے اور کھائے پئے سب میں مساوات قائم رکھا گیا۔ اوس سے کہیں بہتر برتاؤ جو آج یورپ اپنے ہم مذہب یوریشین، اپنے نوکروں، اور اپنی رعایا کے ساتھ کر رہا ہے۔

اسلام میں غلامی کا تو کیا ذکر، دشمن قیدی ان جنگ کیساتھ وہ سلوک کیا گیا جسکی مثال نہیں۔ نہ اُن کے ساتھ بد سلوک ہوئی، نہ اونکی بے قدری کی گئی، نہ قومی فتنہ پراپڑا

کہ گیس غزالیسین، انکو آزادی بھی ملی مگر وہ آزادی نہیں کہ وہ بغاوت، فوج کشی اور دشمنانہ جنگ کو کھڑے ہو سکیں۔ دشمن کا بھی بھلا، اور اپنا بھی، کیا اس بہتر کوئی قانون عدل و انصاف کا ہو سکتا ہے۔

یورپ جو برتاؤ آزاد مردوں و رکلیوں کے ساتھ ظالمانہ اور غلامی کا کر چکا ہے وہ اسلام کے سر تھوپے تو یہ دوسرا ظلم ہے۔ اسلام نے لونڈی غلام بنانے اور انسان کی بیع و شرا کا کہان حکم دیا ہے، کوئی آیت پیش کرو۔

ہاں یہ افسوس کی جگہ ہے کہ ممالکت ایمانکہ کا ترجمہ لونڈی غلام کیا گیا اور لونڈی غلام بنانا یا اونکی بیع و شرا یعنی ایام جہالت کی ناجحود رسم پھر سے جاری کی گئی، اور مقدس مقام میں ہی، اور آزاد انسان کا چوری چھپے ظلم لاکر اونکی گردنوں میں طوق غلامی پہنا دیا بیع و شرا جاری کی گئی اور یوں اسلام مطعون کیا گیا۔ ایسی عورتیں ہرگز بے نکاح جائز نہیں ہو سکتیں، کیونکہ یہ ملوکہ نہیں۔ اور حقیقت میں وہ آزاد ہیں۔ کسی مجبور کو پکڑ لاؤ تو وہ غلام نہ ہو جائیگا۔ وہ فریادی ہے اور بے قصور۔ اوسکی فریاد بادشاہ نہ سنئے خدا تو سنیکا۔

چونکہ یہ بیان نکاح کا ہوا اسلئے بے محل نہوگا اگر میں نکاح کے متعلق اوس باتوں کو بیان کروں جس سے حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیان مسلمانوں پر حرام کی گئیں کیونکہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں و انما واجدہ امہاتکم (احزاب) اسلئے حکم ہوا۔ ولا ان تنکحوا انرا واجدہ من بعدہا اید اطان ذلکم کان عند اللہ عظیمہا یہ جائز نہیں کہ نبی کی بیبیوں کے ساتھ نبی کے بعد کبھی بھی نکاح کرو۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ (احزاب ۱۸) جب نبی کی

بیہیان داخل محرمات اور مسلمانوں کی مائیں ہیں، تو بی روحانی باپ ہوئے، اس رشتہ سے
 کل مئین اخوانکم فی الدین۔ دینی بھائی ہوئے، اور روحانی سید بھی۔ یہ اخوت دینی نہیں
 ٹٹنے کی، تو یہ روحانی سیادت بھی نہیں ٹٹنے کی۔ افسوس کیون نہ ہو اگر بھائی کو بھائی بھائی
 نہ سمجھے۔ اور ماتم کی جگہ کیون نہ ہو اگر بیٹا مان کو مان نہ سمجھے۔ نالایق ہے وہ اولاد جو
 آپس میں لڑھکے، اور ناشدنی اور مردود بارگاہ ہے وہ اولاد جو مان پر تمہیں دھرے۔
 ایسی اولاد زندہ درگور بہتر۔

اسماۃ المؤمنین میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نخل حضرت زینب رضی اللہ عنہا
 ہوا، اسکے متعلق روایات غیر معتبرہ کی بنا پر قصے گڑھے گئے، جس نے اس واقعہ کو مخالفوں کی زبان
 درازیوں کا نشانہ گاہ بنادیا۔ ہر کس زدنست غیر ناگہد بہ سعدی از دست خویشتن فریاد
 میں اغیار کو کیا کہوں جب اپنوں ہی قصے قصیوں کو دین بنادیا ہو، جن قصوں کے نہ خدا اور رسول
 ذمہ وار ہیں، نہ قرآن ذمہ وار، وہ دینی حیثیت سے قابل تسلیم ہی نہیں۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں
 بیان ہوا ہے، تو جو کچھ قرآن مجید سے واضح ہوتا ہو اس سے میں بیان کر دینا چاہتا ہوں، تاکہ
 حق و باطل الگ الگ ہو جائے۔

خدا فرماتا ہو۔ اذ تقول للذي انعم الله عليه وال نعمت عليه امساك عليك
 تروجاك واتق الله وتحقق في نفسك ما الله مبديہ وتقشئ الناس والله
 احق ان تخشاه فلما قضى زيد منها وطرا وترى انك لبيك على المؤمنين
 حراج في ان تراج ادعياءهم اذ اقضوا منهم وطرا وكان امر الله مفعولا
 ما كان على النبي من حراج فيما فرض الله له طسنة الله في الذين خلوا من
 من قبل وكان امر الله قدرا مقلدا وسرا للذين يبلغون رسالتك الله

وَيَحْشَوْنَہ وَلَا يَحْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ہ یاد کرو جب
 اس شخص سے جیسے اللہ نے بھی اور تم نے بھی انعام و فضل کیا تھا تم کہنے لگے کہ ”اپنی بی بی کو اپنے
 پاس ہتے دو طلاق نہ دو۔ اور خدا سے ڈرو۔ اور تم اپنے دلمیں جھپاتے ہو جسکو خدا ہر کرتیوالا ہے
 اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ خدا اسکا سخت ہی کہ تم اس سے ڈرو، تو جب یہ طلاق دے چکا تو اپنے
 اوسکو تیرے نکاح میں دیدیا۔ تاکہ اے پالکون کی بی بی سے نکاح کرنے میں بعد اوسکے مطلقہ نہ ہو
 مسلمانوں کو کوئی دقت نہ رہی (کیونکہ منہ بولا بیٹا بیٹا نہیں ہو جاتا) اور اللہ کا حکم تو ہونا ہی ہے
 خدا نے جو نبی کے لئے فرض کر دیا اوس میں نبی کو کوئی مضائقہ نہوا۔ یہ تو سنت اللہ ہے جو اگلے
 نبیوں میں جاری رہی (یعنی جو اللہ نے فرض کر دیا اوسکی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہوا) اللہ کا
 حکم تو اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے۔ ایسے نبی جو تبلیغ رسالت کرتے ہیں۔ اللہ ہی سے
 ڈرتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ حساب لینے کیلئے
 کافی ہے۔ (احزاب المائدہ)

بات کھلی کھلی صاف صاف ہے۔ اونگلی رکھنے کی جگہ نہیں۔ مگر روایتوں اور طبع آزمائیوں نے
 اس میں شاخسائے کھڑے کئے، اور اس واقعہ کو افسانہٴ محبت بنا دیا، تو مخالفین لگے زبان
 درازیاں کرنے، اور سخت و سخت کا انبار لگانے۔ اور واقعہ اتنا ہی کہ حضرت زید کے ساتھ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترے نیک بلوک ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ حضرت زینب کو
 اون سے پیام ہی دیا تھا۔ مزاج نے موافقت نہ کی، دونوں میں کھٹ پٹ ہوئی، ایسے حال کیلئے
 خدا کا فرمان تھا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَاَيُّسُوْا حُكْمًا مِّنْ اٰهْلِہِ وَحُكْمًا مِّنْ
 اٰهْلِہَا اِنْ يَّرِیدَ۔ اصلاحاً فوق اللہ بیٹھما۔ اگر زن و شو کے درمیان کھٹ
 کا اندیشہ ہو تو ایک پیچ شوہر اور ایک بی بی کے کنبہ سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح و اصلاح

چاہیں گے تو خدا دونوں میں موافقت کرا دیگا۔ (انساعولہ) اور اس ثالثی سے حضرت زید ڈرتے تھے کہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے کہ خاندان نبوت کے ساتھ بے قرینگی کی سیانیچ بچا کر دین گے۔ اور اختلاف مزاج حالت اصلاح پذیر ہونے نہ دیگا۔ اسلئے طلاق کی ٹھکان چلے گئے، اور زن دشوکی اس رنجش کو ملامت کے ڈر سے چھپاتے تھے، اسلئے وہ آئے تھے نبی سے استعراج لینے۔ اپنے فرمایا کہ اپنی بی بی کو اپنے پاس رہنے دو، طلاق نہ دوا خدا سے ڈرو، تم اپنے دلمین ملامت کے ڈر سے رنجشوں کو چھپاتے ہو، اور ثالثی کی خواہش نہیں کرتے، تو اگر یہ رنجش بڑھتی رہی تو ایک دن ظاہر ہو جائیگی، خدا ظاہر ہی کر دیگا۔ تو لوگوں سے نہ ڈرو، خدا سے ڈرو، اس کا وہی سخی ہو۔ اور قصے قصیے کر دو، میل و موافقت رہو، اور طلاق نہ دو۔ جب اختلافات نہ ملے، اور حضرت زید طلاق دے چکے تو قصہ قوم میں آگیا اور خدا نے ظاہر ہی کر دیا۔ تو یہ موقع تھا کہ لے پا لکون کی بی بی سے نکاح کا حوا جو اسلام انہی کا منشا تھا، اور قوم کے ہاتھوں تباہ ہو گیا تھا، پھر سے زندہ کیا جائے۔ اسلئے خدا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کر دیا۔ لوگ پابند موم تھے، اور لے پا لک کی بی بی کو بیٹے ہی کی بی بی سمجھتے تھے، اور اس سے نکاح کرنا مذموم و حرام حالانکہ مرنے بولا بیٹا بیٹا نہیں ہو جاتا نہ اوسکی بی بی ہو۔ یہ اوسی درجہ مذموم سمجھا جاتا جس طرح آج کوئی چچی سے نکاح کرے تو وہ مان کے ساتھ نکاح کرنا سمجھا جاتا ہے، اور نکاح محرمات میں چچی کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یقیناً ایسی سخت مذموم رسم ٹوٹ نہیں سکتی تھی جب تک اسلئے خود اپنی ذات متحجہ صفات کھڑی نہ ہوتی۔ اسلئے خدا نے آپ کو اس نکاح کا حکم دیا کہ حضرت زینب سے نکاح کر لو، تاکہ مومنین مبتدئہ کی زن و طلاق سے نکاح کر نہیں مضائقہ نہ سمجھیں۔ اپنے تعمیل کی۔ لوگوں نے نون مریح طایا کہ نکاح عرش پر ہوا، اسن نیامین نہوا۔ مگر اس

دنیا میں عرش کا نکاح معتبر نہیں، اس دنیا کا نکاح معتبر ہو جس میں شاہدین کی ضرورت ہوتی ہو۔ غرض ماکان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ نہ نبی کو کچھ تامل ہوا نہ ماسوی اللہ کا ڈر۔ کیونکہ یہ تو سنتہ اللہ ہے کہ رسولوں کو ماسوی اللہ کا ڈر ہوتا ہی نہیں اسکی شہادت خود خدا نے دی۔ جب تو وہ لوگوں کی رسم تو رسم اوں کے دین مذہب کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ قرآن مجید اسی مختصر سے قصہ کا ذمہ والا ہے۔ اس قصہ میں بے پالک کی مطلقہ بی بی سے جو از نکاح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت علی الخلق احوالے دین کیلئے رسوم کا توڑنا، اور اس توڑنے میں خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔ ان باتوں کی تعلیم و تربیت کے سوا اور کیا پایا جاتا ہو۔

مگر لوگوں نے اولاً تو یہ ظلم کیا کہ اپنی طرف سے آیت کو دو لخت کیا۔ حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید سے فرما رہے ہیں۔ امسک علیک زوجات (اور) واقعہ اللہ (اور) وتخفضی فی نفسک ما اللہ مبدیہ (اور) وتخشى الناس واللہ احق ان تحتشاه۔ یہ سب حضرت زید سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ مگر بے وجہ اور بے دلیل سادہ لوحوں نے کلام کو دو لخت کر دیا۔ اور پیچ میں وتخفضی فی نفسک سے قول خدا مخاطب بہ رسول فرض کر لیا۔ اور اس فرض کر لینے سے یہ اتھام رسول پر ڈھالا کہ آپ لمین کچھ اور مخفی رکھتے تھے، اور حضرت زید سے کچھ اور فرما رہے تھے، اور یہ اندرونی محبت کے شے تھے۔ دوسرے آپ خدا سے ڈرنیکے بجائے جو رسولوں کی لازمی شان ہوتی ہو لوگوں سے ڈرتے تھے۔ لغو بذاتہ نہما۔ اے اللہ تیری پناہ۔ بنی کی شان سے یہ دونوں باتیں بعید ہیں۔ نہ بنی کے ظاہر و باطن میں فرق ہوتا نہ وہ ماسوی اللہ سے ڈر کر تے ہیں۔ اونکی شان کہ اسی آیت میں خدا نے فرما دیا ہے۔ مگر یہ آفت ڈھائی گئی آیت کو دو لخت کرنے، اور اپنے مافی الضمیر کی مراد لینے کی عادت سے۔

پھر جب بچوں کا یہ حال ہو تو معترض کیوں نہ اعتراض کی تلوار اٹھائے۔ اس اعتراض کے جواب میں کہہ میں لکھی گئیں، مگر قرآن پیش کیا گیا، نہ قرآن سے یہ محذوف مانا ہوا جملہ کاٹا گیا جس سے قرآن میں اصلاح دیا گیا ہو۔ روایتوں کی تنگی میزوں اور شہرت پائے ہوئے علماء کی نگاہوں نے یہ آفت ڈھائی ہے۔ تو ان کے غفلوں سے زڈرو اور حق کا اعلان کرو۔ واللہ الحق بان بخشہ

ایسے برگزیدہ رسول۔ خاتم انبیاء۔ مجسم خلق و حیاء۔ متصف بصفات کمال کی شان و صفت بوجہ ملج کے طور پر کی جاتی ہو جسکو بیان کرتے ہوئے تہذیبی ایمان مند بند کرتے ہیں۔ ایسی دایتیں جبکہ منکر و عجب نبوت کے دل کا نیک ناپ اٹھتا ہو اور جن کے دوہرانے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ جن روایتوں کی بدولت اہمات مومنین کی شان میں بے دیون گستاخیاں کی ہیں۔ جن کی وایتوں کی بدولت نبی کی قوت و جلالیت کا درجہ قائم کیا گیا ہے۔ سچ ہے۔ اسے خدا! تو بڑا رحیم ہو اگر کوئی کسی کے والدین کی شان میں کہے کہ آپ کے پدر بزرگوار کو سا بھڑ مردوں کی شہوت تھی یا خلان رات آپ کے ماں کی شب زفاف تھی۔ یا آپ کے والد تقدس آب کو بازاروں میں غیر عورتوں کو دیکھ کر جب شہوت ہوتی تو وہ آپ کی عصمت آب ان پر اوتارتے تھے۔ یا آپ کے والدین گال پر کال رکھ کر کھیلتے تھے۔ اور یہ مین اسٹے کہتا ہوں کہ آپ گھر کی روش سے آگاہ ہوں، اور ان باتوں کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ یا آپ کے والد نے خلائ عورت کو نہاتے ہوئے دیکھ پایا، اور فریقہ ہو دلیں قصد کیا کہ یہ طلقہ ہو تو اس کے ساتھ نکاح کریں۔ اتفاق شوہر طلاق دینے کو ہوا، تو آپ کے والد اسے طلاق سے منع کرتے تھے اور دلیں تھا کہ یہ طلاق دیدے تو جھٹ نکاح کر لیں تو ایسے حال میں کہ تمکو اپنے والدین کی تقدیری پر ایمان ہو، تم اسے جھوٹا کہو گے یا سچا۔ اسے دوست سمجھو گے یا دشمن۔ ایسے بد زبان اور بد تہذیب کی تم عزت کرو گے یا گھر سے نکال دو گے خلعت دو گے یا قدرت ہونے پر سزا۔ اقران میں ان باتوں کی تحقیقات کرتے پھر و گے یا

اوسکو یہودہ سمجھو گے۔ پھر کونسا اضافہ ہوا اور کونسی غیرت ہوئی، کہ جو کچھ اپنے والدین کیساتھ روانہ رکھو، وہ اپنے روحانی والدین کی شان میں فخریہ اور عالمانہ بیان کرو، اور ایسے بیانات کو داخل دین سمجھو، اور ان سے مسائل مستخرج کرو، اور اوس کا خلق اللہ کو حکم دو، اور دعویٰ کرو کہ یہ قاحکم بینہم بما انزل اللہ اور فاسقمسک بالذی اوحی الیک کی تعمیل ہے۔

ایسی ایسی روایتیں موجود ہیں، اور نبی کی امت اور خاندان سیادت بھی ایسی روایتوں کو حدیث کہتے لگ گئے ہیں، ان کی غیرت بھی کھوئی گئی ہے، اور اسی نے موقعہ دیا اغیار کو زبان درازیوں کا۔

اس بیان سے میری غرض صرف اس قدر ہے کہ زن و شو کے متعلق، اور اونکی طرز معاشرت کے متعلق جو روایتیں قرآن مجید کے خلاف، یا قرآن مجید سے فاضل یا غیر مہذب، یا پوشیدہ معاملات بی بی کی زبانی بیان ہوں، وہ سب دشمنوں یا سادہ لوح دوستوں کی گڑبھی ہوئی یا اور ٹائی ہوئی باتیں ہیں۔ اس معاملہ میں بھی قرآن مجید کو ہی نصب العین رکھو۔ اور اسپر ایمان لاؤ کہ نبی ہمہ تن قرآن مجید تھے، آپ کے کل اعمال قرآن مجید کی تعمیل کامل تھے۔ بیبیوں کے ساتھ بھی آپکی طرز معاشرت عاشرواھن بالمعروف کی تصویر عکسی تھی۔ عاشرواھن بالمعروف کی وسعت اک گونہ غیر محدود احاطہ گیر ہے ہوئے ہے۔ اسلئے فاضل باتیں فضول ہیں۔

اے لوگو! سوچو اور سمجھو جس طرح کل عیش و آرام اور کل دنیاوی چیزوں سے تمتع کا دائرہ آپ پر تنگ تھا اگر نہ سونے کو آرام کا بستر نہ کھانیکو پیٹ بھر روٹی۔ اور ہر پے در پے فالتے، اور ادھر دشمن کی فوج خون کی پیاسی، مسلمان جنگ نڈر اور داغ از خالی، مومنین

تنگ حال کا بوجھ سر پر، منافقین مار آستین، اور مشرکین و اہل کتاب دشمن در بغل
یہ دنیا بھی عجب تماشا قدرت ہے۔ بادشاہ دو جہان اور یہ حال۔ محبوب بل لعلین
اور اتنے جنجال۔ اور پیر صبر اور شکر مطلوب، امیر نہ کبھی آہ دل سے نکلی، نہ کبھی فغان لب پر
آیا، نہ گلہ، نہ شکوہ، ہمیشہ خوشدل، ہمیشہ خوش حال۔ اے خدا میری ناشدنی
جان بھی تو اس قابل نہیں کہ ایسے رسول پر فدا ہو۔

اسی طرح نکاح کے معاملہ کو خیال کرو۔ آپنے دنیا کی چیزوں سے کیا دل چسپی لی۔ قوم تو سیکڑوں
بیدیاں کرتی رہی، اور آپنے شباب میں نکاح بھی کیا تو ایک بیوہ عورت سے۔ جب سن اوڑھا، اور
رسالت کی خدمت سپرد ہوئی تو ضرور توں نے کئی شادیوں پر مجبور کیا جو بیان کیا جائیگا
ذرا اسکو بھی تو خیال کرو کہ سارے مسلمانوں کو خدا نے محرمات کی فہرست ہی کہ رحمت
علیکم الخ (النساء ۷۱) اتنی عورتیں تم پر حرام کی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے
حلال عورتوں کی فہرست دی کہ یا ایہا النبی انا احللنا لک اسن واجدک التی الخ
(احزاب ۷۱) اے بنی تم پر مفصلہ ذیل بیبیاں حلال کی گئیں۔ وہ جبکہ تم سے چکے ہو،
مان باپ کے بھائی بہن کی بیبیاں جو مہاجرات سے ہوں، اور وہ عورت جو اپنے کو ہبہ
کر دے بشرطیکہ تمہاری بھی رضا ہو۔ مسلمانوں کو محرمات کی فہرست کہ دنیا جہان کی
عورتیں خدا نے حلال کر دیں کہ احل لکم ما وراہ ذالکم (النساء ۷۱) اور آنحضرت
کی نسبت دائرہ تنگ کر دیا گیا کہ لا یحل لک النساء من بعد۔ اب آپکے لئے عورت
حلال نہیں۔ (احزاب ۷۱) مسلمان بیکے وقت چار بیبیوں کے مجاز کئے گئے، اور
نبی کے لئے آئندہ نکاح ہی ناجائز ہوا۔ ذرا تنگی دائرہ کو دیکھتے جاؤ۔ اگر آنحضرت کی
بیبیاں انتقال فرما جائیں تو آپکو مجرمانہ زندگی بسر کرنی ہوتی، اور مسلمانوں کی بیبیاں

مرقی رہیں اونکی راہ بند نہیں۔ ایسے احکام سے کھلا کھلا آپکی بے نفسی اور ترکیہ نفسی کا اظہار ہے نہ نفس پرستی کا۔ مگر بدین کی نگاہوں پر پتھر پڑ گئے ہیں اور سمجھنے ہی کے نہیں لہم قلوب لا یفقہون لہا ولہم اذان لا یسمعون بہا ولہم اعین لا یمسرون بہا اولیک کا الانعام بل ہم اصل

قرآن مجید میں خدا نے کہیں نہیں فرمایا کہ بنی کیلئے نو بیبیاں جائز۔ ہاں جب شاعت اسلام کا بوجہ سر پر تھا، تو آپکو نوبت جان بازی کی پہونچی، جان پر بھی کھیلے

مسلمان بھی جان باز ثابت ہوئے، مال و اولاد بلکہ اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ ایسوں کی بیبیاں بے کس ہو گئیں، بے بس ہو گئیں، جس کا کوئی پرسان حال نہ رہا، اور ان کا بوجہ اوٹھانچا۔ بے پناہوں کو پناہ دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہو سکتا تھا، مسلمانوں تو دنیا تنگ ہو رہی تھی، آپنے انکو امہات مومنین بنا کر دنیا و دین میں اونکی عزت افزائی فرمائی۔ اسی لئے ایک کے سوا اپنے سب شادیاں مطلقہ سکین۔ یہ شادیاں مجبور یوں سے ہوئیں اور رحمدلی سے، کہ شوہر کی جگہ انکو شوہر ملا جو خدا کا رسول ہے اور اولاد کی جگہ انکو سارے مسلمان ملے۔ اور ایسی شادیوں کی بھی ضرورت پڑی جن سے مسلمانوں کو اور اسلام کو تقویت پہونچے، اور تقویت پہونچی بھی، جب نو بیبیاں ہو گئیں، اور اسلام کا دائرہ بھی وسیع ہوا، مسلمانوں کا حال بھی درست ہوا تو آئندہ نکل کر ناہی ممنوع ہوا۔

عورت کا اپنے کو ہبہ کر دینا ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول کو مزید رخصت دی گئی تھی، حالانکہ یہ دشواریوں کا پہاڑ ڈالا گیا تھا جسکو اوٹھانا قوت نبوت ہی کا کام تھا، کیونکہ اہل اسلام میں حیثیت محبتوں کی گھٹائیں چھا رہی تھیں، ایسی عورتیں ہو سکتی تھیں اور ہوتی تھیں جن کے بیٹے جتنے شوہر جہاد میں شریک ہوئے، اور بیک سب

شہید ہوئے جنہوں نے اپنے سب کو ہی قربان کر دیا، اون کے پاس اب اپنی ذات کے
 سوار ہا کیا تھا۔ اون کیلئے اب چارہ کار سوائے اسکے کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی ذات ہی کو
 رسول کے حوالہ کر دیں، اونہوں نے اپنے ہی کو بہہ اور قربان کیا (لے اللہ ایسے ایمان کی ایک
 چھینٹ پھر سے برسا دے) ایسی عورتوں کو اگر آپ دوسرے کو حوالہ فرماتے، تو اس وقت وہ تنگی
 کا زمانہ تھا کہ مسلمانوں پر اپنا ہی پیٹ پالنا مشکل تھا، بی بی کا نفقہ چلنا تو مشکل تر تھا۔ ایسی عورتوں کے
 ساتھ کوئی مسلمان ان کے زخم دل کا انداز کر سکتا تھا بجز اسکے کہ اون کو بی بی اور مسلمانوں کی
 مان بنا کر دونوں جہان میں اون کی عزت افزائی کی جائے، جو خدا نے ان وہبت نفسہا
 للنبیٰ فرما کر اون کی عزت بڑھائی اور اون کی قدر و منزلت کی۔ اسی لئے سب کی حالت میں
 رسول کی رضا کی قید لگائی گئی کہ ان اسرار الدینی ان یستلکھا تا کہ نفقہ کا بوجھ ناقابل
 برداشت نہ ہو جائے۔ اب سوچو کہ یہ مزید رخصت ہے یا سر پر بوجھ ڈالا گیا ہے۔
 نفس پرستی کی تو کمین پر سے باس تک نہیں آتی۔

قانون فطرت کے مطابق نجات کی ہدایت خدا نے فرمادی، جذبات فطریہ کے مطابق
 اور اون کو بے راہ روی سے روکنے کے قوانین بھی اس نے دیدے۔ مگر جس طرح انسان
 صورت میں نیزنگ ہو، اسیرت میں بھی نیزنگ ہے۔ آنکہ ناک سب کو ہیں، مگر صورت مختلف۔
 جو اس عقل سب کو ہیں، مگر سیرت مختلف۔ پھر اگر یہ ظاہری اور باطنی اختلاف زمین و
 میں محدودی و اتفاق، یک رنگی و ہم رنگی نہ پیدا کرے، اور رگڑے جھگڑے ڈال کر
 تمدن کے لہلہاتے ہوئے چین کا تاس کر ڈالے، تو کیا وہ گھرانہ تباہی کے حال میں
 چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہنم میں پڑا جلا کرے۔ تو خدا نے اس کی راہیں بھی کھول دی ہیں
 اور طلاق و خلع کے متعلق احکام و ہدایات دیکر عورت و مرد دونوں کے لئے

راہ نجات نکال دی ہے۔

فَامَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِيْ اُنْزِلَ

وَالْقُرْآنَ كَلَامَ اللّٰهِ

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

كَالِهٖ اٰهَ اللّٰهِ

طلاق و خلع و ایلا و ظہار

کتاب الطلاق دین اللہ نہیں ہے۔ طلاق کے متعلق مفصل احکام قرآن مجید میں ہیں۔
تو جتنا کچھ ہے وہی دین اللہ ہے۔

مسئلہ طلاق بھی اک قدیمی مسئلہ ہے۔ چونکہ یہ دینی اور اسلامی ہی، اسلئے طلاق کی اصطلاح بھی کوئی نئی اصطلاح نہیں۔ موجودہ توریت میں بھی طلاق کی نسبت حکم و ہدایت موجود ہے چونکہ صلوات کی طرح یہ بھی محرف ہو گیا، اس لئے خدا نے اس کا فیصلہ کر دیا۔ اور چونکہ اسلام آخری میں بھی اس مسئلہ کے متعلق خفیف سا اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اسلئے مجھے بھی قرآن مجید سے اس کا فیصلہ دکھانا چاہئے۔

طلاق کوئی محمود چیز نہیں بلکہ یہ مجبوری کی چیز ہے، مگر یوی سے بنتی ہی نہیں، اور دنیا جہنم ہو رہی ہے، ایسی حالت میں طلاق سے راہ نجات نکالی جاسکتی ہے۔ اسی لئے اس حکم طلاق میں خدا نے فرمایا ہے، وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا۔ جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے تو اللہ اس کے لئے راہ نجات پیدا ہی کر دیتا ہے۔ (الطلاق ۱۱)

سورہ طلاق کا پہلا رکوع پڑھ جاؤ۔ لِمَا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ عَلَّمَ حَسَبًا۔ کہ جس طرح تم عورتوں کو طلاق دینی چاہو، تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو، اور عدت شمار کرتے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار

ہے۔ اونکو طلاق کے بعد گھر وں نہ نکالو نہ خود بھی وہ نکلیں، مگر یہ کہ وہ کوئی صریح بے حیائی کا کام کر نہیں
یہ اللہ کی حد بن ہیں، جو حدود اللہ سے تجاوز کرے تو بیشک اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تم
نہیں جانتے شاید طلاق کے بعد کوئی بات خدا پیدا کر دے۔ جب تین اپنی عدت کو پونچھیں تو
یا تو اونکو خوبی کیساتھ رکھ لو (یعنی رجوع کر لو) یا انکو خوبی کے ساتھ جبراً ہی کر دو اور دو معتبر
شخص کو گواہ کر لو (جیسے انعقاد نسلح کے وقت گواہ کی ضرورت ہے ویسی ہی عقد توڑنے
کے وقت بھی) اور گواہی خدا کیلئے قائم کرو، یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو خدا و آخرت
پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جو خدا سے ڈرتا رہیگا تو خدا اس کے لئے نجات کی راہ نکال دیگا، اور
اوسکو وہ وہاں سے رزق پہنچائیگا جہاں اوسکو گمان بھی نہ ہو۔ اور جو خدا پر بھروسہ رکھتا ہے
تو خدا اوسکو کافی ہے، بیشک اللہ اس کا کام پورا کر نیوالا ہے۔ اور اللہ نے ہر چیز کا اک نذرہ ٹھہرا رکھا
ہے۔ اور تمہاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو گئیں اگر تمکو اس کا شبہ ہو تو اونکی عدت تین
مہینے ہیں۔ اور اونکی عدت بھی جبکو حیض کی نویت نہیں آئی۔ اور جبکو حمل ہووے گی عدت وضع حمل ہو۔ اور اللہ سے جو
ڈرتا رہتا ہے تو اللہ اس کا کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس تمہاری طرف
نازل فرمایا۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہیگا، اللہ اس کی برائیاں دور کر دیگا، اور اوسکو اجر عظیم
دیگا۔ مطلقہ عورتوں کو رہنے کے لئے گھر دوا جہاں تم خود رہو، اپنے مقدر کے موافق۔ اور اونکو
ایذا نہ دو کہ لگو تم اون پر تنگی کرنے۔ اگر وہ حاملہ ہوں تو تا وضع حمل اون کا خرچ اٹھاتے رہو۔
پھر اگر وہ تمہاری خاطر دودہ پلائیں تو اونکو اونکی اجرت دو۔ اور آپسکی صلاح سے دستور کے
موافق اجرت منفع کر لو۔ اور اگر آپس میں جھگڑو تو اور کوئی عورت سچہ کو دودہ پلائے۔ چاہے کہ
وسعت والا اپنی وسعت کے موافق خرچ کرے، اور جو تنگ روزی ہو وہ اوس کے مطابق جو
خدا نے اوس سے دے رکھا ہے۔ خدا کسی کو اس سے زیادہ جو اس نے اوسکو دے رکھا ہے تکلیف نہیں دے

دیتا۔ عنقریب خدا تنگ دستی کے بعد فراح حالی پیدا کر دیگا۔ (الطلاق ۱) ذرا خلاق فطرت کے اسرار کو خیال کرو، اوس نے فرمایا کہ ”شروع عدت میں طلاق دو، کیونکہ اسی لئے کہ حیض کے بعد سب جان وقت ہوتا ہے، اوس وقت عورت راضی کر لیگی۔ اوس نے فرمایا ”مطلقہ عورتوں کو رہنے کے لئے گھر دو، اور گھر سے نہ تم نکالو نہ وہ خود نکلیں“ یہ کیونکہ اس لئے جیسا کہ اوس نے فرمایا **لعل الله يحدث بعد ذلك امرا**۔ تم کیا جانو شاید اس کے بعد خدا کوئی بات پیدا کر دے یعنی اول گھر میں رہنا دونوں کے پہلے ربط و ضبط کا پھر محرک ہو، اور کھونیکے بعد چیز کی قدر بڑھ جاتی ہے، اس لئے رجوع کر نیکے موافقات حاصل رہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح سناخ کے وقت شاہدین عادلین ضروری ہیں، اوسی طرح طلاق کے وقت بھی شاہدین عادلین ضروری ہیں۔ **واشھدا واذی عدل منکم**۔ ان ہدایات سے خدا کی مرضی صاف صاف کھلی ہوئی ہے، کہ طلاق اک مجبوری کی چیز ہے، گھر و نہا بنائیں کی نہیں۔

والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قراوع ولا یحل لهن ان یتکلن ما خلقت الله فی ارحامهن ان کن یؤمن بالله والیوم الآخر ما یقولن احق برءن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللمعجال علیهن درجہ ما والله عزیز حکیم ۵ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض روکے رہیں۔ اور ان کو اپنا حمل چھپانا جائز نہیں اگر وہ خدا اور آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور اس مدت میں ان کے شوہر زیادہ حقدار ہیں کہ رجوع کر لیں اگر اصلاح کی نیت ہو۔ مردوں پر عورتوں کا حق ویسا ہی ہے جیسا عورتوں پر مردوں کا حق ہے۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے۔ اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔ (بقرہ ۲۲۱)

واذا طلقتم النساء فلیخن اجلن فامسکوهن بمعروف اوسر حوهن

بمهر و ف ولا تمسکو هن ضرا اسر التعتد وا۔ جب عی رتوں کو تمنے طلاق دیدی، اور ان کی
عدت پوری ہو گئی تو یا رجوع کر لیا یا خوبی کیساتھ اونکو رخصت ہی کر دو۔ اونکو ستائیکے لئے روک
نہ کہو کہ لگو اون پر زیادتی ان کرنے۔ (بقرہ ۲۹۱)

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تفضلوهن ان ینکحن اسر واجهن اذا
تراضوا ینھن بالمهر و ف۔ جب تم اپنی بی بی کو طلاق دیدو، اور عدت پوری ہو جائے،
تو انہیں اس بات روکو نہیں کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں، جب وہ آپس میں
جائز طور پر راضی ہو جائیں۔ (بقرہ ۲۹۱)

سورہ بقرہ کی ان تینوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت کے اندر مرد طلاق سے رجوع کر لے تو وہ
اس کا حقدار ہے، اگر نیت بخیر ہو، بعد عدت اونکو روکے نہیں، یا رجوع کر لے، یا رخصت ہی کر دے۔ یعنی
بعد عدت رجوع کرنا عورت کی رضا سے ہوگا، اگر وہ جانا ہی چاہے تو روک نہیں سکتے تیسری آیت واضح
کر دیا کہ بعد عدت اگر وہ کسی نکاح کرنا چاہے تو روک نہیں سکتے۔ عدت میں اور بعد عدت رجوع کرنا فرق ظاہر ہو گیا۔

الطلاق صرٹن فامساك بمهر و ف او تسر یح باحسان و ولا یحل لکم ان تلخذوا
مما ایتیموهن شئاً الا ان یخافا الا یقیماحد و الله فان خفتم الا یقیماحد و الله
فلا جناح علیہما فیما افتدت به طلاق حد و الله فلا تعتدا وھا ومن
یتعد حد و الله فاولئک هم الظلمون ھ فان طلقھا فلا تحل لھ من بعد
حتی تنکح زوجاً غیرہ ھ فان طلقھا فلا جناح علیہما ان یتراجعا ان ظنا
ان یقیماحد و الله وتلك حد و الله یبینھا القوم یعلمون ھ طلاق دوسری
مرتبہ ہے، تو یا بھلائی کے ساتھ رجوع کر لے، یا بسلوک رخصت کر دے۔ اور تمکو
یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تمنے اونکو دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لے لو مگر اس وقت کہ دونوں

خائف ہوں کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اگر تم کو اس کا خوف ہو تو اس صورت میں کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت کچھ بدلا دیدے۔ یہ حدود اللہ میں تو ان سے تجاوز نہ کرو جو تجاوز کر چکا وہ ظالم ہے۔ پھر اگر اس نے طلاق دیدی یعنی تیسری مرتبہ تو اب عورت حلال نہوگی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر اس دوسرے شوہر نے طلاق دیدی، تو اب سہین کوئی مضائقہ نہیں کہ پہلا شوہر رجوع کر لے، اگر دونوں یہ گمان کرتے ہوں کہ حدود اللہ قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کے باندھے ہوئے حدود ہیں، جنکو وہ سمجھ رہا کے لئے کھول کر بیان فرماتا ہے۔ (فقہ ۱۹۷۷ء)

طلاق دومرتبہ ہے کہ اس میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ ایک مرتبہ طلاق دی پھر رجوع کر لیا، پھر ثبوت طلاق کی پہونچی، پھر رجوع کر لیا، تو یہ کر سکتا ہے۔ پھر تیسری مرتبہ اس نے طلاق دی، تو اب وہ رجوع نہیں کر سکتا، جب تک وہ دوسرے مرد کی مطلقہ نہوے۔ یہی قرین انصاف ہے جو تین دفعہ طلاق دے چکا وہ اعتماد کے قابل نہ رہا کہ رجوع کر چکا تو بحسن سلوک نباہ بھی لیگا۔ اسے اسکی بھی بندش مقصود ہی کہ بیک وقت تو چار بیویاں جائز ہیں اب اگر کوئی آٹھ بیویاں کرے اور پھر بد لکچر چار کو ہمیشہ مطلقہ رکھے تو یہ عورتوں پر صریح ظلم ہے۔ اسلئے خدا نے اسکی بندش کر دی کہ تیسرے طلاق کے بعد مرد رجوع ہی نہیں کر سکتا۔

عرائش کے معنی دومرتبہ طلاق کے ہیں۔ اس کے معنی نہیں کہ ایک دفعہ طلاق کو تو ایک طلاق، دو دفعہ کو تو دو اور تین دفعہ کو تو تین ہو جائیگی۔ یا ایک جلسہ میں طلاق کو تو ایک طلاق، دو جلسوں میں کو تو دو، تین جلسوں میں کو تو تین طلاق ہو جائیگی۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ ہم تین طلاق دیتے ہیں یا پچاس طلاق دیتے ہیں تو طلاق ایک ہی

مرتبہ ہوگی۔ رجوع کر لے اور پھر طلاق دے تو دوسرے مرتبہ طلاق ہوئی پھر رجوع کیا اور پھر طلاق دی تو یہ تیسرے مرتبہ ہوئی نہ طلاق کے واسطے خدا نے الفاظ ہی مقرر کر دیے ہیں۔ نہ اس کے لئے عربی فارسی اور دکن کی کوئی قید ہے۔ کسی زبان میں طلاق دی جائے مگر نیت طلاق کی ہو اور وہ نیت کسی لفظ سے ظاہر ہو تو طلاق ہو جائیگی۔ اسی طرح رجوع کر نہیں نیت اصلاح کی ہونا ضرور ہے۔ یہ نہیں کہ طلاق دیتے رہو اور رجوع کرتے رہو اور یوں عورتوں پر ظلم کرتے رہو کہ وہ مردوں سے محروم کر دی جائیں۔ نہ یہ کہ آٹھ سیبیاں گرو کہ پھر بدل کر چار تو سیبیاں رہیں اور چار مطلقہ۔ اسی لئے خدا نے رجوع کر نہیں اصلاح کی قید بھی لگائی کہ نیت اصلاح کی ہو۔ اسی لئے اس نے تیسری مرتبہ طلاق کے بعد رجوع کرنا ممنوع کر دیا، جب تک اسے دوسرے کی مطلقہ نہ ہو لے۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تضوا لهن فریضۃ و متعوهن علی الموسع قدسہ و علی المقتور قدسہ متاعاً بالمعروف حقاً علی المحسنین ۵ وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقدس فرضتم لهن فریضۃ فصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیدلۃ النکاح ط وان تعفوا اقربا للتعوی ط ولا تنسوا الفضل بینکم ان الله بما تعملون بصیر ۶
بے ہاتھ لگائے اور مہر مقرر کئے ہوئے تم عورتوں کو طلاق دو تو کوئی گناہ نہیں، لیکن ان کو کچھ خرچ دیدو۔ تو نگہ کو تو نگہ کی طرح اور غریب کو غریب کی طرح دستور کے مطابق کچھ خرچ دینا چاہیے نیکی کرنا والوں پر یہ حق ہے۔ اور اگر ہاتھ لگانے سے پہلے تم نے ایسی عورتوں کو طلاق دیا جس کا مہر مقرر نہ کر چکے ہو تو اس کا نصف دینا ہوگا۔ سوا اس صورت کے کہ وہ عورتیں یا جن کے ہاتھ میں عقد نکاح تھا معاف کر دین۔ اور اگر تم پورا دے ڈالو تو یہ پرہیزگاری کے زیادہ

قریب ہی۔ ایک دوسرے پر احسان کرنا بھول نہ جاؤ تمہارے اعمال کو اللہ ضرور دیکھتا ہی
(بقرہ ۱۷۷)

یا ایہا الذین آمنوا اذ انکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن
فما لکم علیہن من عداۃ تعدوا لہن ما فتمتھوهن ویرسوهن سر احابمیلادہ مہنوا
جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر انکو قبل چھوٹنے کے طلاق دو، تو تمہارا اون
عورتوں پر یہ حق نہیں ہے کہ تم اون سے عدت کی گنتی پوری کر لو، تو انکو کچھ دیدو، اور خوش
اسلوبی سے رخصت کر دو۔ (احزاب ۴۱)

طلاق کے متعلق اور احکام و ہدایات بھی قرآن مجید میں ہوں گے تو قرآن مجید ہی موجود
اور وہ احکام و ہدایات ربانی کے لئے بہت کافی اور مفصل ہے۔ اتنی تفصیل پر بھی جو بیان
کی گئی قرآن مجید کو مجمل کہنا ظلم ہے۔ بس کچھ خدا نے فرمایا یہی دین اللہ ہے اور فاحکم بینہم
بما انزل اللہ

خلع۔ لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموهن شئاً الا ان یخافا الا یتیمیا
حدود اللہ فان خفتم الا یتیمیا حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افدت
بہ طلتک حدود اللہ فلا تعدوا واما ومن یتحد حدود اللہ فاولئک
ہم الظالمون ۱۵ تم جو عورتوں کو دے چکے ہو اور ہمیں سے تمکو کچھ بھی واپس لینا جائز نہیں
مگر یہ کہ زن و شو کو اس کا خوف ہو کہ خدا نے زن و شو کے حقوق و سلوک کی جو حدیں ٹھہرا دی ہیں
اون پر قائم نہ رہ سکیں گے، تو اس صورت میں عورت اپنا پیچھا چھوڑانے کے عرصہ کچھ نے
نکلے تو اس میں دروڑوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ حدود اللہ ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو۔ جو حدود
اللہ سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔ (بقرہ ۲۱۶)

خلع شوہر کو کچھ دے کر شوہر سے طلاق لینا ہے۔ خدا نے مردوں کے لئے یہ راہ کھول دی تھی کہ اگر مرد کے لئے بی بی کے سبب سے اسکی دنیا جہنم ہو جائے تو وہ طلاق سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مرد کے سبب سے عورت کی دنیا جہنم ہو جائے تو خدا نے عورت کے لئے بھی یہ راہ کھول دی ہے کہ وہ کچھ مال دیکر خلع سے نجات حاصل کر سکتی ہو۔ خدا تو سب کا ہی خدا ہی جیسا مرد کا ویسا ہی عورت کا۔

طلاق فطرت کی نگہداشت فطرت کو دیکھو کہ چونکہ عورتین فطرتی کمزوریوں کے سبب مغلوب الغیظ اور جلی ہوتی ہیں نازک مزاج اور زود بخ ہوتی ہیں۔ کینہ رکھنے والی اور مال کی حرص ہوتی ہیں چونکہ حاصل کرنا نہیں بلکہ لینا ہی جانتی ہیں۔ اسلئے خلع میں عورت کو کچھ مال گناٹھ سے نکالنا پڑتا ہے۔ اگر مرد خلع پر راضی نہ ہو، وہ مال کی مناسب مقدار قبول نہ کرے، اگر امام یا اسلامی قاضی نہ ہو، تو یہ مقدمہ از روے دفعہ قانون الہی فان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکماً من اہلہ و حکماً من اہلہا الخ کے ثالثی میں جائیگا۔ ایک آدمی مرد کے کنبہ کا اور ایک عورت کے کنبہ کا ملکہ فیصلہ کر دیں گے۔ یا تو دونوں میں صلح کر دیں گے یا خلع کر دیں گے۔

آیلا۔ الذین یولون من نساءہم تریب امر بعة اشھرا فان فاء و افان اللہ غفور رحیم وان عمر ہوا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔ جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانیکی قسم کھا بیٹھیں، اونکو چار مہینے کی مہلت ہو، اس مدت میں اگر رجوع کر لیں تو اللہ غفور رحیم ہی (یہ غلطی معاف کر دیگا) اور اگر طلاق ہی کی ٹھان لیں تو اللہ سمیع و علیم ہے (اون کا طلاق دینا بھی منظور۔ خدا نے سن لیا) (بقرہ ۲۲۸) پس بلا اسی قدر اسکو سوالات کے اک کتاب بنانیکی ضرورت نہیں۔

ظہار۔ ما جعل انما واحکمہ اللہ تعالیٰ تظہرون منہن امہتکم وما جعل اذعیاءکم ابناکم ذلکم قولکم یا فواہکم واللہ یقول الحق وهو یصدی السبیل۔ نہ خدانے تمہاری بیبیوں کو جن سے تم ٹھہار کر لیتے ہو تمہاری ماں بنا کر اور نہ تمہارے لئے پالکوں کو تمہارے بیٹے۔ یہ تمہاری منہ بولی باتیں ہیں۔ اللہ تو حق بات فرماتا ہے اور لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے (احزاب ۱۱) یہ پورا کوع دیکھ لو قرآن مجید موجود ہے۔ یہاں پر نقل کرنا حق کی طوالت ہے۔ ظہار کی اصطلاح عمل متواتر اور تاریخ مذہبی سے یہ پائی جاتی ہے کہ لوگوں میں یہ رسم تھی کہ وہ غصہ میں بیوی کو کہتے کہ تیری بیٹی میری ماں کی بیٹی کی جگہ ہے یا کسی عضو کو کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دیتے، یعنی تو میری ماں کی جگہ ہے، اور اسکو طلاق سمجھتے تھے۔ خدانے فرمایا کہ یہ طلاق نہیں، کسی کو ماں کہنے سے وہ ماں نہیں ہو جاتی نہ کسی کو بیٹا کہنے سے وہ بیٹا ہو جاتا۔ اسلئے جس طرح منہ بولے بیٹے کی بی بی داخل محرمات نہیں ہوتی، اوسی طرح ماں کہنے سے بی بی ماں ہو کر حرام نہیں ہو جائیگی۔ ماں ایسا کہنا مان کیسا کہنے والے اور خلاف تہذیب ضرور ہے، مستوجب سزا۔ تو اسکے بعد کی آیت میں خدانے فرمایا کہ ایسا کہنے والا قبل بی بی کے پاس جائیکے ایک برہ آزاد کرے۔ یہ نہ ہو سکے تو لگاتار دو مہینے روزے رکھے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حدود اللہ ہیں تو انکو نہ توڑو۔ خلاف تہذیب باتوں کی سزا دیکھو، اور سالا بہنوں کی تفریح اور رگالی گلوچ سے احتیاط کرو۔ یہ خلاف تہذیب ہے، غیر مذہبون کی رسم۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

سارقہ

خدا نے فرمایا۔ السارق والسارقہ فاقطعوا یدہما جزاء بما کسبا کلا منہ
 اللہ واللہ عنہ نیکم ۵ فمن تاب بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ
 ان اللہ غفور رحیم ۵ چور مرد ہو یا عورت اوس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو، سزا دو بمقابلہ
 اوس جرم کے جس کے وہ مرتکب ہوئے۔ یہ سزا خدا کی طرف سے ہے۔ اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔
 اور جس نے چوری کر نیکی بعد توبہ کر لی اور وہ توبہ کو نہا بھی لے گیا تو اللہ ہی توبہ قبول کرے خواہ
 اور غفور و رحیم ہے۔ (مائدہ ۵۸) یہ حکم مجمل قرار دیا گیا کیونکہ یہ تو سیل ہی نہیں کہ کتنے مال کی
 چوری میں یہ سزا ہے۔ دوسرے یہ بھی نہ بتایا کہ رایان ہاتھ کاٹا جائے یا بایان۔ تیسرے یہ بھی
 نہیں معلوم ہوا کہ فاقطعوا کا مخاطب کون ہو۔ تو اسکی تفسیر و تفصیل کی کئی حدیث کی کتاب و
 اجماع امت سے۔ یوں یہ آیت اختلافوں کی رزمگاہ اور طبع آزمائیوں کی تماشاہ میں لگئی
 پھر اسکی نمائش بھی دیکھنے ہی کی ہو۔ میں آوروں کی رائیں اور مباحث لکھ کر کتاب کی حجم
 کیوں بڑھاؤں۔ اماموں کی رائے لکھ دینی چاہتا ہوں۔ ہمارے امام اعظم رحمہ کے نزدیک
 دس درجہ کی چوری میں ہاتھ کٹیں گے۔ حضرت امام شافعی رحمہ کے نزدیک ربع درجہ میں۔
 حضرت امام مالک رحمہ کے نزدیک تین درجہ میں۔ سب حدیثیں بیان کیں۔ اور اپنی حدیث کو صحیح
 اور دوسرے کی حدیث کو غیر صحیح مانا۔ اور سب قرآن کو حدیث سے امتواتر کو غیر متواتر سے پابند و
 محدود کیا قرآن تو مجمل ٹھرا، اور حدیث ایک دوسرے کے نزدیک غیر صحیح، تو بتاؤ کہ حکم
 خداوندی کی تعمیل کس طرح ہو۔ معلوم نہیں کہ خدا نے ایسا مجمل قرآن نازل ہی کیوں کیا تھا۔
 اماموں نے بھی غیر صحیح حدیثوں سے سند لی، اور اجمال قرآن قطعی طور پر نہ کشف نہ ہو سکا تو اب

پناہ کمان رہی۔

میری سمجھ میں ایسا تو ہو نہیں کہ جب اسلام آیا، چوری بھی آئی۔ پہلے سرقہ کو کوئی جانتا نہ تھا۔
یہ سکھایا اسلام نے۔ بلکہ سرقہ وغیرہ جرائم تو ہمیشہ سے ہوتے آئے اس لئے لوگ سرقہ وغیرہ کی اطلاع
سے واقف تھے۔ جب قف تھے تو خدا نے سرقہ کی سزا بتادی۔ اسمین اجمال کیا ہوا۔ ایک
خرما کی چوری چوری نہیں ہو غلطی ہے۔ جب ایسی مقدار ہو کہ اسکو زبان زد عام میں سرقہ
کہا جائے تو سرقہ کی نسبت خدا کے تین احکام ہیں۔

۱۔ انتہائی سزایہ ہو کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ فاقطعوا یدایہما یہ سزایہ بعض مال نہیں بعض حرم
۲۔ درمیانی سزایہ ہو کہ جزا دو چور کو بمقابلہ اس کے جو اس نے جرم کیا (جان و ہم) جزا اؤ بما کسبا
۳۔ ابتدائی سزایہ ہو کہ جس توبہ کی اور توبہ کو نباہ لے گیا تو اس کا گناہ معاف۔ فمن تاب
من بعد ظلمہ واصلہ فان اللہ یتوب علیہ۔

چونکہ چوری اک سخت جرم اور سخت ظلم ہو جو مفدا میں اور مملکت جان مال ہو اس لئے
خداوند عالم نے بنظر تہدید انتہائی سزا سے ابتدا فرمائی کہ خوف سزا غالب رہے۔ ابتدا اؤ توبہ پیش
کرنا ہو جسکو آخر میں فرمایا۔ توبہ اقرار گناہ ہوا اور اقرار گناہ سے مال کے لمجائی کی بھی توقع ہو
تو اولاً مال لمجائیکے بعد زنا کامی اور توہین اقرار باعث ہو سکتی ہو کہ وہ توبہ کو نباہ لے جا
اور اقرار گناہ اور توہین خود اک سزا بھی ہو گئی۔ لیکن اگر وہ پھر مرتکب سرقہ ہو یا توبہ ہی
نہ کرے، تو اسکو لئے درمیانی سزا ہے۔ یعنی جیسا جرم ویسی سزا۔ جزا اؤ بما کسبا جزا اؤ
نفسک، یعنی جان و ہما جزا اؤ بما کسبا۔ یا بمعنی متوا بلہ بھی آتی ہو۔ یعنی سزا اگر داؤن کی
بمقابلہ یا مطابق اوں کے کہ توبہ کے۔ اسکو قاضی اور حاکم کی رائے پر چھوڑا، وہ جرم کے
مطابق سزا دینا ممکن ہے کہ میں وہ کوڑے مارے، عینت لگائے۔ جیل میں بھیج دے۔ اونگلی

دو انگلی ہی کاٹنے کا حکم دے۔ جیسا جرم ویسی سزا۔ اگر مال کے ساتھ اوص جان کو نقصان پہونچایا، یا جسم کو بیکار کیا، تو قاضی اوس کے مطابق سزا دے گا۔ اگر پھر چوری کرے تو انتہائی سزا بعوض جرم سزا ہاتھ کاٹ ڈالنا ہو۔ البسارقین الف لام بمعنی الذی ہے یعنی الذی سرقات جس نے چوری کی۔ اور یکن ہاتھ کے جزو و کل سب کو بولا جاتا ہے تو اسکو بھی قاضی کی رائے پر چھوڑا کہ وہ انگلی ہی کاٹے، پہونچون تک کاٹے، کہنیوں تک کاٹے، موٹھوں تک کاٹے۔ جب تصریح نہ کی تو اسکے معنی ہیں کہ اسکو مجاز کیا۔ ہر مجاز فصل کو یا مصطلح الفاظ کو مجمل کہہ دینا کہ حکم معلوم ہی نہوا صحیح نہیں ہے۔

المختصر چوری کی سزا ابتداءً تو بہ پیش کرنا ہو۔ توہ اوس کے اصلاح حال کیلئے کافی ہوگا اور مدعی کا مال بھی مل جائیگا۔ دوسری دفعہ جیسا جرم ویسی سزا تیسری دفعہ پھر وہ چوری کرے تو جرم اور ادیسر اصرار وہ بھی جرم حق العباد تو اوس کے ہاتھ کاٹو۔ وہ اصرار کرتا جائے تم ہاتھ کاٹتے جاؤ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو۔ جو جسم سڑ جائے اوسے کاٹ دو تاکہ اوسکی سمیت سارے جسم کو نہ تباہ کرے۔ اسی طرح چور دست درازیاں کرتا رہو تو اوسکے ہاتھ کاٹتے جاؤ تاکہ اوس کے پاس چوری کا کہہ ہی نہ رہو۔ اور دلی تو بہ نہیں تو مجبوراً ہی تو بہ اسکو غضب ہو۔ وہ اپنے کو نہ بچائے تو خلق اللہ تو اوسکی آفت محفوظ رہو۔ اس سے بہتر عدل و انصاف کا اور کو نسا قانون ہو سکتا ہے۔

چوری کا جرم آجکل کے قانون سے نہ اتنا دہشتناک ہوگا۔ مال دنیا میں ایسا مرغوب محبوب ہو کہ دنیا کے سارے حیل و خیال تو اسی کے کرشمے۔ اسی کے چلتے آدمی عزت و آبرو دین و برباد سب کچھ کھو بیٹھتا ہے، خصوصاً اس مادی روشنی کے زمانہ میں۔ اگر مال مفت میں تھوڑے جو کم سے ہاتھ آجائے تو اس کا چمکاٹنے کا نہیں، جیسے سانکوں کے سوال کی عادت۔ اسلئے حکم تشدد کا

نہیں بلکہ اس سے زیادہ انصاف کا اعتدال تھا اصلاح تمدن / خداداد مٹانے والا دوسرا کوئی قانون ہو سکتا
 ہے کیا یہ حیران کن ہے کہ جو دہ دہاؤں کی بدولت جو جیسے کمینوں کیلئے جو جیسے کے کھانے کو سرکاری حیثیت سے
 اور جس نے چوری کا انفرادی ہوا ہو سکتا ہے۔ قانون تلاش کی حمایت میں مجرم پر رحم تو ہونا چاہیے مگر
 افسوس کہ وہ فریادی پر غور ہو جاتا ہے جو غلام جگر آ رہا ہے۔

ترجمہ بریلنگ تیز دندان سنگکاری بود برگزینندگان

خدا نے فرمایا تھا ان من اللہ۔ یہ سزا خدا کی طرف سے ہے۔ لیکن اس میں اللہ نے یہ سزا خداوندی
 برپا ہو۔ صاحب مال مدعی ہو نہو۔ اسلئے صاحب مال اپنا مال سوا کر سکتا ہے جو مگر اس مقدمہ
 میں وہ صلح کا مجاز نہیں ہو سکتا کیونکہ چور پر روایت کرتے سے غلط اور خطرہ میں رہ سکتی۔
 چوری کا انفرادی کم سے کم اتنا ہونا چاہئے کہ ”ہاک کے سووٹا کی صدائیں نہ اڑا
 اور امن و سکون میں فتنہ نہ ڈالے۔

چوری کے مسئلہ میں چونکہ نہایت رشورہ سے سختی اور وحشیانہ پن کا اعتراف کیا جاتا ہے
 اسلئے چند سطریں میں لکھیں تاکہ واضح ہو کہ نہ تعدل و انصاف کا اس سے بہتر کوئی قانون ہو
 ہے نہ قرآن مجید یا احکام الہی کو مجمل کسر کا کارہ کرنا صحیح ہو سکتا ہے، اور نہ قرآن
 مجید کو ہمیشہ کی کتاب یا اجماع کے الفاظ سے محدود کر دینا کوئی مجاز ہو سکتا ہے۔ بندہ
 کو بندگی لازم ہے نہ حکم میں اصلاح۔

فاموا باللہ و رولہ والنور الذی اوتلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

سزا

لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ و مباح مسیئۃ۔ زنا کے نزدیک نہ جاوے یہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے (یعنی اسرائیل علیہ السلام) اسے بھی مجھل کہہ دو کہ زنا کو خدا نے بتایا ہی نہیں۔ تو زنا تمہاری ہی ہے بول چال کا لفظ تو ہے۔ عربی ہی زبان کا لفظ تو کسی اور زبان کا نہیں۔ پھر جو کوئی اس فعل کا ترکیب ہو اس کی سزا کرو، اس کی اس کی سزا بتا دی ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا انک جلدۃ ولا تأخذکم بھما ساقۃ فی دین اللہ ان کنتمہ تو منون باللہ والیوم الآخر ولیشھدا عنہما ایضا طایفۃ من المؤمنین زانی اور زانیہ کو سو سو درے مارو۔ اور دین اللہ میں ان پر نرمی نہ برتو اگر تم کو خدا اور آخرت پر ایمان ہے (یعنی قیامت میں خدا تم سے اس کی نسبت باز پرس کرے گا) اور چاہئے کہ اونکی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو (نور علیہ السلام) اسے بھی مجھل کہہ دو تاکہ طبع آزمائیوں کے موقع ہاتھ آئیں کہ اولاً زنا معلوم نہیں کہ کونسی چڑیا ہے۔ پھر درجہ نہ بتایا گیا کہ کیا ہوا نہ یہ بتایا گیا کہ کس ڈگری کی طاقت سے وہ مارا جائے۔ یہ اجمال کہنا نہیں ایہ تو اندھیر ہے۔ لوگ زنا کو جانتے ہیں۔ کہا گیا زانی کو سو سو درے لگاؤ۔ درجہ بھی لوگ جانتے ہیں اور مارنا بھی۔ کہا گیا لا تأخذکم بھما ساقۃ فی دین اللہ۔ یعنی رحم کر کے نہیں بلکہ سزا اگر مارو جس سے سزا محسوس کی جائے طاقت کی ڈگری بھی بتا دی۔

اب لوگوں نے قرآن پر اصلاح دی، اور لگے خدا کی غلطیاں چتے، اور محسن غیر محسن ہیں اور معصیہ غیر معصیہ میں فرق نہ کرنے غیر محسن کو کوٹے کی سزا تجویز کی، اور محسن کیلئے ننگسار کا زیادہ تو ایک حکم جلد و آخر، اور سزا و سزا حکم ننگسار کا بھی نکالا جائے چونکہ ننگسار کا حکم فاحشہ مباحہ و مسیئۃ کے خلاف ہے چونکہ ننگسار کا حکم فاحشہ مباحہ و مسیئۃ کے خلاف ہے

اوحی الیہ کے خلاف ہو، اسلئے سنگسار کا حکم ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہو سکتا ایسی حدیث جو پائی جاتی ہے، وہ آپ کی نہیں۔ درے کی جگہ پر سنگسار کر دے تو خدا کا حکم اٹھ جائیگا عدول حکمی ہوگی، اور حدود اللہ ٹوٹ جائیں گے۔ سنگسار کا حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام احکام دین جما انزل اللہ دیا کرتے تھے۔

اگر الشیخ والشیخۃ اذا نیا فاسرجمواھا کو خدا کا کلام منزل مانو، اور رجم کا حکم اس آیت مفرودہ سے نکالو تو یہ ظلم ہے کیونکہ یہ خدا کے کلام کی کوئی آیت نہیں چونکہ ولما لاہ لحفظون کے خلاف ہے۔ اسلئے سوانح کے معنی محض کے نہیں ہیں۔

اس فرمان کی طرف بھی خیال کرو۔ فاذا احصین فان اتین بفاحشة فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب (النساء) یعنی ملوکہ۔ زانیہ کی سزا خدا نے نصف سزا محصنات قریبا، اور رجم نصف نہیں ہو سکتا۔ دوسرے خدا نے سارے گناہوں کو بتا دیا سب کی سزائیں فرما دیں۔ زنا کو بھی منع فرمایا، اسکی سزا بھی درے لگانا تجویز فرمادی۔ پھر یہ بھی تاکید فرمادی کہ درے مسلمانوں کی اک جماعت کے سامنے لگائے جائیں۔ یہ بھی فرمادیا کہ درے لگانے میں رحم نہ کیا جائے۔ ساری باتیں جزئیات تک تو مشرح بیان ہوں اور محض و محضہ کے لئے رجم کا حکم ہی رہ جائے، اور ایسا مہتم بالشان حکم۔

الذانی لا ینکح الذانیۃ او مشرکۃ والذانیۃ لا ینکحھا الاثران او مشرک وحریم ذلک علی المؤمنین۔ زانی زانیہ اور مشرکہ ہی سے نکاح کرے اور زانیہ سے زانی اور مشرک ہی نکاح کرے۔ مسلمانوں کے لئے ایسے تعلقات حرام ہیں (نور) کیونکہ الخبیثات للخیثین والخیثون للخیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہیں۔

نیکو کار عورتیں نیکو کار مردوں کیلئے اور نیکو کار مرد نیکو کار عورتوں کیلئے ہیں۔ یہ اصول ہے جو موجب برکات تمدن ہے۔ ورنہ دودھ میں ترشی ڈال دو تو دودھ بھٹ جائیگا۔ ایسا ملاپ تو اجتماع ضدین ہے۔

کسی پاک دامن کو زنا سے متهم کرنا تو زنا سے بھی بدتر ہے اور لوگ اس میں بے باک ہو گئے ہیں، اور اسکو جرم ہی نہیں سمجھتے خدا فرماتا ہو۔ والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة شہداء فاجلدواھم ثمانین جلدًا ولا یقبلوا الھم شہادۃ ایدہا اولئک ھم الفسقون ۵ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو انہیں اسی درجے مارو، اور اونکی گواہی کبھی قبول نہ کرو، یہی لوگ تو فاسق ہیں۔ (نور ۱۷) یہ کوئی معمولی جرم نہیں۔ سارے معاملات میں تو دو گواہ طلب ہوں اور ثبوت تہمت کے لئے چار گواہ۔ زنا کی سزا سو درجے اور اہتمام زنا کی سزا اسی درجے۔ میں درجے کم تو ہوئے، مگر وہ ہمیشہ کے لئے مرد و شہادت قرار دیا گیا۔ جو اک سخت ترین سزا ہے۔

اس کے سوا زنا کی تہمت لگانے والے پر خدا نے لعنت بھی کی ہو۔ ان الذین یرمون المحصنات الغفلت المؤمنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم۔ یوم تشھد علیھم السنۃ ایدھم واسجلھم ۵ پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر جو اہتمام لگاتے ہیں اون پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، اون پر بڑا سخت عذاب اور سزا ہو گا جس دن اونکی ذرا تین اور اونکے ہاتھ پاؤں اون کے خفاف اون کے اعمال کی گواہی دیں گے (نور ۲۳) مگر افسوس ہو کہ لوگ نہ خدا کی لعنت سے ڈرتے ہیں اور نہ اوس کے عذاب سے، اور متهم کرنے میں بے باک ہی نہیں، اونکو مزہ آتا ہو۔ یہ ہوا روشنی اس درشن تھاناریک

زمانہ کی۔

والذین یرمون انہم ولہم شہدۃ اءالا انفسہم فشاہدۃ احدہم
 اربع شہدات باللہ انہ لمن الصلحین ۵ والخامسة ان لعنت اللہ علیہ
 ان کان من الکذبین ۵ ویدرس رعنہا العذاب ان تشہد اربع شہدات
 باللہ انہ لمن الصلحین ۵ والخامسة ان غضب اللہ علیہا ان کان من الصلحین
 ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ دانت اللہ قواب حکیم ۵ جو لوگ اپنی بیہوشی پر تہمت
 زنا لکائین اور اور ان کے سوا دوسرے گواہ نہ ہوں، تو ہر ایسے شخص کے لئے شہادت یہ ہے
 کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں دفعہ کہے مجھ کو بولتا ہوں
 تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہے، اور چوتھ پر اسے حکم سزا اس طرح مل سکتا ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی
 قسم کھا کر کہے کہ ”یہ مرد جھوٹا ہے، انا اور پانچویں مرتبہ کہے کہ ”وہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب
 پڑے۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، اور یہ احکام تمہارے لئے نہ بیان کئے
 جاتے تو معلوم نہیں تمہاری خانہ داریوں میں کیا کیا فسادات ہوتے، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا
 اور واقف مصالح ہے (نور اللہ) ہر شخص پر گھر میں آنا جانا رہتا ہے، فرض کرو کہ اس نے
 اپنی بی بی کو مرتکب بدکاری پایا۔ تو دنیا کے سارے قوانین کے رو سے اسے گواہ لانا چاہیے
 مگر وہ عورت باز ازمین بیٹھی تو ہے نہیں کہ گواہ مل سکیں، وہ تو ایسے امن میں ہے کہ گواہ نہیں
 ملے، پھر یا تو جو گواہ بنا دیا اور اس کو اجازت دو کہ وہ شوہر کے سر پر بدکاری کرے، خدا نے
 اس کا راستہ ایسے سخت قسموں سے بتلایا جو اک طرح کا مبالغہ ہے، اور گویا خدا کی لعنت اور غضب
 کے سامنے مقدم پیش ہوتا ہے، اور اسی راہ سے اثبات جرم اور برائت دونوں کی
 راہ نکالی گئی ہے۔ ایسا باریک بین خدا جو ایسے جزئیات کو بھی دیکھ سکتا ہے وہ سنگسار کا

حکم بھول جائے یا کوئی حکم ایسا بھول دے جسکی تفصیل یہی خبر دیکھ کر ممکن اور محالات ہے۔

ثامنوا اللہ ورسوله والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

احکام مالی

مال کی بھی عجب نیرنگی ان میں ہے جان میٹھانی مخرج در آن نیست، در میٹھانی سخن در این است
مال ہی کی محبت کا نام دنیا ہے، اور حب الدنیا اس میں کل خطیئہ بہت صحیح کلیہ ہو۔ مال کی
محبت کے لیے کچھ کر شہ دنیا میں پہلے ہوئے نہیں ہیں۔ سارے خون خرابے دیکھو تو قریب
قریب کس ملک مال ہی کی بدولت ہیں۔ رشوت، چوری، مٹا کر، ہرنی، مقدمات، جہونی
گوہری، دغا بازی، فریب، وغیرہ وغیرہ سارا کچھ فساد و محبت مال ہی کی بدولت ہوتا رہتا
ہے۔ اہلب کاحیا، اخوت، شرافت، کیا کچھ مال پر قربان نہیں کیا جاتا۔ پھر اسی کے ساتھ
یہ بڑے کام کی چیز بھی ہے کہ سارے کام کا دار و مدار اسی پر پڑا ہے تو سارے کام بند۔ یہ
اگر نیرانی کی جڑ ہے، تو بہت کچھ بھلائی کر بنیاد بھی ہے۔ خدا کی دی ہوئی قوتوں میں ایک قوت
یہ بھی ہے۔ جیسے ہاتھ پاؤں، کان آنکھ، نزل و ملح، اگر ان سے اچھے کام لو تو یہ ساری
نیکیوں کا باعث ہیں، اور یہ بے کام لو تو ان کے ہر نفع سے نہ ہونا بہتر میری سمجھ میں بلاشبہ
مال بہتری نیکیوں کی جڑ ہے، مگر مال کی محبت بہتر سے غنا کی جڑ۔ اسلئے مال بری چیز
نہیں، مال کی محبت بری چیز ہے۔ مال حاصل کرنا اور ان کو بہترین مصارف میں صرف
کر واجہ خدائے تبارے ہیں، تو اس کا قیمت خرید سکتے ہیں، اور بہترین عبادت یعنی بہتر
خیر جاریہ کی بنیاد ڈال سکتے ہیں۔ اور مال کی محبت تو سراسر ظلم ہے، کیونکہ محبت نعم حقیقی کا

حصہ ہے، اسکو بے جگہ صرف کر دے تو اسی کا نام تو ظلم ہے۔ اسی لئے محبت مال پر غلبہ حاصل کرنا جہاد مالی مفروضہ خداوندی ہے۔ اور جہاد مالی جہاد جانی پر مقدم ہے۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ فرمایا ہے۔ **يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ بَاہِ وَاٰلِهٖم وَاَنْفُسِهِمْ**۔ جہاد مالی کو جہاد جانی پر مقدم کیا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا تھا کیونکہ مال کی محبت جہاد جانی کو گھٹایا ہونے نہ دے گی، اور ہمت و جان بازی میں تھے ڈالے گی۔ دوسرے جہاد جانی کے لئے تہیہ جنگ مقدم بھی ہے۔

جہاد کے معنی کوشش کرنے کے ہیں۔ تو جس جہاد میں جان کا معاملہ پڑے، اور قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہو، اسے میں جہاد کہوں گا۔ اور جس جہاد میں صفات مذمومہ جیسے دشمن سے مقابلہ ہو، یا صرف مال سے معاملہ پڑے، اسے میں مجاہدہ کہوں گا۔ تو جہاد کیلئے مجاہدہ مقدم ہے، اور مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بہر حال فضیلت ہے۔ **فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ** **بَاٰلِہٖم وَاَنْفُسِهِم عَلٰی الْقَاعِلِیْنَ** درجہ (النساء ۷۴)

مجاہدہ و جہاد کی آیتیں تو قرآن مجید میں اتنی ہیں کہ اس کتاب میں انکی سہائی نہیں ہو سکتی۔ اور ایسا بھی نہیں روا ہو گا کہ میں اس کے متعلق کوئی آیت بھی نہ دوں، ایک ہی آیت سہی۔ **خُذْ اَمْۤوَالَہٗ جَارٍ وَاَوْجَاہُہٗ وَافِی سَبِیْلِ اللّٰہِ** **بَاٰلِہٖم وَاَنْفُسِهِمَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ** **اُولَٰئِکَ ہُمُ الْفَائِزُونَ** **یُبَشِّرُہُمْ بِاَیْہِم بِرَحْمَۃٍ مِّنْہٗ وَرِضْوَانٍ** **وَجَنَّۃٍ لَّہُمْ**۔ جو ایمان لائے ہجرت کی، اور راہ خدا میں جان و مال سے کوشش کی، یعنی مجاہدہ و جہاد کیا، تو خدا کے یہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ اور یہی فائز المرام ہیں۔ خدا انکو اپنی رحمت، اپنی رضا مندی، اور جنت کی بشارت دیتا ہے۔ (توبہ ۴۱) خدا کی راہ میں

مال خرچ کرنا مجاہدہ اور مالی جہاد ہے۔ اور جس نے خدا کی ہدایتوں سے منہ پھیرا، اس کا مال کیا مال جمع کیا، اور سنت رکھا، تو جہنم کی آگ تو اویسکو پکارتی ہے۔ قد عوامن ابوہو
تونی و صحیح فادعی (معارج ۱۷)

غرض مجاہدہ و جہاد مالی کے متعلق خدا نے احکام و ہدایات اقتضائے فطری کے مطابق
مصلح تمدن، دنیا و دین کے اعلیٰ ترین فوائد کی نگہداشت کے ساتھ دیدئے ہیں جنکی تفصیل
مفصلہ ذیل سرخیوں میں واضح کی جاتی ہے۔

فَامْنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا

وَالْقُرْآنَ کَلَامَ اللّٰهِ

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

کَلَامُ اللّٰهِ

تعریف اسراف۔ بخل۔ اور سخاوت

مال بجا صرف کرنا، اور لایعنی اوڑا دینا، جس سے دین کا بھلا ہونہ دنیا کا، وہ اسراف
ہے۔ اور صرف کر نیکی جبکہ نہ صرف کرنا، اور اہل حقوق کا باقی دار رہنا، اور سنت رکھنا بخل
ہے۔ اور بجا صرف کرنا، مال کا اعتدال و میانہ روی کے ساتھ اٹھانا، اور ادائے حقوق، کی
نگہداشت کیساتھ صرف کرنا سخاوت ہے اور زراعت آخرت۔ لوگوں نے مسرف کا نام سخی
رکھا ہے، اور سخی کا نام منتظم یعنی اک طرح کا بخیل۔ مگر بخیل کو بخیل سب کہتے ہیں، اور لایق
مقامت بھی سمجھتے ہیں۔ میں ان تینوں کو تفصیل وار بیان کروں گا، جو خدا نے بیان کیا ہو اسکو
بعد مصارف مال بیان کروں گا جو خدا نے ذوالجلال نے تعلیم فرمایا ہے۔

اسراف

مال لغت اینر دی ہو۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ تم اسے برباد و ضائع کر کے اسکی نعمت کی

بے قدری کرو کہ یہ ناشکری الگ ہوگی، اور رہنمائی تم سے الگ چل جائیگی۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ مال کے بندے بنکر اونکی بندگی سے نکل جاؤ، اور اس سے سیدنت کرو اور خزانہ بن بیٹھا تو جیسے سانپ کے سبب دشمن، تمہارے بھی سبب دشمن۔ اوسنے مال کی نعمت دی، تو حقوق بھی لازم کر دئے ہیں، اور ادائے حقوق کے جذبات بھی فطرت میں رکھ دئے ہیں۔ تو ان جذبات کو فطرت کے خلاف بے جا صرف کرو، اور یوں ودیعت فطری کو پامال کرو، تو حساب کے دن جمع خرچ کی میزان ہی نہ دیکھی جائیگی، بلکہ ہر ایک مرد کا جائزہ بھی لیا جائیگا۔

خدا فرماتا ہے۔ لا تبتذس بتبذیراھ ان المبتذسین کاؤ اخوان الشیاطین کان الشیطن لربہ کفور اھ دولت بکیر کر اور نہ دو بے شک مسرف شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان خدا کا بڑا ہی ناشکر ہے (بنی اسرائیل) مال و دولت جسکو خدا نے خیر و فضل کے ساتھ قرآن میں فرمایا ہے کیونکہ یہ اتنے کار خیر کا آکر ہے کہ سر اسر خیر ہے، اور اتنی نیکیاں اس سے حاصل ہو سکتی ہیں کہ تمام تر فضل خداوندی ہو، اوسکو اگر تم بے جگہ صرف کرو تو گویا یہ ظلم ہوگا، ظلم آخر کتے ہی کتے ہیں۔ اور شیطان کے بھائی بنکر ناقہ فی کا طوق گلے میں ڈال لو، اور اوسکی نعمت کو بجا صرف کرو، تو کیا یہ کفران نعمت خدا کی ناشکری اور اوس کے حکم کی ناقہ رہی ہوگی آخر ناشکری کتے ہی کتے ہیں۔ دیکھو ہوشیار رہو۔ لا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین ہ اسراف و فضول خرچی نکر و خدا مسرف کو پسند ہی نہیں کرتا۔ (اعراف ۳۱) کیا خدا کا ناپسند کرنا تھوڑی بات ہے۔ اس حکم کی تاکید سورہ الغام ۳۱ میں بھی اوس نے فرمائی ہے کہ مال بیجا نہ اوڑاؤ مالی بیجا اوڑاؤ لا خدا کو ناپسند ہے۔ طرح طرح سے منع کرنا تو اسراف کو حرام ہی کرنا ہی۔ حرام کرنے کی بہتری شانیں ہیں جیسے شراب حرام ہوئی ویسے ہی اسراف بھی خدا کی شان دیکھو کہ مسرف کو خدا تو ناپسند کرے اور مسلمان خطاب میں اوسکو سچی کلمہ خدا تو

فرماتے کہ صرف شیطان کا بیٹا ہی اور شیطان خدا کا کافر۔ اور مسلمان اس کو سختی بنا کر
 اس کے لیے جنت تیار کر دے گا۔ مگر ان کے ہاتھ میں جنت نہ جہنم۔ تقریباً بیس چاہے خوشی کی
 ہو یا غم کی، خوب اسراف کرو اور مٹیاں بچاؤ، مگر ایک دن تم بچاؤ گے جاؤ گے، اور انکار و نفی
 سن لو۔ لا تبسطھا بکل البسط۔ ہاتھ ایک دم سے کھول نہ دو۔ (بنی اسرائیل ۳۳)
 ایسا کرو گے تو دست حسرت ملو گے۔ قطعاً مومن محسوس کیا جائے گا سب کھو بیٹھے، اور ہوش
 نہ کیا کتنے گھراؤئے اسراف کے ہاتھوں تباہ ہوئے، اور انکی اولاد در در گدا ہو۔ وہ خود بھی
 کھو گئے، اور اپنی اولاد کو بھی کھو بیٹھے۔ بہتیروں کی تباہی تم نے سنی ہوگی، اور بہتیروں کی تباہی
 تم نے دیکھی ہوگی۔ افسوس ہو جو دیکھ سکتے بھی ہوش نہ کرو۔

اسراف سے اس شدید امتناع کا یہ مطلب نہیں، کہ ایک گڑھے ٹھکڑے دوسرے گڑھے
 میں گرو، اور بخیل بن جاؤ۔ بخل تو اور بھی بدتر ہے۔ اسراف تو اسلئے برا ہے کہ اسے انسان
 اپنی، اپنے دشمن کی، اور اہل حقوق کی حق تلفی کرتا ہے، اور کفران نعمت۔ اور بخیل اسلئے
 برا ہے کہ اس سے انسان نہ صرف اپنی نہ صرف اپنے ورثا اور اہل حقوق کی حق تلفی کرتا
 ہے، اور کفران نعمت، بلکہ خدا و رسول، قوم و ملک سب کی ہی حق تلفی کرتا ہو۔ اور نہ نعم
 ہی کی بلکہ نعمت کی بھی ناقدری کرتا ہے۔ اور شرافت، حیا، اور غیرت سب کو کھو کر
 بزدل اور پست ہوتے جاتا ہو۔ وہ ایسے درخت کے مانند ہوتا ہو جس میں نہ پھول ہوں، نہ
 پھل لگیں، نہ اویسے سے کچے پتے ہی کسی کام کے، نہ اسکی چھال ہی کسی مصرف کی۔ نہ وہ سا
 دار ہی کہ اس کے سایہ میں مسافر آرام پائیں، اور انکے سوا کسی کام کا نہیں۔ اور ورثا کا
 اس انتظار میں ناک میں دم کہ یہ چلتے نہیں تو ہم بھاگ اڑائیں۔ اور اس دنیا کا حال
 تو اور نازک، فضول خرچ اپنا نقصان کرتا ہو۔ مگر اس سے جو سرون کو بے فائدہ پہنچا

ہوئے فائدہ پہنچ جاتے۔ اور بخیل اپنا تو نقصان کرتا ہی ہے اور اس کسی کو فائدہ
بھی نہیں پہنچتا۔

فامنوا بالله ورسوله والنور الذي اتلنا
محمد رسول الله والقرآن كلام الله

بخل

لا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً
محسوراً نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہی رکھو اور نہ اوسکو اکیڑم سے کھول دو
کہ بیٹھ رہو ملامت زدہ اور حسرت خوردہ (بنی اسرائیل ۸۳) بخل کے سبب دنیا کو ملامت
کر لگی اور اسراف کے سبب تم دست حسرت ہو گے۔

بخل تو نفس کا فطرتی کھونٹ ہے۔ احضرات الانفس الشہ (النساء ۱۹) اس لئے
نفس تزکیہ طلب ہے۔ تزکیہ نفس کرو۔ قد افلح من زکیہا۔ فلاح اوس نے پائی جس نے تزکیہ
نفس کیا۔ اگر یہ بخل جو نفس کا فطرتی کھونٹ ہے اصلاح پذیر نہ ہو اتنے فلاح نہیں۔
بخیلو! خدا کے فرمان سنو۔ لا یحسبن الذین یجھلون بما انشعبہم اللہ موت

فضله ہو خیر لہم بل ہوش رہو لہم سیطوقون ما یجھلوا بہ یوم القیمہ۔
وہ جو اللہ کے دئے ہوئے مال میں جو اوس نے اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں
یہ سمجھیں کہ یہ بخل اوں کے حق میں بہتر ہے نہیں بلکہ یہ اوں کے حق میں برا ہے۔ عنقریب
قیامت کے دن اوں کا مال وں کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائیگا۔ (ال عمران ۷۵) یقیناً طوق
تو مرتے ہی وقت اوں کے گلے میں پڑ جائیگا مگر بخل پتہ مال کو حسرتوں کی نگاہوں کی گتے ہوئے

اور اسکی محبت کی خاموش مگر دھکتی آگ میں جلتے ہوئے، اور اسے نیا سے ہمیشہ کیلئے
 رخصت ہون کے جبرئیل کیلئے وہ جان دیتے رہے وہ ساتھ نہ جایگا، اور اسکی حسرت
 اور قلع جان کا گاکاک ہو جائیگا اور جان کا خجال۔ ایسی کٹھن محبت اور اسکی ایسا دردنا
 جہنم وہ ساتھ لیجائیں گے جسکی آگ کبھی ٹھنڈھی ہونے کی نہیں۔ دنیا میں تو جو اس پر دے
 ڈالتے رہتے ہیں اگر بڑی سی بڑی مصیبت بھی بھوٹی بھری ہو جاتی ہے، اب روح کیسا
 پردہ ڈالتے دے اس کو اس کہان، وہ تو یسین چھوٹے۔

بخیل کو کون پسند کرتا ہے، انسان تو انسان خدا بھی تو پسند نہیں کرتا۔ ان اللہ
 لا یحب من کان محناً غوراً الذین یخونون ویامرون الناس بالبخل ویکتون ما ائتمھم
 اللہ من فضله واعتدوا للکفرین عذاباً مہیناً بے شک اللہ تو کو پسند نہیں کرتا جو اترا تے
 اور ثنائی داتے پھرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بخیل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخیل پراویجا
 ین اور جو کچھ خزانے اپنے فضل سے اور نکو دیا ہے اسکو چھپاتے ہیں (یہ کفران نعمت ہے)
 تو ایسے کافروں کیلئے جہنم کی عذاب کا عذاب مہیا کر رکھا ہے (النساء ۷۷) یہ ذلت تو اسی نیا
 سے شرمناک ہوتی ہے جو اس دنیا میں کھٹے کھا لگی۔

اے لوگو! یاد رکھو۔ الذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ
 فسنقرھم لعذاب الیم یوم یحیی علیھافی نار جھنم فتکوی بہا مباحھم وحبو بہم
 وظھورھم عندا ما کنتم تم لا نفسمکم فذوقوا ما کنتم تکتزون و نہ جو سونا چاندی
 جمع کر رکھتے ہیں، اور اسکو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو انکو عذاب دردناک کی
 بشارت دیدو۔ جس دن وہ آتش جہنم میں تپایا جائیگا، پھر اسکی اونکی پیشانی، گردن، اور پیٹ
 داغی جائیگی، اور اسکی کھاجائیگا کہ وہی ہی جو تم نے اپنے نفس کیلئے جمع کیا تھا، تو اب اپنے

[illegible]

بخیلو! مال و خزانے، دولت و ثروت جیسے تم مرتے ہو یہ تو تمہارے ساتھ جانے سے رہو،
کیونکہ یہ تو خدا کے امتحانات ہیں جسے رکھا تھا، وہ اب جسے دے، اور جس کا امتحان لے، تمہاری
اولاد کو دے، یا مختار وکیل، اٹرنی اور سیرٹ یا عملگن کچری، یا حکماں رشوت خوار کو
دے، مگر تم سے تو یہ سب چھن گئے، اور اسکے قرائین تمہاری گردن پر رہ گئے یہی ستر
گرد والی طوق ہے جو تمہیں پہنائی جائیگی۔ اور یہی مال کی محبت۔ یہ جس سے تمہاری
روح کو پھانسی دی جائیگی۔ اس وقت نہ تمہاری کوئی فریاد سنی جائیگی، اور نہ تمہارا کوئی
حامی ہوگا۔

آدمی مال و خزانہ کے غرور میں چکنی چٹری باتیں بتاتا ہے، اور مال کے بھوکے بو خدا سے
امید و واسطہ نہیں رکھتے، اسکی ہان میں ہان ملاتے ہیں، وہ اس پر مست ہو جاتا، اور اپنی
رفتار کا آپ ثنا گو رہتا ہے۔ اسکو جب بخل و اسماک کی برائیاں سمجھاؤ، تو ساری عمر کا
جوڑ جمع کر کے کہنے لگتا ہے کہ ہننے تو ڈھیر و اب خرچ کر دیا، اور روزی گناہ تو بڑی پاؤ، پاؤ
جو روزانہ کھاتا ہوں، جب اعتراض کی بوجھار ہوتی ہو، تو مفرورانہ جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم جمع
تو کرتے ہیں اپنا مال، نہ اس میں کسی کا حق، نہ اس پر کسی کا بوجھ۔ کیا صرف بچاؤں اور بستی
اونکو نہیں سمجھاتے جو مال پر اٹلاتے ہیں۔ یہ مقابلہ میں پیش بھی کرتا ہے تو صرف کو، مسرت
کی طرح یہ بھی ایک طرف کھینچ گیا، اور خدا کو بھول بیٹھا، تو خدا فرماتا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ
فِي كِبَادٍ ۖ اِعْسَبْ اَنْ لَّنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ اِحَدٌ ۙ يَقُولُ اِهْلَكَ مَا لَآلِئِدَا اِذَا يَحْضُرَانِ لِمَ
يَعْبُدُ اِحَدٌ ۙ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۚ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۚ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۚ فَلَا اقْطَمِ
الْعَقِيْبَهُ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقِيْبَةُ ط فَكِرْ قِيَّةً ۚ وَاَطِيعُوا فِيْ يَوْمِ ذِيْ مَسْجِدٍ يَّتِيْكُمْ
اِذَا مَقَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوْا ثُمَّ كَانُ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَاَصْوَابُ الْاَعْيُنِ ۚ وَتَوَّصَّوْا بِالْحَمْدِ

پہننے آدمی کو پیدا کیا ہے۔ کہ سدا مشقت میں رہے۔ کیا اوس کا یہ خیال ہے کہ اوس پر کسی کا
 بس نہ چلیگا۔ کہتا ہے کہ پہنے ڈھیر ون مال خرچ کر دیا، کیا اوس کا یہ خیال ہے کہ اسے کسی نے
 دیکھا نہیں۔ کیا پہنے اوس کو دو آنکھیں، زبان، اور دو ہونٹ نہیں لائے، اور اوس کو بھلائی
 برائی کی دونوں راہیں نہ دیکھا دین، مگر اوس سے یہ نہوسکا کہ کھائی میں داخل ہو۔ تم کیا سمجھ
 کہ کھائی کیا ہے؟ مصیبتوں سے گردنوں کو چھوڑنا، یا فاقہ مستی کے دن رشتہ دار، یتیم، یا
 محتاج خاک اور قنادہ کو کھانا کھانا، بعد از ان اون کو گون میں ہونا جو ایمان لائے، اور
 ایک دوسرے کو صبر کی اور شفقت کرنیکی نصیحت کرتے ہیں (البلد) مگر مالداروں کی ملا توجہ کرے
 یہ روشن زمانہ ہے، اس زمانہ میں انکو روپیہ جمع کرنے، سودی روپیہ بڑھانے، یتیموں، بیواؤں،
 اور یکسوں کے بھی خون چوسنے سے فرحت نہیں۔ وہ کہیں کیا کہ زمانہ کی ہوا بھی ہے بیوقوف سمجھنے
 جائیں اگر بے اپنا نفع کئے ہوئے کسی کی گردن مصیبت سے چھوڑا دیں۔ اب تو رشتہ اور قرابت کیا
 ہے مان بیٹے اور بھائی بہن میں سود کی تلوار چلتی ہو۔ یہ اپنے پرے سب سے مستغنی ہیں، مگر اکیلے
 اکیلی یہ روشن رنگ لائے بغیر نہ رہیں گی۔ واما من مجل واستغنی وکذب بالحنسی فسنیسر للعسر
 وما یفتی عنہ مالہ اذا تردی۔ جس نے بخل کیا ابے پر واہ رہا، حق کو جھوٹ جانا تو ہم اوس کو عسرت دے گا کہ
 حال کو پہنچائینگے اور جب وہ گڈھے میں گرے گا تو اوس کا مال اوس کو کچھ کام نہ آئیگا۔ (المیل) صرف
 یہی نہیں کہ بزور یا بدیر اوسکی دنیاوی ہی سزا ہوگی، بلکہ اس جرم میں ہرمانہ اور قید دونوں
 ویل لکل ہمنہ تاملنہ الذی جمع مالاً وعدہ لا یحسب ان مالہ اخلد کلا کل لیبذل
 فی الحطمة وما ادرانک ما الحطمة طاسا اللہ الموقدۃ التي تطلع علی الافئدہ کام
 ہر عیب چین اور غیبت کرنیوالے کی خرابی ہو جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا، اوس کا خیال
 ہے کہ اوس کا مال اوس کو ہمیشہ زندہ رکھیگا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں پھیکا جائیگا۔ تم کیا سمجھ

کہ حطہ ہے کیا چیز؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو نہ لون کو بھڑکانک لیتی ہے (اللہ عزوجل)
جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور حقوق نفس، والدین، اقربا، ڀڙوس، اور حقوق قوم و ملک نہیرو
اند کرتے وہ بخیل ہیں، اور کو کسی جہان میں فلاح نہیں، اور ہر ایک کے مجرم ہیں، یہاں تک کہ اپنے
آپ دشمن۔ بخل کی نسبت قرآن مجید میں بہتیرا کچھ ہے کہ انا تک لکھا جا۔ اور کیوں لکھا جائے
کیونکہ خور اور حب مال کامریض حق اور سل سے کم نہیں، جسکی صحت خدا کے لئے تو آسان ہوگا
وہ نہ مثل قرب بہ محال ہو۔ یہ سمجھائے سے نہیں سمجھنے کا تو پھر میرا سمجھنا نا بھی فضول میں نہ صرف خدا
کی چند آیتیں تسلیم کر دیں کہ وہ ہدایات ربانی سے واقف ہو جائیں، اور اپنے نفع و نقصان
کو سمجھیں، اگر خدا توفیق دے۔

خدا نے فرمایا کہ اسراف نہ کرو، اور مال جمع کر کے بخل بھی نہ کرو، تو اس نے اعتدال و میانہ
روی کی ترانہ بھی دیدی ہے، کہ اسراف سے نہ کوئی پلڑا ہلکا ہو، نہ بخل سے کوئی پلڑا
جھک جائے، بلکہ دونوں پلڑے برابر ہیں۔ و نہ فوا بالقسط اس المستقیم

فأمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا

والقرآن كلام الله

محمد، رسول الله

لا اله الا الله

سخاوت یعنی میانہ روی

لا تجعل يدك مغلولة الى عنقائك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوراً
نہ اپنی گردن سے اپنا ہاتھ بندھا رکھو، اور نہ ایک دم سے کھول ہی دو کہ بیٹھ رہو ملامت زدہ
اور حسرت خوردہ (یعنی اسرا ایل مل) یعنی نہ بخل کو راہ دو نہ اسراف کو، نہ افراط کی چال چلو نہ
تفریط کی بلکہ میانہ روی سے گذران کرو۔

والذین اذا اتوا بمثل ما وعدهم الله لم يلبسوا غورا ولم يفتروا ما كان بين ذلک، تو امامہ عباد الرحمن وہ ہیں
 کہ جب وہ بیچ کرین تو نہ اسراف کریں نہ بخشش کرنا شروع کرنا اور نہ بدل ہو (اللہ تعالیٰ) تو ملے
 خدا کے بند و شاہد و شہداء اور اپنی روزانہ زندگی میں اپنے اخراجات کا جائزہ لے کر قرین احتساب
 رہیں تو جواب ہے کہ ملے تیار رہ جاؤ۔

اسلام کی راہ تو عراط مستقیم کی ہے۔ نہ اس میں افراط نہ تفریط۔ ساری ہدایات اللہ عزوجل
 اور میانہ روی ہی کے ہیں۔ سو رہ چکے تھے اور پانچویں رکوع میں خدا نے فرمایا ہے۔ فکلوا
 منها واطعموا البائس الفقیر اور۔ فکلوا منها واطعموا الفقیر والضعف خدا کی
 دی ہوئی روزی میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ اور دوسری
 آیت میں اوس فرمایا۔ خدا کی دی ہوئی روزی میں سے خود بھی کھاؤ اور نہ سوال کرنے والے،
 ۱۔ سوال کرنے والے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ خدا نے حق نفس کو مقدم کیا کہ یہی فطرت کا
 امتضا ہے۔ اسی کے ساتھ دوسروں کے احتیاج کے جانب بھی متوجہ کیا۔

مگر محتاجوں کو دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ واقعی محتاج ہوں۔ سالکان پیشہ و رعا و زہدین
 جو بیچکے پگتے پیرتے ہیں اور اولیائے بعض روپے سود پر لگاتے ہیں اور ہٹے کٹے تو ان میں
 کمائی کو کھوتو کو سوان بھاگیں۔ مگر محتاجوں کا احتیاج رفع کرنا بہترین عبادت ہے۔ خدا نے
 فرمایا۔ فاما من اعطی و اتقی و صدق یا تحسنی فلیس کا للعسر ی و ما یغنی عنہ
 مالہ اذا تودعی ہ ان علینا للہدی ہ وان لنا لآخرۃ والا ولی ہ فانہم ساء تکبر
 تا سرا تلظی ان یسلھا الا اللہ تعالیٰ الذی کذب و تولى و وسیع جنبھا الا تعالی الذی
 یوتی مالہ یتدرکی ہ و مالہ حدی ہ من یغتر فی الی ابتغاء وجہ ربہ
 الا علی ہ و لیس فی ہ فیس نے (کاغیر میں) دیا اور دینے میں پرہیزگاری برتی

اور سچ جانا اچھی بات کو، تو مقام لیسر و آسانی کی راہ ہم اوپر آسان کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (حقوق سے) بے پروا رہا، اور اچھی بات کو جھوٹ جانا، تو اُستہ آہستہ ہم اوسکو مقام عسر و تنگی تک پہنچائیں گے۔ اور جب وہ جہنم میں ڈالا جائیگا تو اوسکا مال اوسکو کچھ کام نہ آئیگا۔ ہمارے ذمہ راہ دکھا دینا ہے، اور دنیا اور آخرت ہمارے ہی ہاتھ میں ہے، تو مجھے تم لوگوں کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے کہ اوس میں وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، اور پرہیزگار اوس سے بچ لیا جائیگا جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ نفس کی پاکی حاصل کرے، اور اوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ بدلا اوتارتا ہے، بلکہ وہ اپنے پروردگار عالی نشان کی رضا جوئی کے لئے دیتا ہے۔ اور وہ بہت جلد راضی ہوگا (اللہ مال کس طرح خرچ کرو خدا نے بتا دیا ہے، اور اپنی رضا سے اوس نے آگاہ کر دیا ہے، جو اسکے بعد کی سرخیوں میں بیان ہوگا، تو مال اوسکی رضا جوئی میں صرف کرو، یہی سخاوت اور میاں دہی ہے۔ کہہ کے دیکھ لو، میاں دہی گھر الگ بھرے گی، اور قومی فساد الگ محمور کر لیگی، جس سے ہم الگ طہیین الحال رہو گے، اور قومی ترقیوں کی راہیں الگ کشادہ ہو جائیں گی۔ اور تمہاری دعا اس بنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرۃ حسنة قبول ہو جائیگی۔

میاں دہی کے یہ معنی نہیں کہ رسوم دیرینہ کے لایعنی اخراجات کی جگہ نئی روشنی کے تباہ کن اخراجات سے دوسرے ملک قوم کے خزانے بھرو، اور ایسی تباہ کن آرائشوں کو موجب ترقی سمجھو تو اس اسراف سے تو وہ اسراف بہتر جس سے قوم منتفع ہو اور دولت پھر پھر کہ ملک ہی میں رہے۔

میری غرض تو انا و تمہارے دست، چست و چالاک، سائنلان پیشہ ور سے نہیں، انکو دینا تو قوم کی عادت بگاڑنی، اور روپیہ کو بے جگہ صرف کرنا ہے جو ظلم ہے۔ مگر یہ کونسا

انصاف ہو کہ اپنے لالی یعنی بھڑک اور تکلیف تکلفات میں اور یو یو پین روپ بھرنے میں
 تو ہزاروں اونٹنوں اور قومی کام میں کوڑی نہ دو۔ اپنی قوم تباہ ہو تو تمکو غرض نہیں، اپنی
 بے نوا قوم کا غریب و مفلس سوال کرے، تو اسکو ڈانٹ دو، بھڑک کر نکال دو، اور
 اما السائل فلا تنهر کو بھول جاؤ، حالانکہ تمکو چاہئے تھا کہ مستحق کو پوشیدہ یا علانیہ جو دے
 دیدو۔ اور غیر مستحق کو اگر وہ بالیقین غیر مستحق ہو تو سمجھا دو کہ وہ مستحق کی راہ نہ مارے۔
 واما تعرض عن عظم ابتغاء رحمة من ربابك توجهوا قتل لہم قولاً میسوراً۔
 اگر روپیہ آنیکے توقع میں سالوں سے اعراض کرو تو اوں سے نرمی سے کہدو۔ (نبی اسلام علیہ السلام)
 کیونکہ تمہیں کیا خبر کہ واقعی وہ کسی مصیبت کا مبتلا ہے یا نہیں۔ آج کل بخیلوں یا نئے تعلیم یافتہ لوگو
 جو فضول خرچیوں میں باؤ نہ ہو رہے ہیں جلال جو آتا ہے تو سالوں پر اندھوں، لنگڑوں،
 اور کوڑھیوں پر۔ دربان کی غفلت سے دیکھ پایا، اور غصہ کا بھوت سر چڑھا۔ لال پیلے
 ہو گئے۔ دربان پر آفت آئی، اور سائل نکال دیا گیا۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ واقعی یہ قابل رحم
 ہے یا نہیں۔ مگر اسلچون میں ان چکنی جیٹری باتیں سن لو۔ سب طرح کے چندے یہ
 انگلیں جن میں نام و نمود کی توقع ہوا مگر ان مجبوروں اور بیکسوں پر رحم کھا کر نہ اٹکے لئے
 چندہ ہی کریں، نہ اپنے گانٹھ ہی سے کچھ نکالیں، کیونکہ ایڈریس کے خول کے لئے، اسٹیج
 بنانیکے لئے، اور ایسے ہی کاموں کے لئے بڑی مقدار خرچ کر چکے ہیں، اور انگریزی دوکان
 کی بل الگ سر ہے۔ تو ایسے بیکسوں، مجبوروں، اور یتیموں کا اللہ دانی ہے، اور
 ایسی قوم کا خدا ہی حافظ۔

خدا نے اسراف و بخل سے روکا، اور میانہ روی کی تعلیم دی، اسی کا نام سخاوت
 ہے۔ اور میانہ روی کو تانجی دیا، اور اوسکی راہیں بھی کھول دیں، مثلاً۔ صدقہ،

زکوٰۃ، نفقہ، قرض حسنہ، یہ سب مجاہدہ مالی کے طریقے خدا تعالیٰ بتا دے ہیں۔

وَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورَ الَّذِي أَنزَلْنَا

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالْقُرْآنُ كَلِمَةُ اللَّهِ

صدقہ

صدقہ اصطلاحاً جو تاریخ مذہب (حدیث) سے واضح ہوتا ہے وہ ہر ایک کام کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لئے کیا جائے۔ مثلاً راہ سے کانٹے الگ کر دینا کہ رہبر و زعمت سے بچیں صدقہ ہے، کسی کا دل خوش کرنا، اخلاق سے پیش آنا یہ سب صدقہ ہے۔ اسلئے مجاہدہ مالی کی ساری قسمیں صدقہ میں داخل ہیں، زکوٰۃ ہو تو، نفقہ ہو تو، قرض حسنہ ہو تو۔ زکوٰۃ و صدقہ میں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے۔ زکوٰۃ صدقہ میں داخل ہے لیکن صدقہ زکوٰۃ میں داخل نہیں۔ اسلئے صدقہ کی حدیثیں جو زکوٰۃ کی نسبت سمجھی گئی ہیں اور باب الزکوٰۃ میں بیان کی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ صدقہ مالی محبوب و معبود کے نام پر مال قربان کرنا ہے جس خلق اللہ کو قائدہ پہنچتا ہے اور اپنے نفس کا ترکیہ۔ ساتھ اس گناہ و خطا سے طہارت حاصل ہوتی ہے۔ خدا فرمایا۔ وَاخْرُوجُوا مِنْهَا وَاصْلُوا إِلَيَّ وَأَنْقَلِبُوا إِلَى اللَّهِ عَسَىٰ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ خذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ أَنبِئْهُمْ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَهُمْ فِي هَٰذِهِ الْأَرْضِ الْأُولَىٰ ثُمَّ يُغَوِّهِمُ إِلَىٰ ظُلَمٍ عَمِيمٍ ۝ فَيَأْخُذُهُمْ فِي الْأَرْضِ الْأُولَىٰ ثُمَّ يُخْرِجُهُم مِّنْهَا وَيَقُولُ لَهُمْ عَسَىٰ أَن تَكُونُوا تَارِكِينَ ۝ فَيَأْخُذُهُمْ فِي الْأَرْضِ الْأُولَىٰ ثُمَّ يُخْرِجُهُم مِّنْهَا وَيَقُولُ لَهُمْ عَسَىٰ أَن تَكُونُوا تَارِكِينَ ۝ فَيَأْخُذُهُمْ فِي الْأَرْضِ الْأُولَىٰ ثُمَّ يُخْرِجُهُم مِّنْهَا وَيَقُولُ لَهُمْ عَسَىٰ أَن تَكُونُوا تَارِكِينَ ۝

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، اور عمل صالح و عمل غیر صالح کی آمیزش کی، شاید اللہ ان کو معاف کرے کیونکہ اللہ غفور و رحیم ہے۔ تو ان کے مال میں صدقہ لوگوں کو پانچ صراف بناؤ۔ اور ان کو دو عمار دو کہ تمہاری دعار ان کے لئے موجب تسکین ہو اور اللہ تو سب کچھ عطا اور جانتا ہے۔ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اپنے بندے سے خدا ہی توبہ اور صدقہ قبول کرتا ہے، اور اللہ تو توبہ کا قبول کر نیوالا اور رحیم ہے (توبہ ۱۱۲) یہ آیت تدبر کرنیکی ہے، اس سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ صدقہ مالی سے گناہ قُبل جاتا، اور تزکیہ و تصفیہ نصیب ہوتا ہے۔ اسی لئے گناہوں اور خطاؤں پر فریہ کی راہ خدا نے کھول دی ہے مثلاً حج کے متعلق فدیۃ من صیام او عداۃ اولساک - یا صوم کے متعلق فدیۃ طعام مسکین -

۲۔ جب گناہوں کے عوض کوئی صدقہ دے تو حاکم کو قبول کر کے بیت المال میں داخل کر لینا چاہئے جیسے زکوٰۃ کا مال۔

۳۔ خدا جس طرح توبہ قبول کرتا ہے، صدقہ بھی قبول کرتا ہے۔ دل سے توبہ کرنا قلبی توبہ ہے اور گناہ کے عوض صدقہ دینا عملی توبہ ہے۔ خدا کے صدقہ قبول کر لینے کی یہ معنی نہیں کہ مال و ترکہ خدا کے خزانہ میں چلا جاتا ہے، یا وہ قربانی کا جانور خدا کے باغ میں چرا کرتا ہے۔ کیونکہ مال بہر حال خدا ہی کے خزانہ میں ہے، اور جانور بہر حال خدا ہی کے باغ میں چرا کرتا ہے۔ بلکہ اسکے معنی یہ ہیں۔ لن ینال اللہ لحو مھا ولا وضاءھا ولكن ینالہ التقویٰ منکم خدا تک نہ ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون ہی، ہاں تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے (حج ۳۷) یہ سمجھو کہ صدقہ مالی سے تمہارا مال گھٹتا ہے، انہیں نہیں بلکہ وہ تو بڑھتا ہے کیونکہ صدقہ کے مصارف قومی خدمات ہیں اور زلفہ قومی امیر جو مالی شخصی ہاتھ سے قومی خزانہ

مین گیا، تو شخصی ہاتھ تو شخصی حیات تک، اور قومی خزانہ قومی حیات تک، اور یہ
بدیہی ہے کہ قومی حیات کے مقابلہ میں شخصی حیات اوس بچہ کی سی حیات ہے جو پیدا ہوا
اور سانس لیکر مر گیا۔

مین نے بیان کیا ہے کہ صدقہ ہر نیک کام کو کہتے ہیں، اتواب اس آیت کو خیال کرو۔
لَیْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَکِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبٍّ ذُو الْقُرْبَىٰ وَالتَّيْمَىٰ وَالْمَسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّائِلِیْنَ وَفِی السَّبِیْلِ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّکَاةَ وَالْمُوفُونَ بَعْدَہُمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِیْنَ
فِی الْبَاسِ وَالضَّرَآءِ وَحِیْنَ الْبَاسِ ط أُولَٰئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوا
وَأُولَٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ہنکی ہی نہیں ہو کر تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو (یعنی ظاہری نماز
ادا کر لیا کرو جسکو منہ لگانا بولتے ہیں جسمن خدا کے دھیان سے کچھ واسطہ ہی نہیں، یا عادتاً ہو یا ریاکی)
بلکہ ہنکی اوسکی ہو جو ایمان لایا اللہ، آخرت، فرشتوں، کتابوں، اور نبیوں پر۔ اور مال صرف کیا خدا کی
محبت میں قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سائلوں میں، اور گردن مصیبت
آزاد کرانے میں۔ اور درست کرتا رہا نماز (جسکو نماز کہا جاسکتا ہو) اور دینار ہا زکوٰۃ، اور
ایغا کرتا رہا وعدہ، اور صبر کرتا رہا تنگیوں، تکلیفوں، اور لڑائیوں میں۔ یہی لوگ سچے نیکو کار ہیں
اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ (بقراءۃ ۲۲)

اسی ”بر“ کو مین نے صدقہ کہا ہے، اور اصطلاحاً صدقہ کا یہی معنی بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت
میں زکوٰۃ کو خدا نے الگ فرمادیا۔ اس واضح ہوتا ہے کہ یہ مصارف جو خدا نے فرمایا یہ زکوٰۃ
کے نہیں، صدقہ کے ہیں۔ دوسرے زکوٰۃ تو خدائی سالانہ خرچ ہے جو دو تہمندوں سے لیا جا اور

اور انہیں میں ازدواج کیا جاتا۔ تو انکو ساری دنیا میں پھیلنے کیلئے کسی کی محبت سے فراہم ہوتی
 اے لوگو! حقوق کا خیال رکھو۔ فی اموالہم حق للسائل والطحس وہم۔ حقوق کی
 تفصیل متہاج الحق میں اخلاق کی سرخی میں دیکھو۔ انسان تو اسے حقوق
 و فرائض کی خدائی مشین ہے اگر یہ یکڑی تو تجارت اخروی کے کارخانے بند ہو جائینگے
 اور تم سراسر گھاٹے میں رہو گے۔ اسلئے مشین کا کوئی کل پرزہ بگڑنے نہ دو۔ اور احکام
 مانی کی جو قومی حق ہے خلاف ورزی نہ کرو۔ میں نے کر دی ہے خیر تمکو خبر دار رہو۔
 فاموا باللہ ورسولہ والنور الذی انزل لنا

والقرآن کلام اللہ

محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

زکوٰۃ

قرآن مجید میں صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کو بھی خدا نے قریب قریب برابر کا فرض
 کیا ہے۔ بقرہ - نساء - مائدہ - توبہ - صریم - انبیا - حج - نور - نمل - احزاب - بیدہ
 ان ساری سورتوں میں کہی گئی جبکہ خدا نے صلوٰۃ و زکوٰۃ دونوں کو ساتھ ساتھ فرض کیا ہے
 کیونکہ صلوٰۃ روحانی اور جسمانی عبادت ہے، اور زکوٰۃ مالی۔ پھر جیسا کہ چند جگہ صلوٰۃ کی
 فرضیت بلا شمول زکوٰۃ بیان ہوئی ہے اور وسط چند جگہ زکوٰۃ کی فرضیت بھی بلا شمول صلوٰۃ بیان ہوئی
 ہے۔ قرآن مجید میں صلوٰۃ و زکوٰۃ دونوں کا یکساں حال ہے۔ قوم نے بھی جطرح صلوٰۃ کی فرضیت کو
 محمل انکڑنیت میں داخل کیا ہے، اور سطح زکوٰۃ کی فرضیت کو بھی محمل مانکر ظنیات میں داخل کیا ہے
 اور صلوٰۃ کی طرح زکوٰۃ کو بھی فرشتوں کی اصطلاح مانکر محمل تسلیم کیا ہے۔ اسلئے جتنے اقراض و رشکوں،
 اور اوٹکے جتنے جواہر صلوٰۃ کی نسبت صلوٰۃ کے بیان میں بیان ہوئے ہیں سب بلا

اک کماست، زکوٰۃ کی نسبت بھی سمجھ لینا چاہئے۔

جس طرح صلوٰۃ انگون پر فرض تھی، اوسی طرح زکوٰۃ بھی۔ جس طرح صلوٰۃ ازلی ہوا
اور سیطرہ زکوٰۃ نہیں۔ تو جس طرح صلوٰۃ ہم پر فرض ہوئی، اوسی طرح زکوٰۃ بھی صلوٰۃ
مصطلح قوم فرض ہوئی، زکوٰۃ بھی مصطلح قوم ہی فرض ہوئی۔ قوم صلوٰۃ کو جانتی تھی تو
زکوٰۃ کو بھی۔ جس طرح قوم نے یہ غفلہ بلند نہ کیا کہ ما الصلوٰۃ اوسی طرح قوم نے یہ صدام بلند
نہ کی کہ ما الزکوٰۃ۔ زکوٰۃ کی فرضیت بھی قطعی ہے، اظہیات پر مبنی نہیں۔ زکوٰۃ کی اصطلاح
بھی کوئی فرشتوں کی اصطلاح نہیں، اچھکو واضح کر لیا کوئی فرشتہ مجاہد ہو۔ عربی زبان کا
لفظ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی فرشتوں سے بڑھ کر اس اصطلاح کو واضح
کر نیکے آپ سختی تھے۔ اور سارے عرب اس اصطلاح سے واقف تھے کیونکہ یہ وہیں کی زبان کا
لفظ ہے۔ اسی لئے لوگ مسلمان ہوئے اُسے۔ اسلام لائے، حکم سنا، تعمیل کی۔ کسی نے بھی
بیشک یہ اعتراض نہ کیا کہ قرآن مجید انوکھے اصطلاح میں او تر لے۔ اور خدا نے بھی فرمایا
تو یہی کن لک انزلہ قرآناً عربیاً (یعنی قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ یوسف)
اک خاص نمبر میں اسکو واضح کیا جا چکا ہے۔

حضرت ابراہیم حضرت لوط حضرت اسحاق حضرت یعقوب علیہم السلام کی شان میں خدا نے
فرمایا۔ وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فَعَلِ الْخَيْرَاتِ وَاَقَامِ الصَّلَاةَ وَآتَاكَ الزَّكَاةَ۔ یعنی ان
سب کے انبیاء کا ریکارڈ کرنے (یعنی صدقہ دینے) اور نماز قائم رکھنے، اور زکوٰۃ دیتے رہنے کی
وحی بھی تھی (انبیاء ۷۷) اس کو واضح ہوا کہ زکوٰۃ ازلی فرض ہے جو سب پیغمبروں پر تھی
اسلئے یہ کما حقہ نبوکا کہ خیرات کا لفظ تو ہر آدمی اصطلاح میں کہہ گیا کہ ہندوستانی عورتیں
بھی خیرات کا لفظ لیتی اور سمجھتی ہیں، مگر صلوٰۃ زکوٰۃ سمجھنے سے پرہیز ہے کہ اہل

زبان عرب بھی جو حکم کے صریح مخیاط تھے اور یکے کے تھننے سے معذرت تھے۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی نشان دہی خدا نے فرمایا۔ وکان یاہرا لہ الذی بالصلوۃ
والزکوۃ۔ وہ اپنے گھر والوں کو صلوۃ و زکوۃ کا حکم دیتے رہے (ص ۱۱۷)۔
کی اصطلاح کسوقت سے علی التواتر چلی آ رہی ہے قرآن مجید نے واضح کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے فرمایا تھا۔ فساکتبھا للذین یتقون ویؤتوا
الزکوۃ۔ دونوں جہان میں متقیوں اور زکوۃ دینے والوں کے لئے بھلائی لکھ دوں گا
(اعراف ۱۷۱) اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ ”نبی امی پر ایمان لائو اسے تو ریت میں اس حکم
کو لکھا ہوا پاتے ہیں کا یعنی وہ ابتک اس محرف توریت میں بھی رہ گیا۔ قوم اگر محمل نہ تو
خدا کا حکم نہ اڑھ جائیگا۔ حکم تو انہی وابدی ہے، وہ تو مٹنے کا نہیں، اسلئے صلوۃ و زکوۃ
کی اصطلاح بھی ہمیں مٹنے کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی خدا نے فرمایا۔ واوصنی بالصلوۃ والنکوۃ صلوات
حیا۔ خدا نے صلوۃ و زکوۃ کا حکم تازہ کر دیا ہے۔ (ص ۱۱۷) اسے بھی معلوم ہوتا ہے
کہ زکوۃ ایک دفعہ کا خرچ نہیں ہے کہ ایک دفعہ دیدیا اور چھٹی ہوئی، بلکہ اسکو تازہ کرنا
سالانہ ادا کرتے رہنا ہے۔ عیسائیوں نے اگر زکوۃ کا محکمہ یا لشکر دیا، تو اس سے وہ خدا
جو اب دہی سے بری نہ ہو گئے۔ اسی طرح مسلمان بھی کٹیپون میں اور فہ کے چندوں میں
ہزار دیتے رہیں، وہ فعل خیرات اور صدقہ میں داخل ہوگا اور موجب ثواب و برکات بھی
اگر نیت صحیح ہوگی مگر اس سے وہ زکوۃ کی جواب دہی سے بری نہ ہو جائیں گے، اور زکوۃ
مفروضہ سے وہ سبکہ و نش نہوں گے۔

خداوند عالم نے نبی اسرائیل سے فرمایا تھا۔ قال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوۃ و

و انہم ان کو کہتے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔
 (جائنا انہم) تو یہاں یہی طرح ہے، اسرائیل بھی حیران ہوئے ہوں گے کہ صلوٰۃ
 و زکوٰۃ ایک ہی چیز ہے، انکی تہنیتیں کیونکر ہو سکتی ہے۔ پھر ان کی جان و پیم چھلنے
 کی کئی باتیں بالضرور ہو گئی ہیں ان کی واضح کرنیوالی، اور اس مجمل حکم کی تفسیر کرنیوالی
 و مفسر اسرائیل نے آخر کیونکر ان حکموں کی تکمیل کی ہوگی۔

المختصر صلوٰۃ کی طرح زکوٰۃ بھی ازلی فرض ہے۔ اور یہی ایک طرح کی زکوٰۃ
 جبکہ بھی فرض تھی اور اب بھی فرض ہے۔ لفظ ایک ہے تو تفرقہ کر نیکا کسی کو کیا حق
 ہے۔ خدا کی شہادت جس طرح صلوٰۃ کی نسبت میں بیان کی تھی، زکوٰۃ نسبت بھی
 بیان کر دی۔ و کفی باللہ شہیدا

قوم زکوٰۃ سے واقف تھی، اسی لئے قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ زکوٰۃ آیا ہے
 تمام الف لام کے ساتھ آیا ہے، یعنی زکوٰۃ معلوم القوم ہے۔ اگر یہ نہ سمجھا جائے تو زکوٰۃ
 کی بھی لفظی ہی فرضیت ثابت ہوگی، اور طرز زکوٰۃ ظنی ہو جائیگی۔ اور ظن مستوجب فرضیت
 نہیں۔ ان الظن لا یغنی عن الحق شیئا۔ اسلام میں ایمان و یقین مطلوب ہے۔ غیر قطعی سے
 جو ثابت ہو وہ دین اللہ نہیں ہے۔

زکوٰۃ مصطلح قوم تو تھی، مگر تحقیق طلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی اصطلاح تھی کیا اور وہ کس
 مفہوم میں سمجھی جاتی تھی۔ اگر ہم اس تحقیق میں ناکام بھی ہوں تو اس میں راجح ثابت ہوگا
 اور اصطلاح کی واقعیت سے مجبوری، مگر اس قرآن مجید خدا کے دعویٰ کے خلاف مجمل ہو جائیگا۔

میں نے قرآن مجید سے دکھایا کہ زکوٰۃ ازلی فرض ہے، اسلئے اصطلاح سے قوم واقف
 تھی۔ خدا نے زکوٰۃ کا حکم دیا، قوم سمجھی، اور اس پر عمل پیرا ہوئی۔ اسلئے زکوٰۃ کی اصطلاح

عمل متواتر سے منکشف ہوگی۔ عمل متواتر میں ہر مال کا تعلق ایک اور مال سے ہوگا اور اس سے اس مال کی زکوٰۃ واضح ہوگی اور ہر مال میں اختلاف ہوگا۔ جو مال کی اجازت کی صورت میں تسلیم ہوگی۔ کیونکہ اعمال مجاز کے سوا فرض قطعی میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔

عمل متواتر سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اک سالانہ خدائی خرچ ہے جو حکم ربناطہ میں ایسے روئے لیا جاتا اور مستحقوں کو دیا جاتا ہے (فرقہ فیصلہ کے کو اپنے غیر معتدل اور خلوات فطرت خیال کو اعتدال پر لا کر اسکی حمایت میں کھڑا ہونا چاہیے کہ اسکی مانگی حرا و حقیقت میں اسی راہ سے تسکین ہے جو خلاق فطرت کی بنائی ہوئی ہے) یہ خرچ ان لوگوں کو دینا ہے جو غلامانہ نہیں ہیں بلکہ نفعاً للشراب ہے اور فاضل از ضرورت میں۔ اگر کوئی عاقل بالغ قرونہ و غیرہ تو تجارت اور پیداوار کی مخصوص چیزوں میں مقدار معین پر ایک مقدار معین شہتہ کیلئے نکال دینا اوپر لازم ہے۔ یہی زکوٰۃ ہے اور مقروضہ خداوندی۔

خلاق فطرت نے کہا تک فطرت کی نگہداشت کی ہے اسکو بھی دیکھنے جایاؤ۔ مصرفی چیزوں میں زکوٰۃ نہیں انہ مجبور و مقروض ہر زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ مال تجارت میں ہے اور پیداوار میں جیسے نفقہ۔ نفقہ کی نسبت خدا نے فرمایا۔ یا ایہا الذین امنوا اتقوا من طیبت ما کسبتہم وما انخرجا لکم من الارض ولایتموا الخبیث منه تفقون ولستم باخذیہ الا ان تغضوا فیہ۔ مومنو! کمالی میں سے اور پیداوار میں جو بچے تمکو عنایت کیا ہے عمدہ چیزیں دیا کرو، اور شراب پیر دینے کی نیت بھی نہ کرنا کہ اگر وہ تمہیں دیجاتیں تو اسکے لینے میں تم چشم پوشی کرتے۔ (البقرہ ۱۷۳) مقدار معین پر مقدار معین زکوٰۃ حسب ذیل ہے۔

مثلاً۔ از قسم حیوان۔ اونٹ، بیل، اور بکرے میں۔

از قسم نباتات - پھل اور اجناس میں -

از قسم معدنیات - سونے اور چاندی میں -

اونٹ اگر پانچ سو سے فاصلہ ہوں - گائے بیل اگر تیس سے فاصلہ ہوں - بھڑیا

بکرے اگر چالیس سے فاصلہ ہوں تو ایک بھڑیا ایک بکرا زکوٰۃ ہے -

پھل اور اجناس میں شش ماہی و سوان حصہ - اوتھما و یوم حصہ - کشتہ ہی کے دن
اوس کا حق نکال دو -

سونا مسکوک ہو یا غیر مسکوک اگر ۲۰ مثقال سے فاصلہ ہو - اور چاندی بھی غیر مسکوک
ہو یا مسکوک اگر دوسو درم سے فاصلہ ہو تو چالیسواں حصہ سال میں ایک درہم زکوٰۃ کا
دنا ہو گا -

بہل اصطلاحاً زکوٰۃ اسی کو کہتے ہیں - یہ اصطلاح کی تحقیق عمل متواتر سے بھی ہوتی ہے
اور تاریخ مذہب یعنی حدیث سے بھی -

لیکن چونکہ یہ میری تحقیق ہے یعنی اک انسانی تحقیق ہے جس میں غلطی ہو سکتی ہے تو اسکی تحقیق
مصطلحات سے محاورات عرب سے مذہبی تاریخ یعنی حدیث سے یا اعمال قوم سے بطرح چاہا
کر سکتے ہو مگر وہ مآخذ استاد کی جگہ ہماری جہالت اور لاعلمی دور کر نیوالے ہو سکتے ہیں ،
داخل دین ہو کر دین اللہ نہیں ہو سکتے نہ قرآن مجید کی قطعیت چھین سکتے ہیں - نہ اصطلاح
کی لاعلمی سے تمکو قرآن مجید کو مجمل کہنے کا حق ہو سکتا ہے - اگر میری تحقیق سے اتفاق ہو تو
تم آپ تحقیق کرو ، اور اوس تحقیق کو اختلاف آرا سمجھو ، جیسے اختلافات صحابہ - جسکی تحقیق
جسکے لئے تشفی بخش ہو وہی اوسکا ایمان ہے - ایمان تو تصدیق بالقلب ہی کا نام ہے -
اپنے ایمان کے خلاف کسی دوسرے کی بیرونی کفر فی الواقع ہے - تحقیق کو بہین منع نہیں

کرتا، مگر تحقیق اصطلاح سنیہم پوشی کر کے اندر کے لئے قرآن کو جو کچھ کہہ کر قرآن ہی کے
 خلاف ہے۔ ورنہ یہ کیسا ظالم ہوگا کہ خدا اپنی خاص اصطلاح میں نہ کو آیت عطا کرے اور
 اور مکی تفصیل اپنی اپنی چوڑی لے اور یہ نفراے کہ جتنے حکم نہیں آیا اور لکھا نہیں ہے وہی
 اور بنی صومانی اور علیہ وسلم قرآن مجید کی تبلیغ کیساتھ اسکی تفصیل کی تبلیغ فرمائی کہ
 حکم قابل تفصیل ہو، اور یہ چھوڑ جائیں علماء و متاخرین کے لئے۔ اور قرآن مجید یا ان کے لئے
 تبلیغ کیا جائے بسکی اطاعت نہ ہو، اور مطلوب ہو ایسے قرآن کی اطاعت کہ انہوں
 صا انزل الیکم قرآن مجید کی اتباع کرو۔ اور پوشش اعمال کے لئے کہ اس کے رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم جنی شان میں ہو عزیز علیہ، معاندتہ ایسے حکم یا فریضت مرفوع
 الرحیم وہ اور لڑتے قریبی ہوں وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا
 عددا القرآن معجورا اہ اسے خدا میری قوم نے قرآن چھوڑ دیا تھا اور بزدل سے
 اہمال قرآن کا عند نہ سنا جلتے اور وہ جہنم میں ہیونکھا جائے۔ جیسے کہ خدا نے فرمایا
 فویل للمشکین الذین لا یؤتوا الزکوٰۃ و انکم بالآخرۃ کم کافرون۔ جہنم ہے
 مشرکوں کے لئے، مشرک وہ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے کفر میں۔
 (رحم السجدہ ۱۷) زکوٰۃ نہ دیتے والا مشرک اسلئے ہوا کہ اوس نے خدا کی محبت میں
 مشرک کیا کہ محبت اللہ کا حق ہو اور اوس نے مال سے محبت کی۔ حاجت رد و اتقا خدا، اوسنے
 مال کو حاجت رد و اسچھا۔ آخرت کا کافر اسلئے ہوا کہ پرشش اعمال کا اوس نے یقین نہ کیا
 ورنہ یہ نتیجہ کار کو اوس نے نہ سوچا کہ زکوٰۃ نہ دینے سے قوی ہند خالی ہو جاتا اور
 قوی کے کام بند ہو جاتے ہیں۔ پھر جہنم کی آگ کی آگ کو کس طرح بچ سکتے ہیں
 مگر زکوٰۃ نہ دینے والے نے سمجھا کہ کشتی کو دھیرے دھیرے اٹھایا ہو، میرا مال مجھے

بچا لینگا، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے سمجھا تھا کہ پہاڑ ہم کو طوفان نوح سے بچا لینگا۔ اس نتیجہ کا رکونا مانا اور آخر کانفر ہوا۔

زکوٰۃ نہ دینے والا مشرک و کافر کہا گیا اور بعد اسلام کفر و شرک ارتداد ہو۔ اور مرتد کی سزا قتل و جہاد ہو۔ اسلی صول پر حضرت خلیفہ اول نے اولاً زکوٰۃ کا مطالبہ کیا۔ یہ تیرہ دن زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ وہ مرتد سمجھے گئے اور اسوجہ خلیفہ اول نے اون پر جہاد کیا۔ فی زمانہ زکوٰۃ کے نافرمان مسلمان جو اس نافرمانی پر پھر ہین وہ بھی اسکے مستحق ہو گئے ہین کہ اون پر جہاد کیا جائے۔

وہ فرقہ جسکی نسبت خدا و رسول سے ٹوٹ گئی ہے، اور اسکو قرآن مجید سے ہدایت طلبی میں کچھ فرقہ نہیں آتا، وہ ہمہ تن اپنے اعتبار و رہبان کی دلدادہ اور اپنے تجتہد و کج رسول سے بڑھکر درجہ دئے ہوئے ہے، وہ خلیفہ اول پر دیدہ دہنی سے معترض ہو کہ یہ اونکا مسلمانوں پر جہاد کیسا؟ اور سن نزدیک جو آیت او پر بیان ہوئی، وہ خدا کا کلام ہی نہیں، اور اوس کے نزدیک ارتداد کوئی جرم ہی نہیں۔ عجیب فرقہ کہ بھی قرآن سے سروکار نہ رہا اسلئے اسکو بھی ان روایتوں کی ضرورت پڑی کہ خدا نے خلیفہ اول کا دل مسلمانوں پر جہاد کے لئے کھول دیا تھا، اور آخر آخر خلیفہ دوم کا دل بھی اس جہاد کے لئے کھول دیا گیا، اور یہ بھی خلیفہ اول کے ہم زبان ہو گئے۔ اور یہ روایتیں کتاب حدیث میں داخل ہو کر حدیث ہو گئیں، اور حدیث کا عام مفہوم سمجھا گیا کہ قول و فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو مگر حدیث کی کتاب میں ہو تو وہ بلا شک شبہ قول و فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حالانکہ یہ حدیث رسول کی نہیں ہو سکتی کیونکہ خلیفہ اول کا جہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا فعل ہے۔ اس کے سوا ابو جہاد یا بابا ابو جہاد کسی کا

دل کھلنے یا نہ کھلنے سے کوئی اسلامی مسئلہ یا خدا کوئی حکم یا وہ بھی جہاد کا مستم یا نشانہ اور وہ بھی مسلمانوں پر جائز یا ناجائز نہیں ہو سکتا۔ دین میں جائز یا ناجائز وہی جو جسکو خدا جائز یا ناجائز کرے۔ اسلئے خلیفہ اول کا وہ جہاد دل کھلنے یا نہ کھلنے سے نہ تھا بلکہ وہ خدا کے عالم کی اوس آیت کی جو اوپر بیان ہوئی جان دے کر تعمیل تھی اور وہ مسلمانوں پر نہیں بلکہ وہ مشرکوں اور مرتدوں پر جہاد تھا۔ جب وہ قرآن مجید سے اس درجہ متبع تھے جب انہوں نے کہا تھا حسینا کتاب اللہ جیسا کہ نبی نے فرمایا تھا علیکم کتاب اللہ مصارف زکوٰۃ کی نسبت ارشاد خداوندی ہے۔ *انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ (توبہ ۱۰)* فریضۃ من اللہ کے کواثر ہے کہ یہ مصارف صدقہ مفروضہ کے بیان ہو رہے ہیں، اور صدقہ مفروضہ جس گناہ کرنے سے آدمی خدا فی مجرم ہوتا ہے وہ زکوٰۃ ہی ہے۔ غرض زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے۔ فقراء، مساکین، اعمال زکوٰۃ، تالیف قلوب، مصیبتوں سے آزاد کرنا، مقروض کا قرض داکرنا، فی سبیل اللہ یعنی قومی اور رفاہ کے کام، اور مسافر، انہیں زکوٰۃ کا مال صرف ہونا چاہئے۔

زکوٰۃ اک مذہبی اور خدائی خراج ہے، یہ قومی خزانہ ہے، یہ ہر طرح کی ترقیوں کا آلہ ہے، یہ پاک باطنی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، یہ خدا کا دلایا ہوا غریبوں حق ہے، یہ رفاہ دینی و دنیاوی کا ٹکس ہے جو شہنشاہ حقیقی نے باندھ دیا ہے، جو شاہی ٹکس نہ دے زہ باغی و کشر ہے، اگر دن زدنی ہے، جہاد کئے جائیں گے، حق ہے اور جو شاہی خراج ادا کرتا ہے، اور قانون شاہی کا پابند ہے، وہ قادر رعایا ہے، اوسکے جان مال کا بادشاہ محافظ ہے، یعنی میں کہ مال مر کے نقصان نہیں ہوتا۔

خامنه بآئندہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

والقرآن کلام اللہ

محمد بن رسول اللہ

لا الہ الا اللہ

نقہ

جس طرح صلوٰۃ و زکوٰۃ کیلئے خداوند عالم نے سخت سے سخت تاکید کی ہے، اوسی طرح نفقہ کیلئے بھی اوسنے کچھ کم تاکید نہیں کی ہے، مگر قوم نے اسکو کوئی ملحوظہ حکم نہیں سمجھا۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ کو تو دعاء اور پاکی کے لغوی معنی میں نہیں لیا اور اونکے منطرح معنی لیکر اونکو حکم مفروضہ خداوندی سمجھا۔ برعلاق اسکے نفقہ کو لغوی معنی میں سمجھا، اور ہر جگہ انفقو کے معنی لیا کہ خرچ کرو، اسلئے ہر خرچ کرنا حکم نفقہ کی تعمیل سمجھی گئی۔ حالانکہ صرف خرچ کرنا حکم نفقہ کی تعمیل نہیں ہے۔ رتدی، شراب، اور عیش و محاشی کے اخراجات کو کیا نفقہ میں اخل کیا جائیگا ہرگز نہیں۔ اور جو لوگ نفقہ کو مصطلح معنی میں سمجھتے ہیں، وہ مراد لینے کے عادی ہیں، اور انونے نفقہ سے بی بی کا کھانا کپڑا مراد لیا ہے، اور اب تو نفقہ بمعنی نان و نفقہ مستعمل ہے۔ حالانکہ احکام مالی کے متعلق زکوٰۃ اک متعین خراج ہے، اور نفقہ غیر متعین خراج۔ زکوٰۃ کا چند شرطوں کے ساتھ چند چیزوں میں بمقدار معینہ سالانہ خراج کے طور پر طوعاً و کرہاً ادا کیا جانا لازم ہے، اور نفقہ میں نہ شرط ہے نہ کسی چیز کی تعین۔ نہ مقدار ہی معین ہے، نہ اس میں سال و ماہ کی قید۔ بلکہ جس طرح زکوٰۃ طہارت و تزکیہ نفس کیلئے ہے، کہ تطہرہم و تزکیہم بہا (توبہ ۱۱) اوسی طرح نفقہ علی حبہ ہے خدا کی محبت میں دیا جاتا ہے، وہ تقرباً الی اللہ یا ابتغاء اہل رضات اللہ ہے جو موجب ہے تقرب الی اللہ۔ زکوٰۃ کیلئے ایک محدود قدرت شرط ہے، اور نفقہ تنگی میں بھی بہ اقتضائے حال دینا ہدایت خداوندی ہے۔ مصارف بھی زکوٰۃ و نفقہ کے

زکوٰۃ اور نفقہ قومی ترقیوں کی بنیاد ہے، بلکہ نفقہ میں ایثار کی اک صفت زیادہ ہے۔ غرض زکوٰۃ و نفقہ قومی فائدہ ہے جس قومی ترقیوں کے سارے چٹھے نکلے اور پھر اوس میں گھر گھر کو دریا اور دریا کو سمندر بنا دیتے ہیں۔ یہی وہ راس المال ہے جس میں دینی و دنیوی دونوں تجارتوں کی راہیں کھلتی اور دونوں تجارت کی منڈیوں کو گرم کرتی ہیں۔ مگر افسوس کہ مسلمان کی یہ دونوں منڈیاں اونٹنی کر تو اتوں کے سبب سوئی پڑی ہیں۔

نفقہ کے متعلق خداوند عالم نے طح طرح سے حکم دیا، طح طرح سے سمجھایا، اور مالہ و ماعلیہ کچھ نیچوڑا جو کھول کر بتا دیا، مگر افسوس کہ قوم نے قرآن مجید سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔

نفقہ کی نسبت فرمایا ہے۔ لَیَنْفَقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قَدَرَ عَلَىٰ مَنَاقِبَةٍ فَلِیَنْفَقْ حِمْلًا ۚ اِنَّهُ لَیَكْفُفُ اللّٰهُ نَفْسًا ۚ اَلَا مَا لَیْسَ بِاِیْہَا سَیْجَعُ اللّٰهُ بَعْدَ عَمَلٍ سَیْرًا ۚ چاہئے کہ ذی قدرت اپنی قدرت کے موافق نفقہ کرے، اور تنگ حال اوس میں جو خدا اوسے دے رکھا ہو، خدا نے جو کچھ دیا ہو اوس میں تو وہ مکلف کرتا ہو (وہ تکلیف مالا یطاق کچھ تھوڑے دیتا ہو) اگر تنگ دستی سے ڈرے تو خدا بہت جلد تنگ دستی کے بعد صورت آسائش پیدا کر دیگا (طلاق لے) لَیَكْفُفُ اللّٰهُ صَافِ نَفَقَہِ کِی فرضیت کو بتا رہا ہو۔ خدا نے نفقہ کا حکم دیکر انسان کو مکلف کیا ہو۔ تو اس کو بھی زکوٰۃ کی طرح کا اک فرض سمجھو مامور خداوندی۔

اپنی روزی میں جو کر سکو وہ پوشیدہ یا علانیہ نفقہ کیا کرو۔ اَلْفَقْوَامُ سَرَّ قُلُوبِہُمْ سَرًّا وَّ عَلَانیہ (سرا و علانیہ) اُن مصارف میں نفقہ کیا کرو جو آئندہ بیان ہوں گے۔

بقراء کا چھتیسواں اور ستیسواں رکوع نفقہ کے آداب و ہدایات کے متعلق ہیں بلحاظ اختصار میں ترجمہ ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

”یہ سمجھو کہ نفقہ سے تمہارا کچھ گھٹ جاتا ہو، بلکہ نفقہ فی سبیل اللہ کی مثال تو اس دانہ

جیسی ہو جس سے سات بالین اوکین، اور ہر بال میں سو سو دانے ہوں۔ جو لوگ نفقہ
فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور نہ اس کا احسان جتاتے اور نہ اس کے بعد تناتے ہیں وہ خدا کے
یہاں مابور ہیں۔ اس صدقہ سے جس کے ساتھ اذیت لگی ہو ترم بائیں اور درگزر کرنا کہیں
بہتر ہے۔ تو مسلمانو! احسان جتا کر اور اذیت دیکر اپنے صدقہ کو باطل نہ کرو۔ اور اون کے
سے نہ جو اوجور یا کاری سے نفقہ کرتے اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں
(جو حال جمعہ قاتی خیرات کر نیوالوں یا کسی کے مرے میں خیرات تقسیم کر نیوالوں کا ہوتا ہو کہ
زیادہ تر پیشہ ور فقیروں کو کھانا تقسیم کیا جاتا اور ڈنٹوں سے اون کی خبر لی جاتی ہو۔ اور
یہ دکھا دے کی رسم اور محض ریاکارانہ خیرات ہوتی ہی) مومنو! اپنی کمائی میں سے اور
اپنے پیداوار میں سے اچھا مال نفقہ کیا کرو۔ یہ نہ کرنا کہ خراب چیز نفقہ کرو جس کو تم بھی بغیر
چشم پوشی لینا گوارا نہ کرو (اسکی ہدایت چوتھے پارے کے شروع میں بھی آئی ہو کہ لن تنالوا
البرحتی تنفقوا عما تحبون ۵ ہرگز تم نیکی کے درجہ کو نہ پہنچو گے جب تک اپنی پسندیدہ
چیز نفقہ نہ کرو۔ سڑا، گلا، باسی بگڑا ہوا کھانا، پھٹے چٹے، ردی بیکار کپڑے، ٹوٹے پھوٹے
بے مصرف ردی چیزیں کیسے دینا صدقہ یا نفقہ نہیں نہ اس کا کچھ ثواب ہی۔ ثواب ملے گا بھی
تو ویسا ہی سڑا گلا پھٹا چٹا ہو گا۔ یا سڑا تخم اوگے ہی نہیں) تو اچھی چیزیں نفقہ کیا کرو
شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ اور خدا تم سے مغفرت اور برکت کا وعدہ فرماتا
ہے۔ جو کچھ تم نفقہ کرو گے وہ تم کو پورا پورا پہنچا دیا جائیگا۔ تم گھلٹے میں نہ رہو گے،
”اون فقر کو نفقہ دو جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ اسکی قدر نہیں رکھتے
کہ ملک میں چل پھر سکیں۔ بے سوائی کی وجہ سے انجان اونہیں معنی سمجھتا ہو مگر تم اون کو
اون کی صورت سے پہچان جاؤ گے۔ یہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مل سکتے، یہ تو خدا کا فرمان

ہو مگر قوم اونہیں کو دنیا نیکی اور موجب ثواب سمجھتی ہے جو فقر کا پیشہ کرتے اور طلب سوال کے ڈنڈے رسید کرتے ہیں اور خدا کی خدائی ہاتھ میں لئے بد دعاؤں سے ڈراتے رہتے ہیں۔

متقین کی تعریف خدا نے کی ہے۔ الذین ینفقون فی السراء والضراء الخیر جو توکل فرمے اور تنگدستی دونوں حال میں نفقہ کرتے ہیں (ال عمران ۱۶۱) نفقہ اتقا کا مالی ثبوت ہے اور ایمان و محبت مفروضہ خداوندی کی بین دلیل۔

مومن کی تعریف خدا نے کی ہے الذین یقیموا الصلوات وھما منہم ینفقون اولئک ھم المومنون حقاً۔ وہ جو نماز پڑھتے اور خدا کی دی ہوئی روزی میں سے

نفقہ کرتے ہیں یہی تو سچے مومن ہیں (الفال ۱۷۱) نماز و روزہ روحانی و جسمانی مجاہدہ اور دلیل ایمان ہے اور زکوٰۃ و نفقہ روحانی اور مالی مجاہدہ اور دلیل ایمان ہے

دلیل نے دعویٰ ثابت کیا تو اس فیصلہ کا مستحق ہوا۔ اولئک ھم المومنون حقاً زکوٰۃ تزکیہ کیلئے ہے اور نفقہ تقرب کیلئے۔ ویتخذ ما ینفق قربت عند اللہ

وصلوات الرسول الا انھا قریۃ لھم سید خالص اللہ فی رحمۃ۔ وہ جو نفقہ کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں اسکو تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور رسول کی دعاؤں کا

وسیلہ تو جان لو کہ بے شبہ یہ نفقہ اون کیلئے باعث تقرب ہے۔ عنقریب خدا اونکو اپنی رحمت میں داخل کرے گا (توبہ ۱۷۱) بے شبہ نفقہ جو تقرباً الی اللہ ہو وہ تقرب کا باعث

نفقہ تو کرو مگر نفقہ میں کل کا کل لٹا نہ دوا یہ بھی اسکی رضا کے خلاف ہوگا۔ اوس نے تو فرما دیا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ قدرت جتنے کی اجازت دے اوتنا ہی نفقہ کرو۔ اوس کے سوا بھی عباد الرحمن کی تعریف میں اوس نے فرمایا۔ الذین اذا انفقوا

يسأونك ماذا ينفقون ۵ قل العفو كذا لك بين الله لكم الايات لعلمكم
 فتفكر ون في الدنيا والاخره - تمسے ہوگ پوچھتے ہیں کہ کیا نفقہ کریں گے کہدو کہ جو بچ رہے
 اوس میں - ایسا ہی اللہ اپنی آیتوں کو بیان کرتا ہے کہ تم دین دنیا کے بارے میں فکر کرو
 (بقراءۃ ۲۷) دین دنیا کے بارے میں فکر کر نیکی معنی یہ ہیں کہ ایسا نہو کہ نفقہ ہی نہ کرو کہ دین
 میں کھانا اوٹھاؤ اور ایسا بھی نہیں کہ کل کا کل لٹا کر خود محتاج بن بیٹھو کہ دنیا میں کھانا
 اوٹھاؤ - بلکہ فاضل از احتیاج میں میانہ روی کی نگہداشت کے ساتھ نفقہ کیا کرو -
 یعنی لا تنس نصیبات من الدنيا واحسن كما احسن الله عليك ولا تبغ الفساد
 فی الامراض - خدا نے جو حصہ تمہارا دنیا سے لگا دیا ہے اوسکو بچو نہ جاؤ - اور احسان کرو
 جیسا کہ خدا نے تمہارا احسان کیا ہو - (اوس تمہارے احتیاج کو دیکھ کر بے مانگے تمہیں نعمتیں
 دی ہیں، یوں ہی تم بھی دوسروں کی ضرورت و احتیاج کو دیکھ کر بے مانگے دیا کرو) - ورنہ
 اسکی خلاف ورزی سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے تو دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ خدا مفسدوں کو
 پسند نہیں کرتا - (قصص) اگر احتیاج والوں کی خبر نہ لو گے تو وہ چوری، ڈاکہ، اور خون خرابہ
 پر تل جائیں گے اور اس فساد پھیلیگا - دوسرے پیشہ ور گدا گروں کو تاثری شرابیوں
 کا نجایا سود پر لگانے کیلئے نہ دو کہ یہ بھی فساد پھیلاتا ہے - ہر بے کام کی اعانت فساد پھیلاتا
 ہے - اسلئے سمجھو بوجھکر دو، اور یاد رکھو لا تنسوا الفضل بینکم آپس میں دے دلا کر بھلائی
 کہ نیکو نہ بھولو (بقراءۃ ۳۱)

المختصر صدقہ میں تو ہر نیک کام داخل ہے جو کسی کے ساتھ کیا جائے، اپنا ہو، پرایا ہو،
 غیر قوم ہو، کوئی بھی ہو، اور کسی طرح کی بھی نیکی ہو - نہ کوآہ کے آٹھ مصارف اور نہ کوآہ کے
 بیان میں بیان ہو چکے - اور نفقہ کے پانچ مصارف خدا نے فرما دیے یعنی والدین، اقربا،

تعلیم، مساکین، مسافر۔

صدقہ، زکوٰۃ، نفقہ، یتیموں کے احکام بیان ہوئے اور یتیموں کے مصارف بھی۔ مگر کسی یتیم بھی خدانے سیدوں کو نہ مانہ کیا، تو ہرگز حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدوں پر صدقہ و زکوٰۃ و نفقہ حرام نہ کیا۔ یوں استرازا کیا ہو کہ اجر رسالت نہ سمجھا جائے، مگر خود اتر آ کر نہ کرنا اور بات ہو اور حرام کرنا اور بات ہو۔ اولاً آپنے خدا کے حرام کئے ہوئے سے فاضل کچھ بھی حرام نہ کیا کیونکہ اس کے آپ حجاز نہ تھے۔ حرام کرنے کا حق خدانے اپنے ہاتھ میں رکھا کسی رسول کو حجاز نہ کیا۔ یہ بیان اوپر گزر چکا اور خدا کی یہ آیت بھی دی جا چکی۔ یا ایہا الذی لم تحرم ما احل اللہ لك۔ یہ بحث مفصل اوپر گزر چکی ہو۔ دوسرے صدقہ یا زکوٰۃ اور نفقہ کا مال گناہوں کا میل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے لئے اپنی اولاد اور بنی ہاشم کے لئے جائز نہ سمجھتے اور برابراتے وہ ہرگز آل محمد یعنی محمد والوں کیلئے بھی جائز نہ سمجھتے۔ خدا کے یہاں اعمال دیکھے جائیں گے سارا قرآن مجید اسی کا حامی ہو، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعمال ہی دیکھا۔ خدانے فرمایا ان اکرمک عند اللہ اتقکم۔ خدا کے نزدیک جو متقی تر وہ مکرم تر۔ اسمین ذات اور نسل کی کوئی قید نہیں۔ آپنے بھی حضرت زینب کا خروج حضرت زید سے کر کے اس کا عملی ثبوت دیا کہ جو متقی تر وہ مکرم تر، نسل و خاندان کا امتیاز اک تفرقہ انداز شے ہے۔ آپنے قبائل کی تقسیم توڑ دی، اور ذات بھات کے تفرقے مٹا کر مساوات قائم کیا، جو اصول تمدن کی بنیاد ہے۔ اور اعلان جاری کیا انما المؤمنون اخوة۔ سارے ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔ اس اصول کو کما حقہ برتا اور اسکی عملی تعلیم بھی دی۔ اور سب اسلام کے اک شتہ اخوت میں جوڑ دیا۔ اور منادی کر دی فلا انساب بینہم یومئذ ولا یتساءلون۔ قیامت کے دن نسب کام نہ آئے گا نہ نسب سے سوال ہی ہوگا۔ مگر قوم نے الطالح علی

رسول سے منسوب کر دیا کہ یہ حدیث ہے۔ اگرچہ اس قول کے حدیث تسلیم کر لینے سے ایک حد تک اور سیدوں کی طرح مجھ کو بھی گناہ کی رخصت مل جاتی ہے، اور بلا لحاظ اعمال کے نجات کی طرف سے اطمینان تام ہو جاتا ہے، اور اپنا ایمان بین الخوف والرجا کی جگہ سراسر جا رہا ہو جاتا ہے مگر قرآن مجید کے خلاف کیونکر اس حدیث کو فرمودہ رسول سمجھوں اور مطمئن ہو جاؤں۔ کل اہل ایمان کسب راہین کی آیت چہن لینے نہیں دیتی۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرک وہ من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرک کی آیت کر دے بدلنے نہیں دیتی۔ جزا دینے والا کسی کو بھی تو منہا نہیں کرتا۔

ذات بجات کی دیکھ بجال نہ مغفرت کیلئے ہے نہ صدقہ و زکوٰۃ و نفقہ کیلئے۔ خدا نے مستحق عہد کی مدد کی ہے چاہے وہ کوئی ہو۔ سیدوں کی کیا خطا کہ وہ اس مدرسے کمال باہر کئے جائیں۔ مصائب کے پھر کوئی نفع ہوں مگر قومی فتنہ کا دروازہ اون کے لئے بند ہو خدا جیسا سب کا ویسا سیدوں کا بھی۔ خدا اگر ان کے لئے قومی فتنہ کا دروازہ بند کئے ہوتا تو بالضرور وہ اور کوئی دروازہ کھول دیتا۔ ذات کا خیال ایک فرنی اور غرور کا پیدا کیا ہوا ہے جس کی اسلام نے بیخ کنی کی ہے۔ مگر قوم نے اوپر عمارتیں اوٹھائیں۔

سندوستان میں ہندوؤں کی صحبت سے اس خیال نے آور زور پکڑا ہے، اور ایسی

قوت حاصل کی ہے جس سے سمجھ دار اور بے سمجھ سب زیر ہیں۔ اسی نے شادی بیاہ کا دائرہ محدود کیا اور اسلامی اخوت کو خاک سیاہ کیا (اے خدا اس حیم کما میں بھی مرتکب ہوں معاف کر، میری اصلاح کر اور بخشدے) اسلام انسان کو ایمان و عمل کی ہدایت انسان کامل بناتا اور نجات ابدی کا وعدہ کرتا ہے۔ اگر کوئی سید مبتلائے گناہ و شرگ ہو، اور ایک حبشی غلام ایمان دار اور صالح ہو تو اسلام اوسے غلام کا طرہ قرار ہے، اور خدا

و رسول بھی اوسی کا حامی۔ و لعبد مومن خیر من مشرک و لواحجکم۔ عرض اس
 اصول کو یاد رکھو۔ خدا کے نزدیک متقی ترکم تر ہے۔ متقی سید ہوا شیخ ہوا مغل ہوا پٹھان
 ہوا، موچی ہوا، کلی ہوا، تو مسلم راجپوت، ڈوم، چار، کوئی ہوا، اگر اوس کے اعمال تم سے اچھے
 ہیں تو وہ میرے جوتے نہ اونٹھائے، اوسکے جوتے میری آنکھوں پر سیادت کے مغرور ہوا
 خدا اعمال دیکھتا ہے تم بھی اپنے اعمال ہی دیکھو۔ جو نبی کی اولاد نبی کی روش پر نہیں جکا
 اسلام حامی نہیں وہ اولاد نوح کی طرح عمل غیر صالح ہے۔ مین یہود و نصاریٰ کی طرح
 اسکا مدعی نہیں۔ قالت الیہود والنصریٰ نحن انباء اللہ و احیاء کلا ط ق ل ق ل
 یعذ بکم بذلک بل انکم بشر من خلق۔ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے
 بیٹے اور خدا کے پیارے ہیں، تو اون سے تم کہو کہ پھر کیوں خدا تمہارے گناہوں پر تمکو سزا
 دیتا ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ اوس کی مخلوق میں تم بھی اک بشر ہو۔

اس مضمون پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر مین موضوع سے باہر ہوا جا رہا ہوں میری
 غرض یہ ہے کہ صدقہ زکوٰۃ اور نفقہ سے سیدوں کو مستثنیٰ کرنا اونکی تعریف کر کے اونکو
 بیوقوف بنانا ہے۔

فأستو اب اللہ و برسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ

قرض حسن

خداوند عالم نے بقولہ کے ۳۶ و ۳۷ دین رکوع مین پہلے نفقہ کو بیان فرمایا ہے، جس کو
 مین نے بیان کیا۔ اوس کے بعد ۳۸ و ۳۹ دین رکوع مین دوا کو بیان کیا ہے۔ پھر ۴۰ دین رکوع مین قرض

بیان کیا ہو۔ مجھے بھی قرض کو ربوہ کے بعد بیان کرنا تھا، مگر میں قرض کو ربوہ کے پہلے اسلئے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس طرز بیان کے مسئلہ ربوہ زیادہ واضح ہو جائیگا۔

خدا نے حاجتمندوں کی مصیبتوں کا طرح طرح سے خیال کیا ہو۔ صدقہ، زکوٰۃ، اور نفقہ سے جس طرح اوسنے حاجتمندوں کی خبر لی ہو وہ بیان کی گئی۔ وفي القاب فرما کر قرض

داروں کی گردنیں بھی اسے ملکی کی گئیں۔ مگر زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف یہ ایک مصرف یتیمان قوم کے یا مکمل ناکافی ہے۔ کیونکہ قرض ایسی چیز ہے کہ اسے لازماً حیات سمجھو۔ اسنے نہ امیر بچ سکتا ہے، نہ غریب، نہ فقیر نہ بادشاہ، نہ زمیندار نہ تاجر۔ اسلئے خداوند

عالم نے قرض دینے کی طرح طرح سے ترغیب دی، اور اسکی ضرورت تھی۔ اگر قرض کا دروازہ بند کیا جائے تو کتنے زندہ درگور ہو جائیں، اور کتنی لاشیں بے کفن دفن پڑی رہ جائیں۔

چونکہ قرض بشت لازماً حیات ہے اسلئے خدا نے ترغیب ہدایت کی، اور جب اوسنے ہدایت کی تو دین کو ترکہ پر مقدم کر کے زر قرضہ کی حفاظت بھی کی۔ یعنی حیات تک قرض

خود ذمہ دار ہے، اور بعد ازاں ترکہ پر دین کو مقدم کر کے خدا ذمہ وار ہوا ہے۔ اوسکو ذمہ وار ہونا بھی تھا، کیونکہ وہ قرض دینے کی ہدایت اس شد و مد سے کرتا ہے کہ خدا کو قرض

رو قرض حسن۔ خدا کو قرض دینے کے معنی خدا کے بندوں کو قرض دینا ہے۔ اوس نے فرمایا۔ اقيموا الصلوة واتوا الزکوٰۃ واقراؤ الله قرضاً حسناً۔ نماز

پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو، اور خدا یعنی خدا کے بندوں کو قرض دیا کرو قرض حسن (مراہل)

قرض کے معنی یہ ہیں کہ قرض پر کسی طرح کا نفع نہ حاصل کرو۔ نماز و زکوٰۃ کے ساتھ ایک حکم قرض کا دینا بھی ہو جس قرض پر نفع نہ لیا جائے، اور تشدد نہ ہو، بلکہ اوسکو آسانی تک کی

مہلت دی جائے کہ یہ مفروضہ خداوندی ہے۔

زکوٰۃ و نفقہ جو دیا جاتا ہے اوس سے مالک مال کو تعلق نہیں رہتا، نہ وہ واپس ہوتا، نہ وصول کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ حکم خداوندی نکالا جاتا ہے، اسلئے یہ تعمیل حکم ہے کسی پر احسان نہیں، اسی لئے احسان رکھنے سے نفقہ باطل ہو جاتا ہے، اور اسی لئے ایسا مال جس کا نفع مالک مال کو اس دنیا میں بظاہر نہیں معلوم ہوتا، کم تکلیف اور خلق اللہ کی احتیاج کہیں زیادہ، اسلئے قاضی الحاجات نے قرض حسن کی راہ نکالی کہ صاحب مال کا مال بھی رہ جائے اور مخلوق کی حاجت روائی بھی ہو کرے۔

قرض حسن کی راہ کھول کر خدا نے قومی ترقی کی شاخیں بھی تمام دنیا میں پھیلا دی ہیں مگر سود کے چمچے نے ان شاخوں کو کاٹ ڈالا اور اتنا کہ درخت ہی کھوکھل ہو گیا۔ اگر تجار کو ایسے روپے ملا کر دیں جو تجارت سود کے زور پر ہوگی اور مہاجن کے بھروسے پر وہ آسکے سامنے بالیقین ماند پڑ جائیگی۔ اسی لئے خدا نے فرمایا۔ **من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضعہ لہ ولہ اجر اکہیم۔** ایسا کون ہو جو خدا کے بندوں کو قرض حسن دے، خدا اوسکو دونا دیگا اور اوسے معزز اور بھی ملیگا (الحدید ۱۷) تاکیدیاً پھر بھی فرمایا۔ **ان المصدقین والمصدقات** واقترضوا اللہ قرضاً حسناً یضع لہم ولہم اجر اکہیم۔ بے شک صدقہ کر نیوالے اور صدقہ کر نیوالیاں اور جنہوں نے اللہ کے بندوں کو قرض حسن دیا، تو وہ اون کے لئے دونا یا جائیگا اور اونکو عشرت کا ثواب ملیگا۔ (الحدید ۱۷) خدا کے یہاں بھی معزز، خلق اللہ میں بھی معزز، اور جس پر قرض دیکر احسان کیا اوس کے نزدیک معزز تر۔

لوگوں نے اقترضوا اللہ سے خدا ہی کو مقروض بنایا ہے مگر وہ نہ مقروض ہوتا، نہ مجبور ہوتا، نہ ایسی باتیں اوس کے شایان شان ہیں۔

جس طرح اسلام کے سارے احکام صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم و حج وغیرہ ازلی ہیں، اوسط

قرض دینے کا حکم بھی۔ یہ بھی کوئی نیا اور انوکھا حکم نہیں ہے۔ خدا نے بنی اسرائیل سے فرمایا۔
 قال الله اني معكم لئن اقمتم الصلوات و اتيتم الزكوات و امنتم برسلي و اتيتموا وصاتي
 و اقرضتم الله قرضا حسنا لا كفران عنكم سياكم ولا دخلكم جنت النعم۔ خدا نے کہا تھا کہ
 اہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے، اور میرے رسولوں پر
 ایمان لاؤ گے، اور ان کی مراد کرتے رہو گے، اور خدا کے بندوں کو قرض حسن دیتے رہو گے،
 تو ضرور ہم تم سے تمہارے گناہ اور برائیوں کو دور کر دیں گے اور تم کو جنت میں داخل کر دیں گے۔
 (المائدہ) لیکن بنی اسرائیل نے کیا کیا؟ جس طرح اور حکموں کی نافرمانی کی، اسی طرح اسکی بھی قرض
 بھی دیا تو اوپر نفع حاصل کیا، جو ربوا اور حرام تھا، جسکی امتناع خدا نے فرمادی تھی، دیکھا
 بیان ربوا کے بیان میں خود آئیگا۔

اے لوگو! قرض دیا کرو اور قرض حسن، کہ اخوت و ہمدردی کی پود و ثمر لائے، اور
 احسان کی بارش سے تمہاری آخرت کی کھیتی لہلہا اڑے۔ اوسنے فرمایا من والذی
 یقرض الله قرضا حسنا فیضعہ لہ اضعافا کثیرا ط واللہ یقبض ویسبٹ و الیہ
 ترجعون۔ کون ہو جو اللہ کے بندوں کو قرض حسن دے کہ اللہ اوسکے لئے اور کمال کی گنا
 بڑھائیگا۔ اللہ ہی تو تنگی اور فراخی بخشتا ہے، اوسکی طرف تو تمہاری بازگشت ہو (المائدہ)۔
 لیکن اوس کے حضور میں جانا ہے وہ سوال کریگا کہ میرا بندہ ایسے شدید احتیاج سے مجبور
 اور نالاں تھا تنہ میری خلافت کیسی انجام دی کہ صدقہ و نفقہ دیکر نہ سہی قرض حسن ہی
 دیکر نہ سہی باوجودیکہ تم اوسکی مدد کر سکتے تھے کیون تنہ مدد نہ کی، اور اسلامی ہمدردی کا کیوں
 خون کیا۔ جو کچھ تمہارے پاس تھا یہ تو میں ہی دیا تھا، اور میں نے ہی حاجت روائی خلق
 کیلئے قرض حسن دینے کا فرمان بھی بھیجا تھا، پھر یہ نافرمانی کیسی۔ کیا تم سے ہم نے نہ کہا تھا

ان تقرضوا اللہ قرضاً حسناً یضعفہ لکم ویغفر لکم۔ اگر تم خدا کے بند کو قرض سن دو گے تو خدا تمہارے لئے اوسکو دو چیز کر دیگا اور تم کو بخش بھی دیگا۔ (التغابن)
خدا نے احتیاج و تنگدستی کا خیال کر کے قرض حسن کی راہ کھولی تو داس کے مال کی بھی پوری نگہداشت کی، کہ حاجتمند کا کام بھی نکلے، اور صاحب مال کا مال بھی محفوظ رہے۔ جوہم کا اونچا لیسوان رکوع اسی بیان میں ہے۔ قرآن مجید اوٹھا کر دیکھ لو، مین بلحاظ طوالت نقل نہیں کرتا مگر قیمت در ترجمہ لکھ دینا ضرور ہے۔

”اے ایمان والو! واجب قرض کا لہجہ میں میعاد معینہ تک کیلئے کرو تو اوسکو لکھ لیا کرو اور ضرور ہے کہ لکھنے والا عدل و انصاف سے لکھے۔ جو لکھنا جانتا ہو وہ کتابت انکار کرے اور مضمون بتائے مریون اور خراسے ڈرتا رہے، اور اوس میں کاٹ بچاٹ نکرسے، اگر مریون کم عقل یا کمزور ہو، یا خود لکھو نہ سکتا ہو تو اوس کا مختار عدل و انصاف سے لکھواتا جائے، اور اوس پر دو مردوں کی گواہی بنوایا کرو کہ یہ نہ تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سہی، جبکو تم پسند کرو، تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو اوسکو دوسری یاد دلائے اور گواہ جب گواہی کو بلائے جائیں تو انکار نکریں۔ میعاد ہی معاملہ چھٹا ہو یا پڑا اوسکے لکھ لینے میں کاہلی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ کارروائی ہے، اور گواہی کیلئے نہایت النسب کم سے کم تمکو شبہ نہ نہ واقع ہو گا۔ ہاں اگر سودا دم نقد ہودت بدست تو لکھو نہ لکھو، اور سو کرنے میں گواہ تو کر لیا کرو۔ اور گواہ یا کاتب کوئی نقصان نہ پہونچایا جائے، ایسا کرنا گناہ ہے۔ اللہ سے ڈرو، وہ تمکو سکھاتا ہے، اور وہ ہر چیز کا دانائے حال ہے۔ اگر تم سفر میں قرض لو اور کاتب نہ ملے، تو کچھ گروہی ہوئی چاہئے، جس پر قبضہ بھی ہو۔ اگر کوئی ایک دوسرے پر اعتماد کرے تو جہر اعتماد کیا گیا ہے

دوسکو چاہئے کہ دوسرے کی امانت ادا کرے، اور خدا سے ڈرے اور شہادت نہ چھپائے
 چھپائیگا تو اوس کا دل گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تو تمہارے حال کا کماحقہ دانائے ہے،
 اے لوگو! جہاد مالی کی ساری قسموں میں خدائی اصول کو بھولنا نہ چاہئے یعنی صدقہ
 نفقہ، زکوٰۃ، قرض حسن جو کچھ دو وہ ریاکاری سے نہیں نیک نیتی سے دو، کیونکہ ہر کام
 کی بنائیت پر ہے۔ من یرد ثواب الدنیا لو تمہ منہا ومن یرد ثواب الاخرۃ لو تمہ
 منہا۔ جیسی نیت ویسی برکت، جیسا تخم ویسا پھل۔ اسی طرح دوسرا حوال بھی نہ بھولو
 کہ جو کچھ دو لوجہ اللہ دو، یہ نیت نکرہ کہ اس احسان سے تم کو فائدہ پہونچیکا۔ لا تمن
 تستکشا باین نیت نہ احسان کرو کہ تمہاری بڑھتی ہوئی (مداثر)

خدا نے قرض حسن دینے کی کس درجہ تاکید فرمائی ہے اور اپنے ساتھ منسوب کر کے
 قرض دیکر اوس پر منافع اور سود لیکر جائت مند ملیوں کے خون چوستے کو نہیں فرمایا
 کہ یہ ربوہ ہے۔

فَامْنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا

وَالْقُرْآنَ کَلَامَ اللّٰهِ

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ربوہ

ربوہ کی حرمت بھی قرآن مجید سے صریحاً ثابت ہے۔ خدا نے فرمایا۔ احل اللہ البیع
 وحرم الربوہ۔ خدا نے بیع کو حلال کیا، اور ربوہ کو حرام (بقرہ ۲۷۵) اس کی حرمت میں
 تو کلام ہو نہیں سکتا، صریح آیت موجود ہے۔ رہا یہ کہ ربوہ تھا کو نسا معاملہ جو حرام ہوا۔
 ربوہ کو کوئی خاص خدائی اصطلاح تو ہے نہیں، قومی اصطلاح ہے۔ یہ معاملہ قوم میں

جاری تھا، اور اسکی حرمت سارے ادیان میں تھی، اسلئے یہ کوئی نیا اور انوکھا لفظ نہیں۔ قوم اس اصطلاح سے واقف تھی، ربو اکھا کیا، وہ سمجھ گئی، یہ سوال پیدا ہی نہوا کہ ما الہ ربوا۔ نہ مخالفوں ہی نے اس کا غلط فہم کیا کہ بے معنی لفظ بھی بولا جائے، اور اسکو خدا کا حکم کہا جائے، تعجب اور حیرت ہے۔

دین اسلام ازنی تو اسکا حکم بھی ازنی۔ سارے احکام سب دینوں میں ایک ہی تھے، تو ربو اکھی امتناع بھی ہر دین میں تھی۔ خدا نے فرمایا فبظلم من الذین ہادوا حرمنا علیہم طیبات اہلک لہم واجلہا ہم عن سبیل اللہ کثیرا واخذہم الہ ربوا وقد نہوا عنہ (نساء ۲۳) اس آیت کے آخر کلمہ سے میرا مطلب ہے۔ خدا نے یہود کا ظلم کیا ہے، اوسمیں فرمایا ہے۔ واخذہم الہ ربوا وقد نہوا عنہ ایک ظلم اونکا سود خوری بھی تھا جس سے وہ منع کئے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ربو اکھی حرمت پہلے سے آ رہی ہے۔ اسلئے یہ لفظ مصطلح ہے، کوئی انوکھا لفظ نہیں، جس سے قوم ناواقف ہو۔ اور جب قوم واقف تھی تو اجمال نہیں حکم صریح اور واضح ہے۔

الذین یا کلون الہ ربوا۔ جو خدا نے فرمایا یہ بھی بتا رہا ہے کہ لوگ ربو اکھا تھے جب تو حرام کیا گیا۔ ورنہ ربو معلوم نہ تھا تو حرام کیا کیا گیا، صرف لفظ۔ خدا نے فرمایا ذموا ما باقی من الہ ربوا۔ جو سود باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دو۔ (بقرہ ۲۱۸) جب قوم ربو اسے واقف ہی نہ تھی تو وہ چھوڑتی کیا، اور اسکے چھوڑ دینے کا حکم کیسا۔ اور واقف تھی تو اجمال کیا کیا رہا۔ جیسے خدا نے زنا، سرقت، جھوٹ، اغیبت، ظلم، صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ کی نسبت احکام صادر کیا، اور انگریزی قانون کے مطابق تعریف کسی ایک اصطلاح کی بھی بیان نہ فرمائی۔ کیونکہ قرآن مجید مصطلحات کی کتاب نہیں بلکہ مصطلحات قوم میں نازل ہوا ہے

اوسیطرح خدا نے ربوا کو بھی بیان فرمایا اکیونکہ قوم اس لفظ اور اس معاملہ سے کما حقہ واقف ہے۔

ایسے حال میں خلیفہ دوم کی وہ حدیث کس طرح صحیح ہو سکتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، اور ربوا کا معاملہ نہ پوچھنے کے سبب ناصاف اور مجمل رہ گیا۔ حالانکہ ناصاف کیا رہا۔ ربوا کا معاملہ جو قوم میں جاری تھا، اور جسے ہر کوئی سمجھتا تھا، اور جسے بوجہ افراد قوم میں سے ہونے کے خود خلیفہ دوم نے بھی سمجھا ہوگا، وہ حرام ہوا۔ نہ اوس زیادہ، نہ اوس کم۔ پھر ناصاف کیا رہا۔ خدائی احکام ہرگز ناصاف نہیں ہوتے۔ اسلئے وہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی، افرمودہ خلیفہ نہیں ہو سکتی۔

ربوا کی نسبت جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں، بعض کی تو صحت میں کلام ہو۔ جنکی صحت میں کلام نہیں وہ پانچ ہیں، جو حقیقت میں ربوا کو نہیں بیان کرتیں۔ ان پانچوں حدیثوں کا مطلب گویا ایک ہی ہے۔ مثلاً "جو بعوض جو۔ گیہوں بعوض گیہوں۔ سونا بعوض سونا۔ چاندی بعوض چاندی نہ سب جو، کیونکہ اسمیں جو زیادتی ہوگی وہ ربوا ہے، اس میں اپنے ربوا کی تعریف یا تفسیر نہیں فرمائی، بلکہ بلفظ لا تبایعوا فرمایا یعنی یہ حدیث بیع کی نسبت ہے ربوا کی نسبت نہیں۔ دوسرے بیع جنس بالجنس بالکلیساوی تو ہو ہی نہیں سکتا یہ تو فعل لغو ہوگا اسلئے اپنے اودھار بیع کی نسبت فرمایا ہو یعنی اودھار بیع جنس بالجنس اگر فصل و زیادتی کے ساتھ ہوگی تو وہ ربوا کی علت حرمت لا تظلمون ولا تظلمون کے حد کے اندر داخل ہو کر بیع فاسد ہو جائیگی۔

پھر یہ بات بھی سمجھنے کی ہو کہ اگر یہ حدیثیں ربوا کو بیان کرتی ہیں، تو خلیفہ دوم وانی حدیث صحیح نہیں ٹھرتی۔ اگر وہ صحیح ٹھرتی ہے تو یہ حدیثیں ربوا کے اجمال کی کھولنے والی

نہیں ٹہرتی ہیں۔

مفسر حدیثین اجمال کی کھولنے والی تہیں، اور قرآن طہرا مجمل، انوکھ روچ، افسوس کا مقام ہو گا کہ جرم تو ایسا جس کا مجرم محاربہ خدا و رسول کیلئے لٹکا رہا جائے، اور وہ جو مجرم نہ ہو نہ کا جائے۔ اور اسکو جرم بنایا ہی نہ جائے کہ وہ کس ایسے جرم کا مجرم ہو سکتا ہے جسکی یہ سزا ہے، جو سزا کافروں کی ہے۔ یہ خدائی سلطنت اور خدائی راج ہے، کیا انداز بھی ہو سکتا ہے چوپٹ راج ہے۔ خدائی احکام ایسے نا صاف نہیں ہو سکتے۔ کسی معاشرہ کی تحقیق سے اگر عجز ہو، تو اسکا باعث لاعلمی ٹہر سکتی ہے، مگر اس سے خدا کا کام انجیل نہ ہو جائیگا۔ معاملہ ربوہ کی تحقیق کروا قرآن مجید کو مجمل کیوں کہو۔

اصطلاح ربوہ ابھی اک قدیمی اصطلاح ہے۔ توریت۔ کتاب خروج صفحہ ۲۲-۲۵۔ اگر تو نے شعبی فقیر کو قرض دیا جو تیرے پاس ہو تو اس سے سود خوری کا معاملہ نہ کرو، اور اوپر ربوہ نہ چڑھا، یعنی ربوہ قرض پر منافع حاصل کرنا تھا۔ کتاب تثلیث میں ہے۔ اپنے بھائی کو ربوہ کی شرط پر قرض نہ دے۔ یعنی ربوہ قرض پر منافع حاصل کرنا تھا۔

انجیل۔ لوقا۔ ورس ۳۵-۱ اپنے دشمنوں سے محبت کرو، احسان کرو، اور تم کو قرض دو۔ در انحالیکہ اور کسی قسم کی زائد امید نہ رکھو، تو تمہارا اجر بڑا ہو گا، اور تم خدا کے بیٹے ہو گے، یعنی قرض پر نفع نہ کرو۔ خدا کی قدرت کہ محرف کتابوں میں بھی مصطلح الفاظ کچھ نہ کچھ رہ ہی گئے۔

توریت میں لکھی جگہ ربوہ کی مانعت آئی ہے مثلاً۔ لا تقراض برؤا۔ ربوہ پر قرض نہ دو۔ خدا کی شان۔ توریت و انجیل میں حکم امتناعی رہتے ہوئے بھی یہ دونوں توہین

برائواری میں کامل اور مسلمانوں کی اوستاد نکلیں۔ خیر اور نکاح کیا اون کے ساتھ میری عرض صرف اتنی ہے کہ توریت و انجیل سے قدیمی اصطلاح تو معلوم ہوئی کہ معاملہ قرض میں جو منافع حاصل کیا جاتا تھا وہ ربو اکھلاتا تھا، اور وہی ممنوع ہوا۔ موجودہ توریت و انجیل سے صحیح ترتیب مذہبی یعنی حدیث میں بھی موجود ہے کہ حضرت ابن ابی اسامہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے براین عبارت روایت کی ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفی عن قرض جرفاً نفخاً۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس قرض سے جس میں نفع جاری ہو منع فرمایا۔ ایک اور حدیث ہے۔ کل قرض حق منفعۃ فہو ربو۔ ربو اکی تعریف آپ نے فرمادی کہ کل قرض جس میں نفع جاری ہو وہ ربو ہے۔ کیا اس ربو کی اصطلاح نہیں واضح ہوتی۔

ابن جریر نے طبری میں بروایت مجاہد۔ تیز روایت قتادہ۔ روایت ابن زید۔ نیز تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر امام رازی۔ اور حجة اللہ البالغہ میں سبے ایام جاہلیت کا ربو جو عرب میں مروج تھا یہ لکھا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد گذر جانے پر مدیون سے مطالبہ کرتے تھے کیا تو روپیہ دیدو یا اس المال سے زیادہ دینا قبول کرو تو ہمت لے لو۔ یا مدیون کہتا کہ تم میری میعاد بڑھا دو میں تمہارا مال بڑھا دیتا ہوں۔ یہی زیادتی جو ز قرضہ پر ہوتی تھی، اور یہی اضافہ جو اس المال پر ہوتا تھا ربو اکھا جاتا تھا۔

توریت و انجیل حدیث و تفسیر سبے اصطلاح ربو کو بلا اختلاف واضح کر دیا کہ ربو ز قرضہ پر منافع حاصل کرنا تھا۔ تو یہی حرام ہوا۔ اس میں اجمال کیا ہوا۔ اب قرآن مجید کی طرف توجہ کرو۔ میں ربو کے متعلق کل آیتوں کو تو لکھو نگاہی تاکہ

تدبر و تفکر میں سہولت ہو، اور حکم الحاکمین منکشف ہو جائے۔ مگر ربوہ کے قبل اور بعد کی آیتوں پر بھی توجہ کرو، تو اشارۃ النص سے ربوہ کی اصطلاح قرآن مجید سے بھی وہی واضح ہوگی جو اوپر بیان ہوئی۔

سورہ بقرہ کے ۲۷۱ و ۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴ یہ چاروں رکوع قابل توجہ ہیں۔ رکوع ۲۷۱ و ۲۷۲ میں صدقہ و نفقہ کے متعلق ترغیب و ہدایات ہیں۔ رکوع ۲۷۳ ربوہ کے متعلق ہے۔ اور رکوع ۲۷۴ قرض کے متعلق۔ صدقہ و نفقہ کا بیان ہو چکا۔ قرض کی ضرورت بھی دکھائی گئی، اور اس کا بیان بھی ہو چکا، مگر قرض اوس وقت نفع بخش و دافع مصیبت و آلام ہو سکتا ہے جب اوس پر نفع اور سود نہ چڑھایا جائے، اور نہ وہ خون آشام اور تباہ کن ہوگا۔ اسی لئے خدا نے رکوع ۲۷۴ میں قرض کی ہدایت کے پہلے قرض پر منافع حاصل کر نیکو نہایت سستی سے منع فرمایا ہے کہ یہ سود ہے اس سے بچو اور اس سے بچکر قرض دیا کرو۔ پھر رقرضہ کی حفاظت اور وثیقہ قرض کے متعلق ہدایتیں فرمائی ہیں۔ جو بیان ہو چکین۔

معاملہ قرض میں ایک نیکی نہیں نیکیاں مضمر ہیں۔ راس المال قائم کا قائم، اور دوسرا نفع۔ حفاظت مال سے سبکدوشی ہوئی، اور قومی بھلائی یا تحقیق ادا ہوئے، اور حق ہمدردی ادا ہوا۔ اپنا کچھ گھیا نہیں، اور بدیوں پر احسان۔ دوسروں کے دلمیں اپنی محبت پیدا ہوئی، اور اپنے کو تقرب خداوندی۔ اسی لئے قرض دینے کا اجر بھی بڑا ہے۔ اور گھر بیٹھ جاکر دل بدست آور کج اکبرست۔ پھر کوئی قرض پر سود ٹھہرائے، تو ظاہر اوس وقت کام تو کلام دیون کا مگر درحقیقت یہ ظلم ہوا ادا سن کا۔ بظاہر تو رفاہ ہوا، مگر درپردہ یہ خون آشامی ہوئی۔ یہ ظلم ربوہ ہے۔ یہ ربوہ احرام ہونیکے

لایق ہے۔ اسلئے حرام ہوا۔ اور حرمت کی علت بھی خدا کے بتادی لا تظلمون
ولا تظلمون۔ نہ تم کسی کا گھانا کرو، نہ تمہارا کوئی گھانا کرے (بقرہ ۱۸۸) زرقضہ پر
نفع لینا نہ اہل مال کو جائز کہ ظلم ہوگا۔ اور دینار مال کو ہضم کرنا مریون کو جائز
کہ یہ بھی ظلم ہوگا۔ جو دائن پر ظلم ہو وہ بھی حرام، جمیون پر ظلم ہو وہ بھی حرام۔ اسلئے
مریون کو بغیر مجبوری وعدہ خلافی کرنی جس دائن کا نقصان ہو ظلم ہوگا اور حرام
قرآن مجید میں ربوا کے متعلق مفصلہ ذیل آیتیں ہیں۔

۱۔ الذین یا کلون الربوا لا یقومون الا کمایقوم الذی یتخططہ الشیطن
من الممس ط ذلک بانہم قالوا انما البیع مثل الربوا و احل اللہ البیع و حرم الربوا
فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتہی قلبہ ما سلف و امرہ لا الی اللہ و من عاد
فاولئک اصحاب النار ہم فیہا یدخلون ۵ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن
اوس شخص کے مانند کھڑے ہوں گے جسکو شیطان نے اپنے جھپٹکے خطا کھواس کر دیا ہو۔
اور نکاحیہ حال اس سبب ہوگا کہ وہ کہتے تھے کہ بیع مثل ربوا کے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔
خدا نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا کو حرام۔ تو جس کسی کو خدا کی ہدایت پہنچ گئی اور وہ
ربوا سے رک رہا، تو برگزشتہ صلوٰۃ اوس کا خدا کے حوالہ ہے، اور جو کوئی پھر سود کھا
تو وہ اہل جہنم ہے، اور وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہیگا۔ (بقرہ ۲۷۵) اللہ اللہ یہ حقوق عباد کی
نگہداشت ہے کہ سود خواری کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا کا فرمی سزا قرار پائی ہو۔ اس آیت
مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) یا کلون الربوا سے واضح ہوتا ہے کہ حکم ربوا مریون کے متعلق نہیں۔ مریون تو
کچھ نفع کھاتا نہیں۔ البتہ دائن دینار مال سے فاضل کھاتا ہے۔ تو یہ آیت دائن کے

متعلق ہوئی کہ وہ سود نہ کھائے۔ مریون تو غرض اور ضرورت کا یا و لا قرض کا
خواہان ہو گا ہی، یہ تو دائن کو لازم ہے کہ وہ مریون مجبور پر سود کی تلوار نہ چلائے
کہ مرے پر سود لے۔

(۲) ربو کے لغوی معنی زیادتی اور نفع کے ہیں، تو ہر نفع حرام نہیں، بیع کا نفع
حلال ہے، اور زرِ قرضہ پر نفع ربو اور حرام۔ احل الله البيع وحرم الربوا۔
(۳) ربو کو منفعہ فرما کر خدائے فرمایا۔ فمن جاءكم بوعظۃ من ربہ۔ تو خدا کی
موعظت مجمل ناقابلِ تعمیل نہیں ہو سکتی۔ ایسی موعظت جو سمجھ سے باہر ہو رحمت نہیں رحمت
ہے۔ اس لئے مسئلہ ربو مجمل اور ناصات نہیں ہو سکتا۔

(۴) پہلے جو سود کھا چکے وہ معاف، اب جو سود کھا گیا وہ جہنمی ہو، خلود فی النار کا مستحق
اگر قرآن کو مجمل مانو، اور بالخصوص ربو کو مجمل تر تو تعجب کا مقام ہو گا کہ خدائے عادل
و رحیم سود کو تو بتائے نہیں، اور سود خواہ کو جہنم میں جھونک دے۔

لعلی یحقی الله الی ربو ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفاس اثمہ خدا
ربو کو گھٹاتا اور صدقہ کو بڑھاتا ہے، اور خدا ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا (بقہ ۳۸)
اس آیت سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ظاہر ربو امین بڑھتی ہے، مگر اس کو خدا گھٹاتا ہے۔ اور ظاہر صدقہ میں گھٹاتا
ہے مگر خدا اس کو بڑھاتا ہے۔

(۲) سود کھانا گناہ، اور خدا کی دی ہوئی دولت کی ناشکری ہے، تو ایسا ناشکرہ خدا کو
پسند نہیں۔ اسی کفرانِ نعمت کے سبب اوپر کی آیت میں سود خواہ کو خلود فی النار کا حق ٹھہرایا
اسے میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خدا کس طرح ربو کو گھٹاتا اور صدقہ کو بڑھاتا ہے

حالانکہ بظاہر ربو امین فاضل مالگاتا اور صدقہ میں مال ہاتھ سے جاتا ہو۔ حقیقت میں افزائش اور بڑھتی ہاتھ سے نکلنے ہی میں ہو۔ کسان تخم نہ ڈالے، تاجر کانٹھ سے روپے نہ نکالے، تو نہ زراعت ہو نہ تجارت، کاروبار عالم ہی درہم و برہم ہو جائے۔ مال محزون ہو سکے نہیں وہ بجز امید و ناکامی کا سبز باغ دکھانیکے اور کس کام کا۔ اوس سے اور بڑی سے فرق نہیں پڑتا نہ سے نکلا، تو عالم کی آراش کی کا باعث ہوا۔ اسلئے مال و زر کے لئے چلتا پھرتا ہی رہنا فائدہ بخش ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہو کہ زر و مال جیسے کام میں لگایا جائیگا، ویسا پھول پھل لائیگا۔ اب لیکھو۔ صدقہ کیا ہو، مال لوجہ اللہ نکالنا۔ اور ربو کیا ہے، قرض دیکر معاوضہ احسان میں مال بلا عوض للنفس لینا۔ اوس میں رحم و ایشاء ہے، اور اس میں ظلم۔ صدقہ سے حسین زکوٰۃ، نفقہ، قرض حسن، سب داخل ہیں قوم مستفیض ہوتی ہو۔ اور قومی نفع بلا شبہ مستقل، اور افزون، فیض بخش و فیض رسان، اور موجب برکات ہے۔ اور ربو اسے اپنا نفس شمتع ہوتا ہے۔ اور نفس کا شمتع جو عدل کے خلاف ہو، جس میں اساک کی صورت، بخل کی ظلمت، ظلم کا رنگ، ہوس کی افزونی ہو، وہ شرافت، کھونیوالا، غیرت ڈبوئیوالا، اندر کا غلام، اور زہر پست بنا کر، ہر طرح اور ہر پہلو سے اپنا، اپنی اولاد کا، اقران کا، پیوس کا، قوم کا، ملک کا، اور خدا و رسول کا حق تلف کر کر، اور حق تلفی پر بے حیا بنا کر سب کا ہی مجرم بنا دیتا ہے۔ اسلئے خلاق فطرت نے فرمادیا۔ یحییٰ اللہ الہ ربو او ربی الصدقات۔ دیکھ لو اخلاق و تمدن کا کھانا تک خون ہوا۔ بھائی بھائی سے، بیٹا مان باپ سے سود لینے لگا، کہ قرض لینے کوئی کیوں دے، اور مان باپ کو بے سودی دیکر بھائی بہنوں کا نفع کوئی کیوں کرے۔ کیا ایسی چال سے خاندان تباہ و برباد نہیں ہوتا۔ بینکوں پر خیال نہ کرو۔ یورپ کے بینک تو

اگر تم کو ایمان ہو۔ اور ایسا نہ کرو تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر توبہ کرو تو تمہارا راسل ہمال ہی ہو زیادہ نہیں۔ نہ تم کسی نقصان کرو نہ تمہارا کبھی نقصان کرے۔ اور اگر مدیون تمہارا غریب مفلس ہو تو اس سے سہولت تک کی مہلت دو کہ وہ یہ آسانی ادا کر سکے۔ اور اگر چھوٹے ہی دو تو کیا کہنا یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو (بقیہ)

اس آیت سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

- (۱) ربو احرام ہو اتو ابتک جسکا سود کسی کے ذمہ باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دے اور پھر کبھی دہ کھا
- (۲) کوئی کسی کو قرض دے تو نہ رقبہ اور نہ اس مال کا کسی کا مستحق ہو اس سے زیادہ کا نہیں
- (۳) ربو اکی حرمت کی علت خدا نے بتا دی لا تظلمون ولا تظلمون نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔ یہی اصول ہو جس پر حرمت ربو اکی بنیاد ہے۔ اس اصول کو اصول اخلاق پر بھی جانچو تو پتہ لگے گا کہ خدا کے اصول کی کڑیاں قانون فطرت کی ایک سلسلہ کھینچی ہو۔ اصول اخلاق جو خدا نے تعلیم کیا ہو وہ ہیں منہاج النجی میں اخلاق کی زیر سرخی بیان کیا ہو کہ وہ نعمائے الہیہ صحیح استعمال ہو۔ لتسئلن یومئذ عن النعیم۔ خداوند عالم نعمائے الہیہ کے جائز و ناجائز استعمال کا سوال کریگا۔ نعمتوں میں سب ہی داخل ہیں۔ ہماری طرح تو تین ہوں تو۔ مال دولت ہو تو۔ غرض انہیں نعمتوں میں ہمارے سارے صفات بھی داخل ہیں، جنہیں صفت عدل کہہ بھی ہو جسکی پناہ میں نیا چل ہی ہو، اگرچہ نفسانی خواہشوں میں آگے خلاف و رذی بھی کر جاتی ہو۔ تو جب طرح جان کدے جان، مال کدے مال، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت عدل انصاف کا حکم ہو، او سی طرح عدل انصاف ہی ہے کہ جب قدر مال قرض دو او سی قدر واپس لو، اس سے زیادہ نہ لو۔ مجبور ہو کہ تو اس قرض لیا مجبور پر اور جبر کیسا۔ ہاں رحم کا یہ اقتضا ہو سکتا ہے کہ کچھ لوسی نہیں اور مجبور کو معاف ہی کر دو۔ ضرورت کے باولے مدیون کو قرض

دیکر زیادہ لینا سرسخت خلاف عدل و برہمچی ہو۔ اصول ربو اور اصول خلاق دونوں کے خلاف۔

عدل کا اقتضا مساوات کا ہو اور رحم کا اقتضا معافی کا۔ یہی اصول نیا کے ہر کام میں چاہی ساری

(۴) اگر تمہارا مدیون غریب مفلس ہو تو اس سے فراخی تک کی ہمت روا اور اس کی مجبوریتوں

رحم کھا کر چوڑھی دو تو کیا کہنا۔ خدا تو مدیون پر رحم کھا کر ہر بانیان کر رہا ہے اور اس چاہتا

ہے۔ اس مال سے زیادہ لیکر ظلم کرنا یہ کب روا ہو سکتا ہے۔

(۵) یہ آیت ربو کے متعلق ہے تو اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ربو معاملہ قرض میں

ہوتا تھا جیسا کہ اصطلاح ربو کی تحقیق اوپر بیان ہوئی۔

(۶) یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ربو اغریہوں ہی لینا حرام ہے امیر و غنیں کو چونکہ خدا کا کئی نعم

بھی امیر و غنی کے تفرقہ کے ساتھ نہیں آیا۔ ربو اہرام قطعی ہے چاہے مدیون امیر ہو یا غریب

عام طور پر ربو اہرام کے خدا فرماتا ہے۔ وان کان ذو عسر فامحسرا اگر مدیون تنگ حال ہو تو اس کو

فراخی تک کی ہمت دو وغیرہ وغیرہ۔ اگر ربو اغریہوں ہی سے کرے ہوتا تو خدا وان کان ذو عسر فامحسرا۔

یا ایہا الذین آمنوا لاتاکلوا الربوا مضاعفا مضاعفا ط واتقوا اللہ لعلکم

تو حشون۔ ایمان والو اسو در سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ (ال عمران ۱۲۰)

سود کو اصل میں ملا کر اس کا بھی سود لینا اضعا فامضاعفہ سود در سود ہے۔ لوگ سود کھاتے تھے

اور سود در سود بھی کھاتے تھے۔ خدا نے اسے بھی مخصوص کر کے حرام کیا۔ کیونکہ سود گناہ تو سود

در سود گناہ عظیم ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ خدا نے جہاں جہاں سود حرام کیا تمام اس سے مراد

سود در سود ہے۔ صریح آیتوں میں بھی مراد لینے کی ایک ہی کہی یعنی سود در سود حرام ہوا اور سود حلال ہو گا

اسی طرح حلال کیا ہو گا یہودیوں نے جو بھرم ربو مستحق عذاب ٹھہرے

جو کچھ میں نے لکھا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے

ربوہ معاملہ قرض میں ہوتا ہے۔ نہ قرضہ راس المال ہے اور نہ لینا جائز۔ اور اس پر نفع
 ربوہ ہے۔ اور ربوہ احرام۔ یہ سارے امتناعی احکام یعنی حرمت ربوہ اور اس کی ہنزا
 سب ظالم دائن کیلئے آئے ہیں جو راس المال سے فاضل لیکر مدیون پر ظلم کرتا ہو۔ اور
 مدیون تو ظالم نہیں، وہ تو مظلوم ہو، وہ سود خوار نہیں، سود خوار جہنمی ہو۔ ربوہ کی حالت حرامت
 بیان ہوئی لا تظلمون ولا تظلمون نہ تم کسی کا گھانا کر نہ تمہارا کوئی گھانا کرے۔ مدیون
 مفلس اور تنگی میں ہو تو اس کو فراخی تک کی مہلت دو، اور معاف ہی کر دو تو سبحان
 اللہ۔ سود در سود نہ کھاؤ کہ یہ بھی حرام ہے۔

دیکھو احکام خداوندی سے واقف ہونیکے بعد قرض پر نفع لیکر سود خوار نہ بننا۔ اور خدا کا
 الیٹیم فائدہ ناجح بھلا اللہ و ہوا سولہ کو بھول نہ جانا۔ اور یہ خیال نہ کرنا کہ ہم کسی کو قرض
 کیون دین کیا خدا نے نہیں فرمایا و اقربوا للہ۔ یہ سمجھنا کہ ہم کسی پر احسان کیون کریں کیا
 خدا نے نہیں فرمایا۔ لا تئسوا الفضل بینکم۔ آپس میں ایک دوسرے پر احسان کرنا نہ بھولو
 (بقیہ اٹھا) پھر احسان بھی خود غرضی سے نہ کرنا لا تملن تستکثروا۔ یہ این نیت احسان نہ کرو
 کہ زیادہ معاوضہ چاہو۔ (مدثر)

احکام قرآنی جو بیان ہوئے وہ صاف اور واضح ہیں۔ نہ جمل میں، نہ نا کافی میں، نہ ناقص
 میں، نہ محتاج تفسیر تو ان احکام کو نہ گھٹاؤ نہ بڑھاؤ، کیونکہ اسکے تم حجاز نہیں۔
 اب معاملات کی نئی صورتوں کو احکامات پر قول لو، پر کھلو، نہ انفسانیت سے ماحاجز کو
 جائز کرو، نہ توح کا نام لیکر جائز کو ناجائز کرو اور اپنے کو مری جتاؤ۔ خدا کے خالص بندے
 ہو کر اس کے حکم کو پیش نظر رکھو، پھر ایمان جو فیصلہ کیے اور پھر عمل کرو۔ میں ہر معاملہ کی
 نسبت اپنی رائے لکھوں تو وہ شخصی رائے ہوگی جسکی پابندی کسی کو لازم نہیں، وہ اک

انسان کی رلے ہوگی جو خطا و نسیان سے مرکب ہو۔ مگر چونکہ بہتر سے معاملات کو گونج رہا
 میں داخل کیا ہو اور اسکو توڑ اور احتیاط سمجھا ہے، جس سے جائز ناجائز ہو جاتا ہے، یا آجکل کے
 جدت پسند رہو اسکے جو اند کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، اور یہ دونوں روش خدا کے صریح فرمان
 کے مقابلہ میں صحیح نہیں ہے۔ اسلئے پند مشہور معاملات کی نسبت میں کچھ بیان کر دینا مناسب
 سمجھتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی طرف سے کچھ مفتی تو ہوں نہیں جو فتویٰ دون مگر جب
 خدا کے احکام صریح اور صاف ہیں تو فتویٰ کی ضرورت بھی نہیں
 تمسکی روپیہ قرض دینا جیسے کچھ بھی نفع ٹھہرایا گیا ہو، صریح رہو اور قطعی حرام ہے۔
 اور دیون پر ظلم۔ رہن رکھ کر بھی قرض بالمنافع دینا قطعی رہو اور حرام ہے۔
 معاملات تجارت میں روپیہ فی الحقیقت قرض نہیں دیا جاتا، اگرچہ وہ قرض بولا
 بھی جائے، بولنے سے حرام و حلال نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تجارت کی ایک گونہ شرکت ہو،
 اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو، مگر وہ سود نہیں ہو، بلکہ وہ نفع تجارت
 ہے جو منفع ہوتا ہو اور قرآن مجید میں تنقیح نفع تجارت کہیں ممنوع اور حرام نہیں ہو۔ اور
 ممنوع کیوں ہو، اسلئے کہ اگر ایسا کوئی جو تجارتی حساب کتاب سے ماوا قف ہو، یا کوئی بیوہ بے کس
 عورت، یا کوئی یتیم تجارت میں شریک ہو، اور وہ تجارتی حساب سمجھنے کے نا اہل ہو، اگر وہ
 نفع تجارت منفع و مشخص کرے مثلاً سو روپے میں عملیاء منفع منافع ہم لیا کر نیک
 اور فاضل نفع یا گھانا تمہارا، تو یہ کسی آیت کے رو سے ناجائز اور حرام نہیں، اول
 حرام کر نیک خالق خدا ہی کو ہے۔ اسلئے تجارتی کاروبار میں قرض نہیں ہو تو اس میں رہو ابھی نہیں
 مثلاً بینک یا لایف اشیوئس کمپنی یا کوئی کمپنی جسے قرض مانگتے نہیں آتی، نہ ہم زبردستی
 قرض دینے جاتے ہیں، تو اگر بینک میں فلکسڈ ڈیپوزٹ ہنرے روپیہ جمع کیا، یا کسی کمپنی میں

روپیہ لگایا یہ معاملہ قرض نہوا اور تجارت میں روپیہ لگاتی اور نفع کرتی ہو، اگر
اوس کے ہمارے روپے کا منافع مقرر کر دیا تو یہ منفع تجارت ہو، سود کیون ہونے
لگا، کس اصول پر یہ تو ربوا کی علت حرمت میں بھی نہیں آتا۔ ایسے معاملات میں
کسی کا گھانا نہیں، بلکہ درلودن کا نفع ہوتا ہے۔

ہندو کی جو تجارتی ہوتی ہو اس کا سود تو روپیہ پونچا دینے کی مزدوری ہو، اوس کے لئے
لفظ سود مستعمل ہے۔ بان قرض کے کاروبار جو بذریعہ ہندوئی یا ہینڈ لوٹ کے ہوتے
ہیں اس کا منافع منافع قرض اور ربوا ہے۔ تاہا نر ہے۔

تفصیل کی ضرورت نہیں، معاملات کی بہتری شان میں، اتنا سمجھ لینا چاہئے
کہ معاملہ قرض پر نفع لینا ربوا ہے اور حرام۔ ہر معاملہ کو اسی اصول پر پرکھ لو، مگر کچھ سختی
نہیں ایمان کے ساتھ، نہ ہر معاملہ روپے کا قرض ہو، نہ ہر نفع ربوا ہے، نہ درلودن ظلم ہونا
چاہئے، نہ دائن پر۔

قرآن مجید میں درلودن، یا گواہ، یا وثیقہ نویس، خدا نے کسی کو جہنم میں نہیں جہنم کیا۔ اب تم
جو نکو تو زانی کر، یہ دار کے مالک کو، اوس کے چہان اور سائیس کو، اور اوس کے معالج اور
اور درافر وش کو بھی جہنم میں جہنم کو۔ تو یہ تمہارا غور ہو گا۔ جس کو خدا نے اپنے کلام میں
جہنمی نہ کہا ہو، اور جس کو وہ جہنم میں نہ بھیجے وہ کسی شفیق کے جہنم میں بھیجنے سے جہنم میں نہ
جائے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے تو جہنم میں نہ بھیجا اس کی کوئی آیت نہیں، مگر انکو رسول
جہنم میں بھیجا ہے کیونکہ حدیث میں ہے، تو یہ حدیث صحیح نہ ہو گی کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
شفیع ہیں جہنم میں بھیجنے والے نہیں۔

بعض علمائے غیر مسلم سے دار الحرب میں سود لینا جائز کیا ہے۔ میں قرآن مجید میں اس کا
کوچ لگا یا تو دار الاسلام اور دار الحرب کے جھگڑے تو مجھے قرآن مجید میں نہ ملے، ایمان

غیر مسلم سے جواز ربوہ کا کچھ پتہ لگا۔ ممکن ہے کہ اسی بنا پر انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہو۔
 یعنی حرمت ربوہ ادا بین کے لئے ہے جو سود کھاتا ہو، اور غیر مسلم اس کا پابند نہیں ہو سکتا،
 وہ قرض بالمنافع دیکھا اور سود کھایگا ہی۔ اور محتاج اور ضرورت کا مارا مدیون
 جسکو سودی لینے کی امتناع نہیں ہو وہ لیگا ہی کیونکہ خدا نے مدیون کیلئے کوئی امتناع
 نہیں فرمائی چونکہ وہ ضرورت کا زخمی ہے۔ تو جہاں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہوں۔
 تو غیر مسلم ہتھیار بند ہوگا اور مسلم نہ تھا۔ اسلئے ان علمائے ناگزیر مجبور یوں کو دیکھکر
 غیر مسلم سے سود لینا باین لیل جائز کیا ہوگا جو خدا نے فرمایا۔ فان اعتدی علیکم
 فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ اگر وہ تمپر حد سے تجاوز کرے تو تم بھی
 ویسے ہی اوسپر حد سے تجاوز کرو جیسا اوس نے تجاوز کیا، غیر مسلم نے خلاف حکم خداوندی
 جو ناجائز اور تباہ کن تلوار اٹھائی تو اوس کا جواب بھی ویسے ہی تلوار سے دو۔
 والحاصل قصاص۔ ترکی بترکی جیسے ماہ حرام یا حرمین کوئی مقاتلہ کرے، تو
 باوجود امتناع کے ماہ حرام ہی میں یا حرم کے اندر ہی مقاتلہ کا جواب تمکو حکم خداوندی
 دینا چاہئے۔ پس نہیں اصولوں پر، اور انہیں آیات و احکام کی بنا پر ان علمائے کفار
 و مشرکین کو سودی بنایا جائز کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہو تو یہ سود کا جواز نہیں بلکہ حرام کا جواب، اور ظلم کا بدلہ۔
 مسلمانو! قوم یہود صرف اسوجہ مفضوب ہوئی کہ اوس نے حرام کو حلال کیا تھا، بلکہ اوسکا
 جرم یہ بھی تھا کہ اوس نے حلال کو بھی حرام کیا تھا۔ خداوند عالم نے یہود کا تجاوز عن الحد
 ہونا بتایا ہے تاکہ تم ویسے نہ بنو۔ اسلئے ہمکو چاہئے کہ بلا شرکت نفس خدا کے خالص
 بندے ہو کہ اوس کے احکام کو سمجھیں، اور انکی تعمیل بلا چون و چرا کریں۔ نہ حرام کو
 حلال کر کے آزادی دکھائیں، اور نہ حلال کو حرام کر کے توہین جنائیں، تو یہ تو حرام

و ممنوعات سے بچنے ہی کا نام ہے۔ بندہ کو بندگی چاہئے انہ حد بندی توڑنا۔ نفقہ
 دین میں سمجھ پیدا کر نیک نام ہے، نہ حلال کو حرام کر نیک۔ کسی چیز کو حرام کر نیک خدا کے
 سوا کوئی مستحق و مجاز نہیں۔ تو خدا کی قائم کردہ حد بندی کو نہ توڑو۔ نہ ربوہ کو حلال
 کرو، نہ معاملات جائز کو ربوہ اس کے حرام۔ واللہ علی ما نقول شہید۔ و کفی
 باللہ شہیداً

فأمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا
 لا اله الا الله محمد رسول الله والقرا ان كلام الله

وصیت

وصیت کی نسبت خدا نے فرمایا کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک
 خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف والحقاً علی المتقین۔ تم پر فرض کیا گیا
 ہے کہ جب کسی کے موت آگھر طری ہو، تو اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو والدین اور اقربا
 کے لئے بھلائی کیساتھ وصیت کر جائے۔ یہ پرہیزگاروں پر حق ہو۔ (بقرہ ۲۳۵)

والذین یتوفون منکم وبنی مرؤن انما واجبا وصیۃ لائز وجہم متاعاً الی الحول
 غیر اخراج۔ جو لوگ تم میں بیویاں چھوڑ کے مرنے لگیں تو وہ اپنی بیوی کیلئے ایک سال
 تک گھر سے نہ نکالنے کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کر نیکی وصیت کر جائیں (بقرہ ۲۴۰)
 تاکہ ان کو موقع ملے کہ وہ بہ اطمینان اپنا دوسرا سر دھرتلاش کر سکیں، تاکہ ان کو موقع
 ملے کہ وہ اپنا جائز ترکہ حاصل کر سکیں، اور تاکہ یکا یک وہ بے خان مان نہ ہو جائیں۔
 یا ایہا الذین آمنوا شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت النحر آخر رکوع تک

وصیت کی گواہی کے متعلق ہے۔ سارا رکوع لکھنے میں طوالت ہوگی، قرآن مجید ہر کسی پاس موجود ہے وہ دیکھ لے۔ مگر ترجمہ کسی قدر لکھ دینا ضرور ہے اور مومنو! جب کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو تو وصیت کرتے وقت دو معتبر شخصوں کی گواہی ضرور ہے، اگر تم سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے تو تمہارے سوا دو غیر شخص گواہ ہوں اگر تم کو شک ہو تو نماز کے بعد ان دونوں کو کھڑا کرو کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں۔ اس طرح کہ ہم اپنی قسم مال پر نہیں سچتے ہیں اگرچہ وہ ہمارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے، ایسا کریں تو بیشک ہم گنہگار ہیں۔ پھر اگر خبر ہو جائے کہ یہ دونوں حق کو چسپا گنہگار ہوئے تو اور دو شخص قریبی رشتہ دار اور ان میں سے بہن کا حق دیا گیا ہے ان کی جگہ پر کھڑے ہوں، اور وہ خدا کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ معتبر ہے پہلوں کی گواہی سے اہمئے کچھ زیادہ نہیں کیا۔ ایسا کریں تو ہم بے شک ظالم ہیں۔ ایسا کرنے سے امید ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔ یا اس سے ڈریں کہ ان کی قسموں سے ہماری قسمیں رو کر دی جائیں (مارگاہ لکھا) اذا حضر احدکم الموت کے معنی یہ ہیں کہ جب موت کا خیال ہوا متیقن ہو جائے پیری کے سبب بیمار ہی کے سبب، یا ہیضہ و طاعون کی گرم بازار سی کے سبب، یا خدا کی قدرتوں اور بے نیاز یوں کو دیکھ کر یا اس عالم فانی کی دگر گونی اور نیرنگیوں کو، یا کسی سبب سے سہی جب موت کا خیال پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ اگر وہ کچھ مال رکھتا ہو تو اقربا اور والدین کے حق میں وصیت کر جائے۔ اور بیوہ کے لئے حسن سلوک اور ایک سال تک گھر میں رہنے دینے کی فاضل وصیت۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وصیت کسی کا خیر کیلئے نہیں ہے۔ کار خیر جو کرنا چاہو کرنا

تمہارا عمل تمہارے ساتھ۔ دوسروں کے سر کیون تختوپ جاؤ، وہ کرے نہ کرے، اور
کرے بھی تو دنیا کا راز نہ یا فاسقانہ بنا کر اسے بے اجر کر دے، انکی برباد گناہ لازم۔ بلکہ
وصیت تو ورثا کیلئے ہے، جیسے وراثت ورثا کیلئے۔ مگر وصیت اور وراثت میں فرق
یہ ہے کہ موصی حصص وراثت کا پابند نہیں، جس وراثت کو ضرورت ہو اور جس
انداز کی ضرورت ہو، یا جسکو جتنا کچھ دینے کی مصلحت ہو اسکو اور اتنا دینے کی وصیت
کر جائے۔ وصیت نہ کر سکا یا وصیت سے کچھ بچ رہا تو وراثت کیلئے حصص مفروض ہیں
وصیت کا حکم جو اس شد و مد سے دیا گیا کہ کتب علیکم اور حقا علی المتقین۔ اور
اوس کی شہادت کے متعلق اتنا کچھ نظم کیا گیا تو یہ کچھ لغو اور بیکار نہ تھا۔ مگر قوم نے
اس کے راز کو نہ سمجھا، اور ان ساری آیتوں کو وراثت کی آیت سے منسوخ کر دیا اور انکی
وراثت کی تینوں آیتوں میں تینوں جگہ بعد وصیتہ ہے، یعنی ناسخ آیتیں منسوخ آیتوں کی
موند اور مود کہ ہیں۔ خدانے تو وصیت کو ترک پر مقدم کیا ہے اور قوم نے حدود اللہ
کو توڑ کر دو حصہ حکم کا اوٹھا دیا ہے کہ وصیت ثلث میں ہے۔ اور یوں آیات وصیت
کو بیکار کر دیا۔ معلوم نہیں خدا کو اتنا کچھ کلام بیکار ہی کر دینا تھا تو فرمایا ہی کیون تھا،
کس مصلحت سے، اور کس پولسی سے، کونسی شدید ضرورت اور مجبوری آپڑی تھی کہ چند دنوں
کے لئے وصیت کا حکم دیا گیا، اور اس مہتم بالشان صورت سے کہ کتب علیکم اور حقا علی
المتقین، اور پھر کیوں ایک لفظ ثلث کا نہ بڑھا دیا کہ وصیت ثلث میں جاری ہوگا
تاکہ متواتر غیر متواتر کا محتاج نہ ہو، اور اپنے احکام میں ناقص نہیں کامل ہو۔ اس ناسخ
و منسوخ کے خیال نے تھوڑی آفت نہیں ڈھائی، خدا جانے کتنی آیتوں کی حق تلفی کی،
اور کتنی آیتوں کی عدول حکمی۔ کیا وصیت کو ثلث میں محدود کرنا جسکو خدا نے نہ کیا

اوسکے حکم سے عدول نہیں ہے، اور عدول کہتے ہی کسے ہیں۔

وصیت کا حکم وراثت سے نہیں، اوٹھ سکتا، یہ دونوں دو حکم ہیں۔ وصیت کا حکم مالک مال کو ہے، اور وراثت کا حکم وارثوں کو۔ وصیت یہ ہو کہ مال ملک کو والدین اور اقربا کے حق میں اوس طرح تقسیم کر جس طرح تقسیم کرنا اقتضائے وقت سمجھو، اور وراثت یہ ہو کہ مال متروکہ والدین اور اقربا کے حق میں اوس طرح تقسیم کیا جائے جس طرح خدا نے مالک تقسیم نامہ نہ پا کر تقسیم کر دیا ہے۔ وصیت مالک مال کا حیات میں حکم ہے۔ اور وراثت مالک مال کے مرنے کے بعد وصیت نہ کر جائے یا وصیت سے فاضل مال بچ رہنے کی صورت میں خدا کا حکم ہے۔ وصیت میں حصص کی پابندی نہیں، اور وراثت میں حصص مفروض ہیں۔ دو طرح کے احکام کو ناسخ و منسوخ قرار دینا ایک حکم کو اوٹھا دینا ہے۔ ہاں تعمیل دونوں کی بعد مات مالک مال کے ہوتی ہے۔ تعمیل کہی ہو، مگر دونوں دو حکم اور دو ہدایت ہے، اسلئے وصیت کی آیت کو وراثت سے منسوخ کرنا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے۔

انسان اپنی حیات تک اپنی چیزوں کا مالک ہے۔ خلفائے کل یا آدھا اتھوڑا یا بہت راہ خدا میں لٹا دیا تو کس نے روکا۔ جیتے جی بیٹا باپ کے مال کا سہیم و شریک نہیں ہو جاتا۔ ہر شخص اپنے مال کا مالک مستقل ہے۔ خدا کی کوئی آیت اس حق کی چھیننے والی نہیں ہے۔ ہاں جب موت آنکھ میں ہو، اور یقین آئے مرنے کا۔ اور اوسکو اولاد بھی ہو جو کمزور و ناتواں ہو محتاج مدد و اتواں و سوقت حقوق اولاد رکھتے ہوئے یہ جائز نہ ہو گا کہ کل کا کل لٹا دو، جو اوسکو ضرر رساں ہو، خدائے اوس کمزور مخلوق کا خیال کر کے فرمایا۔ ولینحش الذین لوتسروا من خلفهم ذریۃ ضعافا فاحذروا علیہم فلیتقوا اللہ ولیقولوا تو لا تسدواہ ان الذین

یَا کُلُّونَ اٰصْوَالِ الدِّیْمِیِّ ظَلَمًا اِنَّمَا یَا کُلُّونَ فِی بَطْوِیْنِهِمْ نَاسِرًا وَ سِیْصِلُوْنَ سَعِیْلًا
جو لوگ اپنے بعد ناتوان اولاد چھوڑ کر زمین جن سے وہ اندیشہ مند ہوں تو چاہئے کہ وہ زمین
اور خدا کا خوف کریں اور عدل انصاف کی بات زبان نکالیں۔ بلاشبہ جو لوگ یتیم کا مال
ظلماً کھاتے ہیں آگ ہی نکلے ہیں اور جہنم میں جائیں گے (النساء) نہ تو یہ جان کر اولاد کے ہر قسم تسلط اور
اور اپنی کمزور اولاد کو محروم کر دو کہ وہ محتاج ہو جائے اور ماری ماری پھر، اور کسی کو یہ جان کر یتیم کے مال کو
نقصان پہنچائے۔ اس سے سمجھو کہ خدا مان باپ بھی زیادہ شفیق و رحیم ہے۔

اسی لئے خدا نے وصیت کا حکم دیا کہ شخص مرتے وقت اپنے مال کو والدین اور اقرباء کے
حق میں وصیت کر جائے۔ بالمعروف یعنی بنیت بھلائی۔ بھلائی کے معنی یہ کہ جس طرح جتنا
کچھ دینے کی ضرورت ہو اوتنا کچھ اوہنیں دینے کی وصیت کر جائے۔

خدا نے فرمایا۔ اَبَاءُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُسُوْنَ اِلَیْهِمْ اَقْرَابَ لِّكُمْ نَفْعًا بَابُ اور
بیٹے میں کون بلیا نفع کے قریب تر ہے تم نہیں جانتے۔ سچ ہے، باپ بیٹے پر سوجان سے
قربان ہوتا ہے، اور بیٹا تغافل کشش۔ بیٹے کے مقابلہ میں والدین کی شان مجبیٰ ہی اور
والدین کے مقابلہ میں بیٹے کی شان مجبوی۔ کون ہو جو ہمیشہ کیلئے والدین سے فیضیاب نہیں،
اور کہتے ہیں جو بیٹے سے فیضیاب ہیں۔ اسی لئے حقوق کی اداسگی کی ساری صورتوں
میں خدا نے خصوصیت کے ساتھ والدین ہی کو فرمایا ہے۔ نفقہ ہو تو، وصیت ہو تو،
وراثت ہو تو، تمام خصوصیت ہے۔ مرتے وقت والدین کی پیری اور محبوریوں اور
حقوق پرورش و تعلیم و تربیت کا خیال کر کے ضرور ہے کہ وصیت میں پہلے والدین
کا خیال کرے، اس لئے خدا نے پہلے والدین ہی کو فرمایا کیونکہ پیری آئی، آنکھیں گھٹیں
دانت ٹوٹے، قوی نے جواب دیا پیری و صد عیب و مومض بنے اگھیرا اور سر پر سوط کے

یو جھ آپٹے۔ پھر اولاد بعض جوان ہوتی ہو، اپنے پاؤں چلنے والی تعلیم و تعلیم شادی بیاہ سے فارغ۔ بعض تعلیم و تربیت کی محتاج، بعض پرورش تک کی محتاج، بعض شیر خواہ، بعض بے مان کی تنہا۔ جتنا چھوٹی اوتنا احتیاج میں بڑی۔ اسلئے خدا نے وصیت کی راہ کھولی کہ مرنیوالا ان باتوں کو خیال کر کے جسکو جتنا کچھ دینے والا نیکی ضرورت ہو اوتنا دے دلا جائے۔ اگر سب کو مساوی بانٹ دیا جاتا تو بے ضرورت کو بے ضرورت ملجاتا اور محتاج کی ضرورت رفع نہ ہوتی۔ یہ ضرورت ہے وصیت کی۔

خداوند عالم جو پوٹھوں، مجبورون، یتیمون کا والی اوس نے وصیت کا حکم دیا اور کس طرح وصیت کرنی چاہئے اوسکے مال و مال علیہ سے مطلع کر دیا۔ اوس نے خفیف والدین کا خیال کیا، تو کمزور اولاد کا بھی۔ مجبورون کی مجبور یوں کا خیال کر کے اوس نے مجبورون کی رکھونی کی۔ اور وصیت کا حکم دے کر کہ جو زیادہ مجبور ہو، اوس کا زیادہ خیال کیا جائے، تمدن کی بناء استحکم کی۔ اوس کا لشکر بندون نے یہ ادا کیا کہ حکم کو کم و بیش کر کے ثلث میں وصیت جاری کی۔ کیا یہ محدود کر دینے سے خدا کی حد بندی نہ کوئی۔ رسول مہموم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی حدیث نہ نہیں سکتی جو خدا کی حد بندی کو ٹوٹنیوالی ہو۔ اپنے خدائی قانون نافذ کیا ہے اوسکی اصلاح نہیں کی ہے۔

پھر اگر کوئی وصیت نہ کر سکا تو مجبوراً خود نہیں ہوتا۔ مثلاً یکا یک مر گیا یا وصیت کا ارادہ ہی کرتا رہا اور ارادہ پورا نہ کر سکا۔ یا وصیت کی بھی تو وصیت سے مال بچ رہا۔ تو وراثت کا قانون خدا نے ان صورتوں کے لئے دیدیا ہے۔ اصل شے وصیت ہے۔ اور وراثت، بحالت مجبوری، وصیت نہ ہونے، یا وصیت سے مال کچھ رہنے کی صورت میں ہے۔ پھر اگر کوئی وقف علی الاولاد

کر جائے، یا کوئی کمپنی اولاد کی کھول جائے کہ اصل مال تقسیم نہ ہو، اور نہ منافع تقسیم ہوتا رہے، تو اپنے مال کا مالک و مجاز ہے، اوس کا ایسا کرنا جائز ہوگا۔ قرآن مجید نے اوس کا حق ملکیت کی طرح چھینا نہیں ہے، اوس کی آزادی کو محدود نہیں کیا، پھر دوسرا کون ہے جو خدا کے دئے ہوئے اور مجاز کردہ اختیارات کو چھینے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وصیت غیر مضر ہونی چاہئے کہ کسی کو نقصان نہ پہونچے، کیونکہ نقصان پہونچنا ظلم ہوگا اور ظلم حرام۔ مثلاً یہ وصیت جائز نہ ہوگی کہ مجبور اولادوں کو محروم کر کے ایک بڑے بیٹے کے لئے کل مال کی وصیت کر جاؤ، کہ ریاست اور گدی قائم رہے، اور باقی اولاد محتاج ہو کر در در گدا ہو، بعض محتاج پرورش ہی مر جائے، یا جاہل رہ کر جیل آباد کرے، یہ وصیت غیر مضر نہ ہوگی، ایسا کرنے سے عدل و انصاف کا رجم و کرم کا بخون ہو جائیگا، اور وصیت کی راہ جو مجبوروں ہی کے خیال سے کھولی گئی ہے، وہ بیکار ہو جائیگی، اور ضرر رسان۔ خدا نے وصیت فرض کی، اور پھر ورثہ پر اسکی تعمیل فرض کی، کہ پہلے وصیت کر لو پھر ترکہ تقسیم کرو۔ بند و نگوا اس کی تعمیل چاہئے نہ اسکی حد بندی کرنی۔ جس نے وصیت یا المنوف کی، اوس نے حکم وصیت کی تعمیل کی اور خدا کو راضی کیا۔ خدا نے بھی اپنے حکم سے ورثہ سے تعمیل کر کے مرنے والے کی دلجوئی کی اور مطمئن کیا۔ صدقے اور سکی نہ رہا تو کے جو قدم قدم پر سایہ نلگن اور بے غایت و بے حد ہے۔ تلک حد و د اللہ۔ یہ حد و د اللہ ہیں، ان کے توڑنے کا یا کم و بیش کرنے کا کوئی بھی مجاز من اللہ نہیں۔

اے انسان! دنیا و مافیہا سب اوس کی ملک ہو، تو خلیفۃ اللہ ہے تو حیات مستعار ہی تک، تجھے اختیار مستعار دیا گیا ہو کہ اپنی حیات تک اپنے مال میں جیسے چاہے تصرف کرے، صدقہ دیکر، نفقہ دیکر، زکوٰۃ دیکر، قرض حسنہ دیکر، اہل حقوق اور محتاجین کو دے دلا کر

قوم کے حقوق، اور وصیت کر کے والدین اور اقربا کے حقوق ادا کر کے، دین دنیا میں فائز المرام اور بامراد ہو۔ پھر جو مال ان سب سے بچ رہا تو وہ تو خدا ہی کی ملک ہے واسطہ رہا۔ یہ تو خدا کا احسان بالائے احسان ہے کہ اوس نے اپنے مال کو تیرا مال کہا، اور تیرے مرنے کے بعد بھی تیرے ہی ورثا کو دلایا۔ اور اوس کے لئے قانون بنا دیا، تو اے لوگو! اوس کے قانون کے مطابق تقسیم کر دو اور جس جس کو اوس نے دلایا اونکو دیدو۔ افسوس ہے کہ تم اوس سے مورث کا مال اور مورث کا دیا سمجھتے ہو، اور خدا کے یکتا جو حقیقی دینے والا ہے اوس کا دیا نہیں سمجھتے۔ وہ نہ دیتا اور اپنے قانون ترکہ سے نہ دلاتا، تو تمہیں خاک نہ ملتا۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ

وراثت

یہ وراثت کے متعلق تین امور تحقیق طلب ہیں۔ کس کس کا ترکہ کس کس کو ملے، اور کتنا کتنا ملے۔ وراثت کے متعلق خدا نے دو لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ایک اولوالقربی اور دوسرا اقربون۔ دو لفظ ہیں تو معنی بھی دو ہیں، اور دونوں کے استحقاق بھی دو طرح کے ہیں۔ میں اولوالقربی کا ترجمہ قرابت مند کر تا ہوں، اور اقربون کا اقربا قرابت مند یا اولوالقربی سے مطلب دور کے رشتہ دار ہیں، اور اقربون یا اقربا سے مطلب نزدیک کے رشتہ دار۔

اولوالقربی اور اقربون کی آیتیں ذیل میں دی جاتی ہیں۔

۱۔ واذ احضر القسمۃ اولوالقربی والیتیمی والمسلکین فاسرہم قواہم منہ۔ اگر تقسیم ترکہ کے وقت کوئی قرابت مند (یعنی دور کا رشتہ دار) حاضر ہو اور یتیم و مساکین بھی تو اون کو ہاتھ اوٹھا کر کچھ دید و (النساء ۱) یتیم و مساکین کے ساتھ خدا نے قرابت مند کو فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دور کے قرابت مند ایسے ہوں جو کچھ پانیکے مستحق سمجھے جائیں تو اون کو ہاتھ اوٹھا کر کچھ دید و جو اخلاقاً مروت کی شان ہے، اور اون سے خوش اخلاقی کی باتیں کر کے رخصت کر دو، وقولہم قولا معروفا۔

۲۔ ولکل جعلنا موالی صما ترک الوالدان والاقرابون مامترکہ والدین و اقربا میں ہمنے کل مال کے لئے ورثا مقرر کر دیا ہو۔ (النساء ۱) اوس نے ورثا بنا یا ہے ذوی الفروض کو تو ذوی الفروض کل مال کے مالک ہوں گے۔ ذوی الارحام میں ترکہ تقسیم نہوگا، دور کے قرابت مند ہاتھ اوٹھائی پانیکے مستحق ہو سکتے ہیں، ترکہ کے نہیں۔ اسکی ترکیب یوں بھی ہو سکتی ہے۔ لکل الوالدین والاقرابون جعلنا وصرا انما ترکوا یعنی مامترکہ والدین و اقربا میں ہمنے والدین اور اقربا کو وارث بنایا۔

ذوی الفروض جبکو خدا نے ترکہ دلایا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ تو والدین ہیں پھر اولاد، اور زن و شوہر اور بھائی بہن۔ اصطلاحاً اب میں دادا نانا اور پردادا پر نانا داخل ہیں اور مان میں دادی نانی پر دادی پر نانی اور بنت میں باقی تنہی داخل ہیں جیسا کہ حرمت علیکم اصہابکم وبناتکم کی حرمت میں مگر یہ اصطلاح مجاز ہے اسلئے یہ بھی مجاز ترکہ یائیں گے اور ذوی الفروض میں داخل ہوں گے۔ مجازاً پانیکے معنی یہ ہیں کہ میت کا باپ مر گیا تو باپ کا ترکہ دادا کو ملے گا، اور ان کے نہوتے

پر دادر کو اور علی ہذا قرآن نے کسی کو محبوب نہیں کیا۔ اسی طرح کوئی بیٹا مگر کیا تو اوس کا ترکہ پوتا پوتی کو اور ان کے نہوتے پر پوتا پوتی کو ملیگا اور علی ہذا قرآن نے کسی کو محبوب نہیں کیا۔ معلوم نہیں حجب کا خیال کس آیت کے رو سے دین میں اضافہ ہو گیا ہے

اس آیت سے واضح ہوا ہو گا کہ والدین اور اقربا یعنی ذوی الفروض کا ترکہ والدین اور اقربا یعنی ذوی الفروض پائیں گے۔ اور کل کا کل پائیں گے۔ ان کے سوا کوئی دوسرا مستحق ہی نہیں۔ دوسرے کو دینا ذوی الفروض کی حق تلفی ہے۔

اب تیقح طلب صرف یہ رہ گیا کہ ذوی الفروض کتنے کتنے حصے کے مستحق ہیں۔ سب مساوی تو ہیں نہیں۔ کیونکہ یہی اقربا بوجہ قرب قرابت کے الوالارحام ہیں۔ واولو الارحام بعضہم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔ اور الوالارحام کتاب اللہ میں بعض بعض سے اولیٰ ہیں۔ (الفال لہ) سب وہاں بائیس پنجسیری نہیں ہے "کتاب اللہ" نے واضح کر دیا کہ یہ اقربا اور ذوی الفروض کے شان میں ہے جنکو ترکہ دلایا ہے۔ دور کے قراہتمند کے شان میں نہیں ہے، کیونکہ کتاب اللہ میں انکا ترکہ نہیں ہے۔ یہی ذوی الفروض قریب تر ہیں قرابت میں، امور میں وصیت میں محکوم ہیں وراثت میں مستحق ہیں اولو الارحام کے لقب کے، اور امور میں صلہ رحم میں، اور یہی اقتضا ہے خدا کے قانون فطرت کا بھی۔

ہر چند زن و شوہر غوثی قرابت نہیں مگر فطرتی قرابت اور خدا کی قائم کی ہوئی قرابت ہے اور اسلئے قوی تر قرابت ہے، جسکی قوت بدیہی ہے محتاج دلیل نہیں۔ ذوی الفروض اوپر بیان ہوئے ان میں کوئی مرثیہ اوس کے وارث ذوی الفروض

ہیں۔ تو اگر ذوی الفروض میں سے کوئی ایک ہی وارث ہے تو وہ کل لیکہا ترکہ تقسیم ہی نہوگا۔ تقسیم تو اس وقت ہے جب کئی مستحق ہوں، اگر ذوی الفروض میں سے ایک کے سوا دوسرا ہے نہیں۔ تو کل کا مالک وہی ہوگا۔

اور اگر ایک ہی طرح کے کئی وارث مساوی حقوق کے ہوں مثلاً دو بیٹے دو بیٹیاں، اولاد نہ ہوتے دو بھائی یا دو بہنیں جب بھی اوپر کی آیت کی رو سے یعنی ذوی الفروض ہونیکے حیثیت سے ترکہ مساوی بٹ جائیگا کیونکہ وارث بھی دو اور دونوں مساوی حقدار۔ ترجیح بلامرجح ہونہیں سکتی۔ یہی دونوں کل کے وارث ہوں گے۔

اگر بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی وارث ہے تو اس کا اصول خدا نے بتا دیا ہے للذکر مثل حظ الانثیین۔ مرد کا عورت کے حصہ کے دونا ہوگا۔ ان ساری صورتوں میں ترکہ پورا تقسیم ہو جاتا ہے لیکن اگر اولاد کے ساتھ والدین بھی ہوں تو خدا نے وراثت حسب ذیل آیت کے رو سے تقسیم کی ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساءً فوق اثنتین قلهن ثلثا ما ترک طوان کانت واحد لا فلها النصف ط ولا یوید لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد ط فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابو لہ فلا مہ الثلث ط فان کان لہ اخوة فلا مہ السدس من بعد وصیة یوصی بها و دین ط اباءکم و ابناءکم لا تدھرون ایھم اقربکم لفظاً فی رضۃ من اللہ خدا تم کو اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کا عورت کے دونا حصہ ہو، اگر عورتیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو اس کا مترکہ میں دو ثلث ہو، اور ایک ہو تو نصف۔ اور والدین میں ہر ایک کا

چھٹا ان حصہ ہو اگر اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور والدین ہی وارث ہوں تو مان کا ایک ثلث ہی باقی باپ کا۔ اور اگر بھائی بہن ہوں (بھائی بہن کا ترکہ کلاہ میں بیان ہوگا) تو مان کا حصہ کم ہو کر چھٹا ان حصہ ہو جائیگا۔ بعد تعمیل وصیت اور بعد ادا سے دین۔ تمہارے باپ اور بیٹے میں کون انہو سے نفع کے تمہارے قریب تر ہو تم نہیں جانتے یہ خوار کا فرض ہے (النساء ط) اس آیت میں والدین کا ترکہ بیان ہوا ہے، اور والدین کے ہوتے اولاد کا۔ اور والدین کا ترکہ جو بیان ہوا ہے وہ اولاد کے ہوتے اور نہ ہوتے بھی اور بھائی بہن کے ہوتے اور نہ ہوتے بھی۔

۱۔ والدین کے ہوتے بیٹا بیٹی دونوں وارث ہوں تو والدین کا چھٹا ان چھٹا ان حصہ دیکر جو بچے اور سکو بیٹا بیٹی کو لکھ کر مثل حظ الانثیین کے اصول پر بیٹی کا دو ناٹے کو بانٹ دو۔ اگر ایک ہی بیٹا ہے تو وہ نصف کا دو ناٹل کا مالک ہوگا بعد والدین کو دے لینے کے۔ ۲۔ اگر والدین کے یا ان میں سے کسی ایک کے ہوتے بیٹی یا بیٹیاں وارث ہوں تو والدین کا چھٹا ان چھٹا ان حصہ نکال دو پھر ایک بیٹی ہو تو اس کا نصف ہو اور زیادہ بہن تو اس کا دو ثلث ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیٹیاں اور والدین بہن تو والدین کا ثلث ہو اور بیٹیوں کا دو ثلث لیکن اگر ایک بیٹی یا والدین میں کوئی ایک ہی ہو تو اس صورت میں کچھ ترکہ بچے گا۔ تو جو ترکہ بچے اس کا اصول آئندہ بیان ہوگا۔

۳۔ اگر اولاد کے ہوتے والدین وارث بہن تو ان میں سے ہر ایک کا متروکہ میں چھٹا ان حصہ ہے۔ ۴۔ اور اگر اولاد نہ ہیں اور والدین ہی وارث بہن تو مان کا ایک ثلث ہی اور باقی باپ کا کیونکہ وارث یہی دو بہن و سرثہ ابو لہ اور ایک کا ثلث ہی تو باقی باپ کا ہوا یہ دوسرے اصول کے مطابق بھی ہو کہ لکھ کر مثل حظ الانثیین۔ مرد کا عورت کے دو ناٹے۔

اے اگر اولاد نہ ہو مگر والدین کے ساتھ بھائی بہن وارث ہوں تو مان کا اصلی حصہ جو اولاد کے ہوتے چھٹوان حصہ تھا وہی رہے گا، اور اگر باپ بھی ہو تو اوس کا مان کے دوتا ہوگا، اور بقیہ بھائی بہن کا۔

مشرقی بھائی بہن کو خدا کا حصہ دین وارث بنایا ہی تو اس کا بیان کلام کی آیت میں کیا جائیگا والدین اور اولاد دونوں وارث ہوں تو والدین کا اور اولاد کا کتنا ہوگا وہ سب لایا گیا اس میں ایک صورت میں ترکہ کچھ بچ جاتا ہو جب والدین کیساتھ یا ان میں سے کسی ایک ساتھ بیٹی یا بیٹیاں وارث ہوں۔ تو باقیہ ترکہ کا بیان آگے آئیگا۔

زن شوقی وراثت کے متعلق ہے۔ ولکم نصف ما ترک انہ واجلکم ان لم یکن لہن لد ط فان کان لہن لد فلکم الہج مما ترکن من بعد وصیة یوصین بها و دین ط و لہن السابع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلہن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة یوصون بها و دین ط جو ترکہ تمہاری بیبیاں چھوڑیں اگر انکی اولاد نہیں ہے تو ترکہ میں تمہارا آدھا ہے اولاد ہے تو تمہارا متروکہ میں چوتھائی ہے مگر بعد تعمیل وصیت اور بعد ادائے دین۔ اور تم کچھ ترکہ چھوڑو اور تمہاری اولاد نہ ہو تو بیبیوں کا متروکہ میں چوتھائی ہو اور اولاد نہ ہونکی صورت میں آٹھواں حصہ ہی، بعد تعمیل وصیت اور بعد ادائے والدین اور زن و شو کا حصہ دے لو تو اور ورثا کو تقسیم کر دو۔

بھائی بہن کا ترکہ خدا نے کلام کی صورت میں دلایا ہی، اور کلام کو اوس نے خوب بیان فرمایا ہی ان اھلک لیس لہ ولد کلام وہ میت ہی جسکو اولاد نہ ہو۔ تو اسکی دو صورت ہی اگر بھائی بہن کیساتھ والدین ہوں تو والدین کا ترکہ اوپر بیان ہوا یعنی مان کا چھٹوان حصہ اور باپ کا اسکے دو یا یعنی ایک ثلث اور باقی بھائی بہن کا ہوگا۔ تو والدین کے ہوتے جو بھائی بہن ہو

یا والدین کے نہ ہوتے جو بھائی بہن کا ہو اسکو کلالہ کی آیتوں کے مطابق بانٹ دو۔
 کلالہ کے متعلق دو آیتیں ہیں اور دونوں میں حصص مختلف ہیں۔ تو بھائی بہن بھی وہی طرح
 ہوتے ہیں ایک کے بھائی بہن، مان باپے نون طرف سے۔ اور دوسرے سوتیلے یا اماں کی طرف سے
 یا باپ کی طرف سے۔ اور کلالہ کی دونوں آیتوں میں ایک میں اولاد کی طرح سے ترکہ تقسیم کیا گیا ہے
 اور دوسرے میں علی التساوی۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو ترکہ اولاد کی طرح تقسیم ہوا ہو وہ بچا یا اقریبیت
 و محالیت حقیقی بھائی بہن کا ترکہ بیان ہوا ہو۔ اور جو علی التساوی ہو وہ سوتیلے بھائی بہن کا۔
 حقیقی بھائی بہن کا ترکہ۔ یستفتونک ما قل الله یفتیکم فی الکلالہ ان امر عہدہ لیس له
 ولد وله اخت فلها نصف ما ترک طوھویر ثمان لم یکن لہا ولد فان کانتا اثنتین
 فلہا الثلثن ما ترک طوان کانوا اخوة سراجاً ونساءً اقلان کم مثل حظ الایمیتین۔ لوگ
 تحسے فتویٰ ملگتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ تکو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد ہے
 جسکی اولاد نہ ہو، اور اسکی صرف ایک بہن ہو تو بہن کو ترکہ کا آدھا ملیگا اور بہن کلالہ ہو تو وہ بھائی
 اور بہن کا وارث ہوگا اگر اولاد نہ ہو (حصہ بیان نہ کیا اسلئے بھائی کل ترکہ کا وارث ہوگا) اور اگر دو بہن
 ہوں تو انکو ترکہ کی دو تہائی ملیگی۔ اور اگر بھائی بہن دونوں وارث ہوں تو ہر ایک کا حصہ عورت کے دونا ہوگا۔
 (النساء ۱۱۱) والدین کے ہوتے جو اولاد کا ترکہ ہی وہی اولاد کے ہوتے حقیقی بھائی بہن کا ترکہ ہی۔ صرف
 فرق یہ ہے کہ اولاد کے ہوتے مان باپ کا ششم ششم حصہ ہے۔ اور بھائی بہن کے ہوتے مان کا ششم حصہ ہے
 اور باپ کا دونا یعنی ثلث جیسا کہ اوپر والدین کے ترکہ میں بیان ہوا۔

سوتیلے بھائی بہن کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے، انکی نسبت خدا نے فرمایا وان کان
 رجل یورث کلمۃ او امراً ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس فان کانوا اکثر
 من ذلک فہم شراکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضاہر وصیۃ من اللہ

اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کی اولاد نہ ہو لیکن اس کے بھائی یا بہن ہوں تو اگر ایک ایک ایک ایک ہوں تو ہر ایک کا ششم ششم حصہ ہے اور اگر زیادہ ہوں تو ثلث میں سب شریک مگر بعد وصیت اور بعد از دین کے جو بغرض ضرورت رسانی نہ ہو ہو یہ فرمان الہی ہے۔ (النساء ۱۱) اس کی کچھ میں سب کے احکام ترکہ کے ہیں۔ سب کے آخرین خدافرماتا ہے وصیت من اللہ اسکے معنی یہ ہیں کہ مورث کو وصیت کر جانا لازم تھا اس پر بغرض تھا اوہ ذکر کرے گا یا مال وصیت ہی رہا تو یہ خدا کی طرف سے وصیت ہے۔ وصیت ضروری اور ترکہ پر مقدم ہے۔ اس کو منسوخ کرنا یا ثابت میں محدود کرنا سراسر ظلم اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اور قرآن مجید کے خلاف کوئی حدیث صحیح نہیں ہو سکتی نہ کوئی فقہ صحیح ہو سکتا ہے۔ خدا نے ورثہ کو بیان کر دیا، ان کے حصص کو بھی بیان کر دیا۔ پھر تقسیم سے جو کچھ رہے وہ پھر انہیں حصص کے مطابق انہیں وراثہ پر رکرو۔ کیونکہ اولاد وراثی بخدا نے انہیں کچھ دلا یا دوسرے خدا نے فرمایا۔

للرجال نصيب مما ترك والدان والاقرابون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقرابون مما قل منته او كثر نصيبا مفرا وضاہ مردوں کا حصہ ہے جو چھوڑا والدین اور اقربائے اور عورتوں کا حصہ ہے جو چھوڑا والدین اور اقربائے، تھوڑا مال ہو یا بہت، حصہ مقررہ کے مطابق (النساء ۷)

اس آیت میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔

یہ آیت ترکہ کے متعلق نہیں بلکہ رد کے متعلق ہے۔ اسی لئے خدا نے موالی کا لفظ فرمایا نہ خط کا لفظ فرمایا بلکہ نصیب کا لفظ فرمایا۔ اور اسی نصیباً مفراً ضاف فرمایا کہ حصص مفروضہ کے مطابق باقیہ میں دون اور عورتوں کا حصہ ہے۔ اس لئے مما ترك الوالدان والاقرابون کا ترجمہ ہونا چاہئے اور میں سے جو چھوڑا والدین اور اقربائے یعنی جو ان ترکہ لینے سے پہلے رہا، تو اس میں سے پھر انہیں مردوں اور عورتوں کا حصہ ہے۔ ذوی الفروض سوا کسی کو خدا نے دلایا ہی نہیں ہے اس لئے دوسرے کوئی پانے کا سستی بھی نہیں۔

اگر اس رد سے بھی کچھ رہا تو تیسرے قسم کے بھائی بھی ہیں انھوں نے فی الدین خدا کے قائم کئے ہوئے دینی

بجائی۔ ان کا نالہ اخوة میں بہ دوری ہی ہی داخل تو ہیں، تو وہ اونکو ملے گا یعنی قومی مصافق میں جائیگا۔ ذوی الارحام اگر ذوی الفروض ہی کو کہو تو ذوی الفروض کو تو خدا کتاب اللہ میں کہ دلیا ہی ہی اگر ذوی الفروض سے فاضل کسی اور کو کہو تو کسی اور کو خدا نے کہ دلیا ہی نہیں۔ چھو کو خدا نے دلا او سکون کو خدا نے اور کیونکہ۔ اور نے کہ حد و دائرہ کیون تو نے ذلک حد و دائرہ۔ وراثت کی تقسیم بعد میں وصیت اور بعد اوسے دیتی ہے۔ بعد وصیت کے معنی نسخ وصیت کے نہیں ہیں اضافہ علی القرآن کے ثلث میں محدود کر نیلے ہیں۔ وراثت کا قانون وصیت کا نسخ نہیں ہی بلکہ مویدا اور مویکہ ہے جب خدا نے وصیت کی ہر آیت میں تاکید ا بعد وصیت فرمایا ہی تو خدا کی ہدایت کو ہوا پر اور ثابہ دو۔

فاحکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءہم۔ قرآن مجید سے حکم دیا کرو اور لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو (مائدہ ۴۹) چھ طرح خدا نے وراثت تقسیم کی ہو اور وصیت کو مقدم کیا ہو اور ثلث محدود نہ کیا تم خدا کے بندے ہو کہ خدا کی نگر و او طبع آزمائیوں سمجھو۔ فاستمسک بالذی اوحی الیک۔ تمسک ہی خداوندی سے پکڑو۔ اور وحی کیا گیا ہی قرآن ہی۔ و اوحی الیٰ ہذا القرآن۔ قرآن کے سوا کسی سے تمسک پکڑنا جائز نہیں۔ خدا کی سطوت کے آگے سر جھکاؤ نہ علم کے۔ خدا کے علم کے گے گردن نیچی کرو نہ علم کے۔ ولکن کو تو اس بائیں ہما کنتم تعلمون الكتاب و بما کنتم تدراسون ولا یأمرکم ان تتخذوا المملکة والنبیون اسبابا لایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون۔ تو اے لوگو! اللہ والے ہو اللہ والے۔ اور اس آیت پر غور و فکر کر کے خدا کے مطلب کو سمجھو۔

قرآن مجید کے ساتھ سراجیہ نہیں او تری۔ نہ احکامات ربانی علم کے شاخسانوں کے محتاج ہیں۔ قرآن کے خلاف میں کوئی حدیث پیش کرو، تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ خلاف قرآن ہو سکتی نہ متجاوہ معین الحد ہو سکتی ہو۔ یہ تو محال ہی۔

ترکہ کی تقسیم جو میری سمجھ میں آئی وہ میں لکھ دی۔ اگرچہ غلطی کی ہو تو اسکی صحت کرو مگر قرآن مجید ہی

اگر ناقص ہو تو اس سے تمام کروا مگر قرآن مجید ہی سے۔ اس کا تم کو حق ہو۔ مگر قرآن مجید پر اضافہ کیون کر و، اس کا تو حق ہی نہیں۔

عصبہ کی قسمیں، عصبہ بنفسم، عصبہ غیرہ، عصبہ مع غیرہ، انکا سلسلہ پھر انکے شرائط۔ اور زوی لا ارجا کا ترکہ پھر انکا سلسلہ جو کہیں ہے ہی نہیں با و آدم تک پہنچے یہ تو ترکہ کو درگاہ کی ریوڑیاں بنانا۔ یہ سب قرآن مجید سے تو نہیں نکلتے۔ قرآن مجید میں ان تقسیموں کا کہیں وجود ہی نہیں۔ ان پیڑا سلسلوں سے تقسیم وراثت ایسی شکل بنادی گئی ہو کہ ہر عالم بھی ترکہ کی تقسیم پر قادر نہیں۔ ساری عمر ریاضی پڑھو، اور بی۔ ایل پاس کر لو یعنی محمد کو میں امتحان دے لو۔ پھر مکمل ہو کر وراثت کے مقدمات کچھ لٹینے کے بعد ترکہ کی تقسیم پر قادر ہو سکتے ہو خدا کا قانون ساری دنیا کیلئے ہو وہ ایسا مشکل نہیں ہو سکتا جسے محکم علیہ سمجھ نہ سکے۔

خدا نے نبی بھیجا تو امی فاصلو باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول امی پر ایسا رسول جو ایمان لاتا ہو اللہ اور اس کے سب کلاموں پر (اعراف ۱۵۹) اور بھیجا بھی تو امیوں میں۔ هو الذی بعث فی الامیین رسولاً۔ وہ خدا ہی ہو جس نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا۔ تو ان پڑھوں کو جب ریاضی دان نہ تھے وہ معلوم نہیں کہ ترکہ کی تقسیم کس کتاب کے رو سے کرتے تھے۔ کہیں وہ سراجیہ ملتی جو صحابہ کا دستور العمل تھی۔ وہ صحابہ جو اتھو اما انزل الیکم کو خوب سمجھتے تھے۔ حاشا وہ قرآن مجید کے خلاف تقسیم ترکہ نہ کرتے تھے۔ وہ خدا کی اس ہدایت واقف تھے۔ والذین یمسکون بالکتاب واقاموا الصلوات اذ انزلنا فیہم احرام المصلحین۔ جو لوگ تمسک بالقرآن کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ مصلح ہیں اور خدا مصلح کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (اعراف ۱۷۷)

عورت یا مرد جو وہ حاصل کرے اس کا وہ مالک ہو۔ تو ترکہ اوسے ہی تقسیم ہوتا ہو جس کا آدمی مالک ہوتا ہو۔ اس سے واضح ہو کہ سلطنت میں ترکہ نہیں کیونکہ وہ فوج اور قوم کا محصول ہوتا ہے۔

اسلئے وہ قومی مال ہو۔ جو کچھ افسر یا فوج یا بادشاہ کو خصوصیت کے ساتھ بھی ملے چونکہ وہ قومی
سلطوت اور من حیث بادشاہت ملا ہو اسلئے وہ قومی چیز ہے شخصی نہیں۔ باغ فدک حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو وراثتاً نہیں ملا نہ بلا قومی سلطوت کے ذاتی ملک ہو یہ و محمولہ تھا اسلئے وہ ذاتی مال اور
ذاتی محمولہ نہ تھا۔ قوم کا تھا قوم کے ہاتھ میں رہا۔ حضرت بی بی رضی اللہ عنہا نے ہرگز اس
باغ کا دعویٰ نہ کیا ہو گا چونکہ وہ قومی مال تھا۔ ایسی روایتیں دنیا داروں نے تھوسنا کون
کی گئے تھے ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ روایت حضرت بی بی رضی اللہ عنہا کی شان سے بہت گری ہوئی
ہے اسلئے درایت اسکی صحت تسلیم نہیں کرتی۔ رسول کی بیٹی قومی مال کی دعویٰ دار نہیں
ہو سکتیں یہ اون پر اتمام ہے، انعوذ باللہ منہا۔

اے خدا تیرا ہزار ہزار شکر اگرچہ ہم بگڑے اور ابھی اسکی حد نہیں ہوئی، مگر قرآن مجید
تیری ہدایت تیرا نور تیرا کلام تیرے رسول کی رسالت تیری حفاظت کی بدولت جو ک
تو اب تک ہمارے پاس موجود ہے۔ اسلئے ہم ہزار بگڑیں، پھر سنوریں گے۔ ہزار گریں،
پھر اوٹھیں گے۔ نہ ہماری توبہ کا دروازہ بند نہ تیری استجابت کا دروازہ۔ نہ ہمارے
ایمان کی آنکھیں اندھی، نہ تیری ہدایت کا نور ہندو حلال۔ اس کرم خداوندی کے قربان
اور اس رحمت ایزدی کے صدقے۔

عَامِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِيْ اَنْزَلْنَا

وَالْقُرْآنَ كَلَامَ اللّٰهِ

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ

مَنَاجَات

ایک بڑا بڑا اسلام تو مسلمانوں میں اور مسلمان نازک حال میں۔ انکا دین بد حال اور انکی دنیا بچپن۔



تیرے پیارے نبی کی امت افسوسناک حال میں ہے۔ افسوس افسوس تیرے مسلمان تیرے ہو کر کچھ بھول گئے
تیرے رسول کی رسالت کو پیش قدمی سے چھینکر دیا، اور تیرا پاک و مرتزہ کلام جو تجھ سے نازل ہو کر بھلا سے
مقدس معصوم، سرتاج آقا، خاتم النبیا کے سینہ میں تیش و بسوں تکمیل کے زمانہ ہوا وہ اپنا واپس لے لیا
ہی کے ہاتھوں پر ہمارا اہل علم، فاتحہ خوانی، ثواب سانی، عملیات، ابھار لیو تک، دھواں محبوبا تو سب رو
فتحیابی، مقدمات، تسبیح حکام۔ اور درود و وظائف کیلئے تجویز کو طاق غفلت پر رکھا گیا اور حقیقت
ہدایت بیکار و مجمل سمجھا گیا اور حقیقت تعمیل نام تمام و نامکمل۔ کوئی اوس کا نگران نہیں۔ گھر کے لوگ
اغیار کے شادیانے میں شریک ہیں، یا ماسول کے بزم عشرت کے تماشائی۔ اے خدایہ تو غافل ہیں مگر
تو غافل نہیں، یہ تصور وادہین تو معافی تیرے ہاتھ ہو۔ اے خدایم انکے تبدیل حالت کے امبار و زمین
انکی خیال بدل دے کہ ان کا حال بدل جائے۔ یہ تیرے ہی نام لینے والے ہیں تو انکو مشرکوں اور
کافروں کے پاؤں تلے نہ روند۔ کیونکہ انکے ساتھ تیرا اسلام بھی روندنا جائیگا۔ انکی خبر لے، انکو اپنے
چہرہ کے نور میں پناہ دے۔ نور رسالت انکو ڈھانپ لے، اور انکو اپنی مبارک محبت کے زخم سے
دھوکہ انکار تک بدل جائے تاکہ فاوٹنگ تبدیل اللہ سیاتھم حسنات کی تجلی سے
دنیا چکا چوند میں پڑ جائے۔ تیرا حکم کلیم البصر ہے اور تیرا ارادہ کن فیکون۔
اے خدا تجھ پر ایمان لانیو لے تیرے مسلمان اگر مبتلاے شرک فی النبوت، شرک فی الحکم
شرک فی الاستعانت، شرک فی العبادت، شرک فی القدرت، شرک فی العلم الغیب، اور شرک
فی الصفات ہوئے، تو یہ شرک خفی کی تیر رنگیان اخلاص کی بے لام روی سے انہیں آئی۔
حقیقت میں شرک نہیں جو کہ او غلطی ہو۔ تو اسے کون معافی کرے، تیرے سوا معاف کرے وہ لاہر کون۔
وہ کون سا دل لڑیکا کہ تیرے رحم و کرم کی گٹھائیں جو ہم جو ہم کر اٹھینگی اور تیرے نام لینے والوں پر
تیرے مسلمانوں پر او منڈ او منڈ کر رہیں گی۔ اے خدا! اب تو مسلمان اس حال کو پہنچ گئے کہ

ان پر اختیار بھی آنسو بہانے کھڑے ہیں اور تو ارحم الراحمین ہے تو انکو اپنی گود میں اوٹھائے
اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے، انکی بگڑی سنوار دے، انکو توفیق تو بہ دے، شرک کی طاقت سے
پاک کر، ایمان معطر کر، اخلاص سے منور کر، رضا و تسلیم کی خلوت میں انکی آرام گاہ بنا، اپنا مومن
ان سے پھیر نہ انکا مواجہ اپنی طرف سے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کا ایمان ہو اور
انکا عمل، تاکہ ان میں جان آئے، ان میں بہت آئے اور صفات کے موتیوں کا ہمارا انکی
گلے میں پڑ جائے، اور قرون اولیٰ کی طرح انکی دنیا بھی دین ہو کر چمکے۔

اے خدا امیری مناجات بھی ادعوئی استجب لکھ کی تعمیل ہو یا ملاقات کی کہیں۔ ورنہ میں کیا
اور میری فریاد کیا، میرا لگنا کیا۔ تیرے علم سے کچھ اوجھل ہو تو کوئی تجھے مطلع کرے۔ عیلم تو خیر تو۔
کہیں تو دور ہو تو دعا کی درخواست بھیجی جائے واللہ بکل شئی عیط۔ قریب آتا کہ جس اورید
بھی قریب تر۔ رحم میں کمی ہو تو کوئی رحم دلاے مگر تو ارحم الراحمین ہو۔ یہ کہنا کہ یوں کر اور وون کر
یہ بھی بیکار یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔ پھر کہنے سے کو کیا رہا۔ ہاں تجھے باقین کر نہیں
جو لطف آتا ہو وہ موجب ہوتا ہو پاکی اور قرب کا، اسلئے آتا اور کو نکا کہ اے خدا امیری ازلی تمنا
ہو کہ پرورش اعمال کے دن ہمارا نامہ اعمال قرآن مجید ہی نکلے، اوکی شریعت کامل بھی اور اوکی روحانیت
اتم بھی۔ اپنی بساط سے باہر آؤد و لیکر آیا ہوں لیکن اے خدا مجھے نہ دیکھا اپنے کو دیکھ، تو وہ کر جو
تیرے خدائی کے شایان ہو، اور تیری عظمت و جلالت کے سزاوار تیرے فضل و کرم کے شایان ہو
اور تیرے رحم و عطیات کے سزاوار تاکہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی فریاد میں میرا نام نہ ہو جسوقت خود
بدولت کی یہ فریاد ہوگی وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ہذا القرآن مہجو ۱۵

پیشہ پر ننگ پیرس بائیں اور میں چپا